کچھ بیار اپنا

الحمد لله رب العالمين و الصلاة والسلام على سيد الأنبياء و المرسلين محمد وعلى آله و صحبه أجمعين و بعد :

کعبہ مشرفہ۔اللہ تعالی اس کی عزت وعظمت میں چار چاند لگائے ۔لوگوں کے لئے اللہ جل وعلا کی طرف سے وضع کیا جانے والا پہلا گھر ہے جو کہ ام القری،یعنی مکّہ مکرّمہ میں واقع ہے، جو اولوالعزم انبیاء کے ہاتھوں اللہ تعالی کی رعایت وصیانت میں منصہٗ وجود پر جلوہ گر ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اللہ کے مخلص بندوں کا مرکز توجہ،ان کے دلوں کا دھڑکن،ان کی نمازوں کا قبلہ،ان کی عبادتوں کا مقام،ان کے اجتماع کی جگہ،ان کے دلوں کا سرور اور آنکھوں کا قرار،ان کے ایمان وایقان کا منبع،اوران کے دین وشریعت کا سر چشمہ اوران کے اسفار وزیارات کی منزل ومقصود بن گیا۔

اللہ تعالی نے اس کی تعریف وتوصیف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: **(إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكاً وَ هُدىً لِلْعَالَمِينَ٭فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَ مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِناً) [آل عمران: ۹۶-۹۷]**

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے اپنے پاک گھر کو پانچ صفات سے متصف فرمایا ہے:

۱۔وہ روئے زمین کا پہلا گھر ہے۔

۲۔وہ مبارک ہے،یعنی خیر وبرکت سے بھرپور ہے۔

۳۔وہ سامان رشد وہدایت ہے۔

۴۔اس میں اللہ تعالی کی بہت ساری نشانیاں ہیں،جیسے کہ اس میں وہ پتھر ہے جس پر پاؤں رکھ کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی دیوار بنائی،جس پر ان کے قدموں کے نشان بن گئے،اسی طرح صفا ومروہ، آب زمزم،حجر اسود اوراس کا گہوارۂ امن ہونا وغیرہ آیات ہیں۔

۵۔جو اس میں داخل ہوجاتا ہے وہ امن میں آجاتا ہے، چنانچہ اس میں قتال وخوں ریزی، شکار حتی کہ درخت تک کاٹنا ممنوع ہے۔

صحیحین میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! روئے زمین پر کون سی مسجد پہلے بنائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجدِ حرام، میں نے پوچھا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجدِ اقصی، میں نے پوچھا؛ دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چالیس سال[البخاری:۳۳۶۶، ومسلم:۵۲۰]۔

یہ وہ گھر ہے جس کی زیارت کرنے والا گناہوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**مَنْ أَتَى هَذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَمَا وَلَدَتْهُ أُمُّهُ**)۔

یعنی: جس نے اس گھر کی زیارت کی اور اس دوران وہ بدکلامی اور فسق وفجور سے بچا رہا، تو وہ ویسے واپس ہوا جیسے اس کی ماں نے اس کو جنا تھا[مسلم:۱۳۵۰]۔

یہ اللہ تعالی کا واحد گھر ہے جس کے طواف کا صرف حکم ہی نہیں دیا گیا بلکہ اس عظیم عمل کی فضیلت میں یہ بھی کہا گیا: جب کوئی آدمی طواف کرتے ہوئے اپنا قدم اٹھاتا اور رکھتا ہے تو اللہ تعالی اس کے ہر قدم پر دس نیکیاں لکھتا ہے، دس گناہ مٹاتا ہے اور دس درجے بلند کرتا ہے[صحیح الترغیب والترهیب:۱۱۳۹]۔

اس گھر کی کھلی اور عظیم نشانیوں میں سے ایک اس میں مقامِ ابراہیم اور حجرِ اسود کا پایا جانا ہے جو کہ جنتی پتھر ہی نہیں بلکہ وہ جنت کے بیش قیمتی پتھر (یاقوت) ہیں، عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: (**إِنَّ الرُّكْنَ وَ الْمَقَامَ يَاقُوتَتَانِ مِنْ يَوَاقِيتِ الْجَنَّةِ، طَمَسَ اللَّهُ نُورَهُمَا، وَ لَوْ لَمْ يَطْمِسْ نُورَهُمَا لَأَضَاءَتَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ**)۔

یعنی: حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں، اللہ تعالی نے ان کی روشنی کو گم کردیا ہے، اور اگر وہ ان کی روشنی کو گم نہیں کرتا تو وہ دونوں مشرق ومغرب کے درمیان کی ساری چیزوں کو روشن کردیتے [صحیح سنن الترمذی: ۸۷۸].

اور یہ حجرِ اسود زمین میں اللہ تعالی کا داہنا ہاتھ ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے بندوں سے مصافحہ کرتا ہے جس طرح لوگ ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں.

حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کو چھونے سے گناہ جھڑ جاتے ہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(إِنَّ مَسْحَ الرُّكْنِ الْيَمَانِي و الرُّكْنِ الأَسْوَدِ يَحُطُّ الخَطَايَا حَطّاً)**

یعنی: رکنِ یمانی اور رکنِ حجرِ اسود کو چھونا گناہوں (صغائر) کو پوری طرح ساقط کردیتا ہے **[صحیح الترغیب و الترهیب: ۱۱۳۹]**.

کعبہ مشرفہ کے رحاب میں چاہ زمزم ہے جس کا پانی روئے زمین کا نفیس ترین، مفید تر، غذائیت سے بھرپور اور مختلف امراض کے لئے دواء اور شفا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(خَيْرُ مَاءٍ عَلَى وَجْهِ الأَرْضِ مَاءُ زَمْزَمَ ، فِيهِ طَعَامٌ مِنَ الطُّعْمِ، و شِفَاءٌ مِنَ السُّقْمِ)**.

یعنی: روئے زمین کا سب سے بہتر پانی آبِ زمزم ہے، وہ کھانے کا کھانا ہے اور بیماری کی دوا ہے [صحیح الترغیب والترهیب: ۱۱۶۱].

ابن القیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: آبِ زمزم تمام پانیوں کا سردار، سب سے اشرف، سب سے جلیل القدر، مرغوب ترین، سب سے گرانمایا اور لوگوں کے نزدیک نفیس ترین پانی ہے، وہ جبریل کے پاؤں کے ضرب سے پیدا ہونے والا اور اللہ تعالی کی طرف سے اسماعیل کو پیش کیا جانے والا آبِ مبارک ہے [زاد المعاد: ۳۹۲/۴].

جس کو نبی ﷺ نے اپنی زبانِ اطہر سے (إِنَّهَـا مُبَـارَكَة) کہہ کر اس کی عظمت وجلالت اور اس

کے منفعت بخش ہونے کی شہادت دی ہے۔

بلکہ نبی ﷺ نے اس کے دائرۂ اثر کی وسعت اور عموم فائدہ کو بیان کرتے ہوئے یہاں تک بیان فرمایا ہے کہ: **(مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ)**[صحیح ابن ماجہ:۲۵۰۲]یعنی آب زمزم سے ہر وہ مقصد حاصل ہوتا ہے جس کے لئے اسے نوش کیا جائے۔

اور یہ چشمہ تقریباً پانچ ہزار سال سے پورے آب وتاب کے ساتھ جاری وساری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا اس سے پہلے فنا نہ ہوگا۔

ان امور کے علاوہ اس کی عظمت وکرامت اور تقدس کا اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالی نے اس کی تطہیر وتزکیہ کا حکم تو دیا ہی ہے ساتھ ہی اس میں ناپاک مشرکین وکفار کے داخلہ پر پابندی عائد کردی ہے بلکہ اس سے بھی آگے جا کر اس کی حرمت وقداست کا خیال کرتے ہوئے اس کے چاروں طرف ایک باڑ قائم کردیا ہے جس کو کوئی بھی مشرک عبور نہیں کرسکتا۔

یہ اللہ کا وہ گھر ہے جس میں عمل کرنے والے کے عمل کا ثواب ہزاروں گنا بڑھ جاتا ہے، نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: **(صَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ)** یعنی: مسجد حرام میں پڑھی جانے والی نماز اس کے علاوہ مساجد میں پڑھی جانے والی نماز سے ایک لاکھ گنا افضل ہے[صحیح سنن ابن ماجہ:۱۱۶۳]۔

اس حدیث میں اگرچہ نماز کی افضلیت کا ثبوت پایا جاتا ہے مگر اس پر دیگر اعمال وطاعات کو قیاس کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

مذکورہ خصائص وفضائل کے علاوہ کعبہ مشرفہ کے اور بھی بہت سے خصائص وامتیازات ہیں جن کو اس کتاب کے اندر بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ نہایت فاضلانہ، عادلانہ، محققانہ اور محدثانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے، کعبہ وبیت اللہ الحرام کے سلسلے میں تحریر ہزاروں کتابوں کے درمیان یہ کتاب گرانمایہ غیر معمولی

اہمیت وافادیت رکھتی ہے کیوں کہ اس میں تمام سابقہ کتابوں کا نچوڑ پیش کئے جانے کے ساتھ مزید بیش بہا معلومات اور علمی وتحقیقی بیانات وحقائق کو حیطۂ تحریر میں لایا گیا ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے قاری کو معلوم ہوگا کہ اس کے مصنف ڈاکٹر محمود بن احمد الدوسری حفظہ اللہ ماہر قلم کار، نابغۂ روزگار، میدان تصنیف وتالیف کے شہسوار اور عمدہ ذوق ونفیس مزاج کے مالک ہیں، انہوں نے جس طرح اس موضوع کا احاطہ کیا ہے اور جس نزاکت کے ساتھ حق تصنیف کو ادا کیا ہے یہ انہیں کا حصّہ ہے، اس کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے تمام بیانات اور جملہ مضامین ومواد غایت درجہ موثّق اور دلیل سے مزیّن ومؤید ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ انہوں نے صرف انہیں احادیث وروایات کے ذکر وبیان پر اکتفا کیا ہے جو اہل صناعت کے نزدیک قابل اخذ واعتبار ہے، کعبہ کے تعلق سے مشہوران تمام مرویات کو کوڑے کے ڈھیر میں ڈال دیا ہے جو اسی کی حقدار تھیں اور کسی بھی طرح اعتبار واستدلال کے لائق نہیں تھیں۔

جہاں تک ترجمے کی بات ہے تو اس کی خوبی وخرابی کا فیصلہ کرنا قارئین کرام کا حق ہے، کتاب کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر میں نے اس کے ترجمے کی ذمہ داری قبول کرلی، اس کو ادا کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ قارئین کریں گے، انسان سے غلطی کا صدور یقینی ہے، اگر قابل تسامح ہو تو درگذر فرمائیں اور اگر لائق گرفت ہو تو اس کی نشاندہی ضرور کریں، اللہ تعالی ہماری نیتوں میں اخلاص اور ہمارے عزائم واعمال میں پختگی پیدا کرے، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نور الإسلام مدنی

جامعہ امام ابن تیمیہ، مدینۃ السلام، مشرقی چمپارن، بہار

مقدمہ مؤلف

الحمدلله، نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، (يأيها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولاتموتن إلا وأنتم مسلمون) [آل عمران:۱۰۲] (يأيها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا كثيراً ونساء. واتقوا الله الذى تسائلون به والأرحام. إن الله كان عليكم رقيبا) [النساء:۱] (يأيها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولاً سديداً، يصلح لكم أعمالكم ويغفرلكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما) [الأحزاب:۷۰۔۷۱]۔

أما بعد: فإن أحسن الحديث كلام الله تعالى، وخير الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار۔

أما بعد:

کعبہ شرفہ اللہ تعالیٰ کا محترم گھر، کائنات کا مرکز ومحور، اسلام کی عزت وآبرو اور ایمان کی شناخت اور اس کا جوہر ہے، جو کہ مسلمانوں کا قبلہ ہے جس کے لئے ان کی روحیں مضطرب، جسم پریشان اور دل بے چین ہوتے ہیں، جس کے دامنِ فیض سے بہت سے دروس وعبر حاصل ہوتے ہیں، جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور زمین آسمانوں سے بغل گیر ہوتی ہے۔

تعمیری اعتبار سے یہ قدیم اور بسیط گھر، جو کہ عظمت وزینت کے ان تمام ظاہری مظاہر سے مبرا ہے جن کا لوگ اپنے گھروں کی آرائش کے وقت خوب خوب نمائش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی

بلندی وخوبصورتی کے عوض لوگوں کی نگاہوں میں اس کے جاہ وجلال کو اور دلوں میں اس کی عزت وتعظیم کو اور وجدان وشعور میں اس کی محبت وشوق کو ڈال دیا ہے جس کی وجہ سے دنیا کی بلندترین اور عظیم تر عمارتیں مقام ومنزلت کے اعتبار سے اس کے سامنے کچھ اہمیت نہیں رکھتیں۔

اس گھر کو ظاہری ونمائشی عظمت وزینت کے مظاہر سے دور رکھے جانے کی، جبکہ اللہ تعالیٰ ہیئت وشکل، تعمیر وبنا اور حسن وجمال کے اعتبار سے اس کو دنیا کی عظیم ترین اور سب سے پُرشکوہ عمارت بنانے پر قادر تھا؛ کئی ساری روشن حکمتیں ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کے دل اس گھر کے ساتھ نہیں بلکہ اس گھر کے رب کے ساتھ مربوط رہیں، اور اس کی تعظیم اس کی تعمیر کا حکم دینے والے اللہ وتبارک تعالیٰ کی عظمت سے جڑی رہے، خود عمارت کی عظمت وبلندی سے نہیں، اور اس کے زائرین کو اللہ تعالیٰ کی عظمت ووحدانیت اور اس کی عبادت میں غور وفکر سے مشغول کردینے والی چیزوں سے دور رکھا جائے، اگر بالفرض یہ گھر نہایت پُرشکوہ اور حد درجہ مزین ہوتا تو لوگ اس کی ہیئت وبناوٹ اور حسنِ تعمیر میں غور وفکر کرنے لگتے، اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے لئے واجب وثابت عبادت سے مشغول کردینے والی چیزیں ہوتیں۔

یہ گھر صرف عمارت نہیں بلکہ ایک علامت ہے، طہارت کی علامت ہے، پاکیزگی اور صفائی کی ہے، توحیدِ خالص کی علامت ہے، اس فطرت کی علامت ہے جس پر انسانی تخلیق عمل میں آئی ہے، ایسی علامت جو روئے زمین پر انسانی وجود کا حقیقی مفہوم بیان کرتی ہے، جو وجود اس اللہ کی عبادت سے مربوط ہے جو تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور یہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تعمیر کیا جانے والا پہلا گھر ہے، یہ قدیم گھر اس بات کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ انسانی تاریخ دینی تاریخ رہی ہے، ایسی اقتصادی اور سماجی تاریخ نہیں جو ہر طرح کے خصائص ومیزات سے عاری اور اعلی مقاصد ومصالح سے خالی ہو جس کی ترویج واشاعت کا کام مادی افکار ونظریات اور نفع خور جماعت وجمعیات کی طرف سے خوب خوب انجام دیا جا رہا ہے۔

اور چونکہ لوگوں کے دل اس گھر کے دیدار کے لئے بے قرار نظر آتے ہیں اوران کی روحیں اس کی زیارت کے لئے آمادہ ومضطرب دکھائی دیتی ہیں لہذا میرے دل میں یہ شدید خواہش پیدا ہوئی کہ میں کعبہ اوراس کی فضیلت، خصائص، احکام اوراس کی تاریخ کو یکجا کروں، اوراسی کے نتیجے میں یہ کتاب وجود میں آئی ہے جس کے ذریعہ میں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہوں اوراس سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کے ہر حرف، ہر معنی اور ہر فائدہ کو اپنی محبت ورضا کے لئے خاص کرلے۔

اوراللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی میں اس کو اس پرکشش جوڑے (خوبصورت، دیدہ زیب) میں پیش کرنے میں کامیاب ہوسکا، یہ کتاب مشمولات کی گہرائی، مسائل واحکام کی گیرائی، حسن منظر اور خوبیٔ اعداد کو اپنے اندر سموئے ہوئی ہے، اوراس قدر اہتمام کے پس پردہ میرا مقصد یہ ہے کہ اس کو خوب سے خوب رواج ملے اور مسلمانانِ عالم کی بڑی تعداد تک اس کا فیض پہنچے، اور ایسا اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وعنایت کی وجہ سے ممکن ہوسکا ہے جس سے وہ اپنے خاص بندوں کو نوازتا ہے، اوراپنے فضل وانعام پر ہر طرح کی تعریف کا مستحق بھی وہی ہے(**قل بفضل الله وبرحمته فبذلک فليفرحوا هو خيرمما يجمعون**)[یونس:۵۸] آپ کہہ دیجئے کہ بس لوگوں کو اللہ کے اس انعام اوررحمت پر خوش ہونا چاہئے، وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جس کو وہ جمع کررہے ہیں۔

موضوع کی اہمیت اور منہج تالیف:

موضوع کی اہمیت کے تعلق سے خاص بات یہ ہے کہ یہ ایک تحقیقی موضوع ہے جو کعبہ شرفہ اوراس سے منسلک امور جیسے اس کی تاریخ، فضیلت، خصائص اوراحکام کو شامل ہے، جن کے بیان میں ان صحیح شرعی دلائل پر اعتماد کیا گیا ہے جو اس میدان کے علماء وفضلاء کے قائم کردہ معیار پر کھرا اترتے ہیں، جب کہ ان احادیث وواقعات اوراخبار سے صرف نظر کیا گیا ہے جو صحیح نہیں ہیں حالانکہ کعبہ اوراس کے احوال کے تعلق سے کافی مشہور ہیں، گویا اس کتاب کا منہج اس اعتبار سے محدثین کرام کے منہج پر قائم ہے کہ اس میں کسی

حدیث کولانے کے لئے صحتِ حدیث کو بنیادی شرط ٹھہرا گیا ہے اور یہی قابل اعتبار و لائق اعتماد منہج ہے، اسی طرح فقہی مسائل بیان کرتے وقت ہر مسئلہ میں قولِ راجح کو اہمیت دی گئی ہے (1)، علاوہ ازیں (قرآن وسنت) سے اہم دلائل کو ذکر کیا گیا ہے، اور -بوقت ضرورت- اثر اور معقول سے بھی دلیلیں دی گئی ہیں اور اگر کسی مسئلہ پر اجماع پایا جاتا ہے تو (دلیل اجماع) کو بھی ذکر کیا گیا ہے، ساتھ ہی ساتھ دلائل سے مستنبط ہونے والی کچھ حکمتوں اور علمی فوائد کو بھی جگہ دی گئی ہے، نیز طول کلامی کے اندیشے اور بدمزگی کے ازالے اور قارئین کرام کی آسانی اور اذہان وقلوب میں راجح کی ترجیح کے مقصد سے مخالف اقوال تو کجا مرجوح اقوال کو بھی کچھ خاص اہمیت نہیں دی گئی ہے۔

یہ کتاب تمام مسلمانوں کی خدمت میں پیش ہے، اس سے درس وتحصیلِ علم میں مشغول طالب علم بھی مستغنی نہیں ہوسکتا اور اس کتاب کا منہج سہل اور تعبیر آسان ہونے اور اس کے جدلِ مذموم اور مناظرانہ انداز اور تکلفات سے بری ہونے کی وجہ سے غیر متخصصین قراء کرام بھی آزردہ خاطر نہیں ہوسکتے۔

---

1. چند ہی مسائل میں ان کی اہمیت کے پیش نظر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

پہلی فصل

کعبہ کی تعریف اور اس کے اسماء

اس میں دو مباحث ہیں:

مبحث اول :تعریفِ کعبہ

مبحث ثانی :اسمائے کعبہ

مبحث اول

تعریفِ کعبہ

تعریف: کعبہ اللہ تعالیٰ کا وہ گھر ہے جو مسجدِ حرام کے وسط میں واقع ہے، جو کہ مسقف (چھت والا) ہے اور شکلاً مربع (چوکور) ہے، البتہ اس کی دیواریں برابر نہیں ہیں:

بابِ کعبہ کی طرف سے اس کی دیوار کی چوڑائی (۱۱.٦٨ میٹر) ہے، اور حجر (خانہ کعبہ کی مجبور جگہ) کی جانب سے (۹.۹۰ میٹر) ہے، رکنِ شامی اور رکنِ یمانی کے درمیان (۱۲.۴ میٹر) ہے، حجرِ اسود و رکنِ یمانی کے درمیان (۱۰.۱۸ میٹر) ہے، اس کی اونچائی (۱۴ میٹر) کے قریب ہے اور اس کا رقبہ (۱۴۵ میٹر) ہے (2)

قرآن کریم میں کعبہ کا ذکر دو مرتبہ آیا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں: **جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَاماً لِلنَّاسِ** [المائدة:۹۷]

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ محترم گھر ہے لوگوں کے قیام اور گزران کے لئے مفید بنایا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں: **هَدْياً بَالِغَ الْكَعْبَةِ** [المائدة:۹۵]

---

۲. دیکھئے: الحرم المکی الشریف والأعلام المحیطة به دراسة تاریخیة ومیدانیة، د عبدالملک بن دھیش (ص:۹۸) ؛ مکة المکرمة تاریخ ومعالم، محمود محمد حمو (ص:۴۰).

اور وہ فدیہ چوپایوں میں سے ہو جو کعبہ تک پہنچایا جائے.

سبب تسمیہ:

کعبہ کو کعبہ کے نام سے پکارے جانے (یعنی اس کے سبب تسمیہ) کے سلسلے میں دو اقوال آئے ہیں:

اول: اس کے علو وظہور اور بروز کی وجہ سے اس کا نام کعبہ رکھا گیا، جیسے عرب کہتے ہیں: "**قد کعب ثدی المرأة**"۔ جب عورت کا پستان بلند اور ظاہر ہو، یہی جمہور کا قول ہے، اور ہر بارزشی کعب ہے خواہ وہ مستدیر ہو غیر مستدیر ہو، اور اسی معنی میں "کعب القدم" پاؤں کے اوپر ابھری ہوئی ہڈی ہے (3).

دومؔ: اس سے موسوم کئے جانے کی وجہ اس کی عمارت کا مکعب یعنی مربع شکل کا ہونا ہے، یہ مجاہد کا قول ہے، اور عرب کے نزدیک ہر مربع شی کعبہ ہے، اور تکعیب بمعنی تربیع ہوتا ہے، اور عربوں کے اکثر گھر مدوّر (گول) ہوتے تھے مربع (چوکور) نہیں (4).

پہلا قول دو اسباب کی وجہ سے زیادہ قرینِ صحت ہے:

۱۔ کعب کا لغوی معنی ہوتا ہے: پاؤں اور پنڈلی کے مکان التقاء کے پاس کی ابھری ہوئی ہڈی (5).

۲۔ مسقط کعبہ (کعبہ کے محل وقوع) کی ریاضیاتی شکل، جیسا کہ جدید تحقیقات سے ثابت ہے، ٹیڑھی اور مختلف اضلاع والی شکل ہے اور یہ عمارتوں میں استعمال ہونے والی تعمیری شکلوں میں ایک نادر شکل ہے، اور اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ کعبہ مشرفہ کو اس نام سے موسوم کئے جانے کا سبب اس کے علو وبروز کی طرف ہی عائد ہے، اس کے شکلاً مکعب ہونے کی طرف نہیں (6).

---

۳ . دیکھئے تفسیر الماوردی، (۲/۶۹)؛ تفسیر الطبری (۷/۷٦).

۴ . دیکھئے: لسان العرب، ابن منظور (۱/۷۱۸)؛ مختار الصحاح، رازی (ص: ۲۳۸).

۵ . دیکھئے: لسان العرب (۱/۷۱۸)؛ وفتح الباری، ابن حجر العسقلانی (۲/۲۱۱).

٦ . دیکھئے: الکعبۃ المشرفۃ دراسۃ تحلیلیۃ للخصائص التصمیمیۃ: د. یحیی محمد وزیری (ص: ۱۸).

کعبہ کے ارکان:

کعبہ معظّمہ کے **چار مشہور ارکان** ہیں، جو کہ معمولی انحراف کے ساتھ چاروں اصلی سمتوں کی طرف واقع ہے۔

چنانچہ **شمال** میں رکنِ عراقی ہے، اور **جنوب** میں رکن یمانی ہے، اور **مشرق** میں رکن حجرِ اسود ہے، اور **مغرب** میں رکنِ شامی ہے۔

امام نوی نے کہا: (آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ خانہ کعبہ کے چار ارکان ہیں: رکنِ حجرِ اسود، اور رکن یمانی، ان دونوں کو رکنِ یمانی کہا جاتا ہے، اور بقیہ ارکان کو شامی کہا جاتا ہے۔

رکنِ حجر اسود کو دو فضیلتیں حاصل ہیں: پہلی یہ کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر قائم ہے، اور دوسری یہ کہ اس میں حجرِ اسود لگا ہوا ہے۔

جہاں تک **رکنِ یمانی کی بات** ہے تو اس کو صرف **ایک** فضیلت حاصل ہے اور وہ یہ کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی ڈالی ہوئی بنیاد پر قائم ہے، **بقیہ دو ارکان** کو ان دونوں فضیلتوں میں سے کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، چنانچہ دو فضیلتوں کی وجہ سے **رکنِ حجر اسود** کو دو خصوصیتیں حاصل ہیں، استلام (چھونا) اور تقبیل (بوسہ دینا)، جبکہ **رکنِ یمانی** کا صرف استلام مشروع ہے اس کو بوسہ دینا مشروع نہیں ہے، کیوں کہ اسے صرف ایک ہی فضیلت حاصل ہے اور بقیہ دو ارکان کو نہ بوسہ دیا جائے گا اور نہ ان کو چھوا جائے گا(7)۔

۷۔ شرح النووی علی صحیح مسلم (۱۴/۹)۔

مبحث دوئم

کعبہ کے اسماء:

کعبہ مشرفہ کے بہت سے نام ہیں، اوران ناموں کی کثرت مسمّٰی کے شرف وفضل کی دلیل ہے، اور کعبہ کے بعض اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا: البیت (گھر):

قرآن کریم میں یہ لفظ پندرہ بار آیا ہے (8) کہیں مفرد ذکر آیا ہے، اورکہیں اللہ تعالیٰ کی طرف عائد ضمیر کی طرف مضاف ہوکر (9)، اورکہیں مختلف صفات جیسے (الحرام یاالمحرّم ،یاالعتیق) کاموصوف بن کر (10)، اوراس کی مثال درج ذیل ہے:

الف :۔البیت:

کعبہ کے معنی میں لفظ بیت کا استعمال اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہوا ہے: **إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ** [آل عمران:۹۶].

بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جولوگوں کے لئے بنایا گیا، وہ ہے جومکہ میں ہے، اورتمام جہاں والوں کے لئے باعث برکت وہدایت ہے، (اورکعبہ کو بیت اس لئے کہا گیا ہے، کیوں کہ اس کی چھت اوردیواریں ہیں، اوریہی چیزیں بیت کی حقیقت ہوتی ہیں، اگرچہ اس میں رہنے والا کوئی نہ ہو) (11).

---

۸. اس کی مثالیں آنے والی سورتوں کے نمبرات آیات کی مدد سے معلوم کریں، (البقرۃ:۱۲۵، ۱۲۷، ۱۵۸) ؛ (آل عمران:۹۶ـ۹۷)؛ (الأنفال:۳۵) ؛ (الحج:۲۶) ؛ (قریش:۳).

۹. اس کی مثالیں آنے والی سورتوں کے نمبرات آیات کی مدد سے معلوم کریں، (البقرۃ:۱۲۵)؛ (ابراہیم:۳۷)؛ (الحج:۲۶).

۱۰. اس کی مثالیں آنے والی سورتوں کے نمبرات آیات کی مدد سے معلوم کریں، (المائدہ:۹۷) ؛ (الحج:۲۹، ۳۳) ؛ (الطور:۴).

۱۱. فتح القدیر للامام شوکانی (۲/۷۹).

ب:ضمیر کی طرف مضاف ہوکر بیت کا وارد ہونا:

لفظ بیت اللہ تعالٰی پر دلالت کرنے والی ضمیر کی طرف مضاف ہوکر تین مقامات پر وارد ہوا ہے:

اول: اللہ تعالٰی کے اس قول میں: **وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْناً**[البقرة:۱۲۵]اور جب ہم نے بیت اللہ کولوگوں کے لئے ثواب اور امن وامان کی جگہ بنائی۔

دوم: اللہ تعالٰی کے اس قول میں: **وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ**[الحج:۲۶]اور جب ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو بیت اللہ کی جگہ بتلا دی۔

سوم: اللہ تعالٰی کے اس قول میں: **عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ**[ابراہیم:۳۷]تمہارے حرمت والے گھر کے پاس۔

اور ابن عطیہ نے اللہ تعالٰی کی طرف بیت کی اضافت کے راز سے یہ کہتے ہوئے پردہ اٹھایا ہے(بیت کے شرف کو بیان کرنے کے لئے اللہ تعالٰی نے اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے اور یہ مخلوق کی اضافت خالق کی طرف،اور مملوک کی اضافت مالک کی طرف کئے جانے کے قبیل سے ہے)(12)۔

ج:البیت الحرام (محترم گھر):

قرآن کریم میں بیت کو لفظ (الحرام) سے دو جگہوں پر موصوف کیا گیا ہے:

اول: اللہ تعالٰی کے اس قول میں: **وَلا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ**[المائدہ:۲]اور نہ حلال بناؤ بیت حرام کی طرف آنے والوں کو۔

دوم: اللہ تعالٰی کے اس قول میں: **جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ**[المائدہ:۹۷]اللہ تعالٰی نے کعبہ کو جو کہ محترم گھر ہے،لوگوں کی قیام اور گذر ران کے لئے مفید بنایا ہے۔

اور حرام مصدر بمعنی محرّم (محترم) ہے،علامہ السخاوی نے کہا ہے: (اور کعبہ کے بہت سے نام ہیں،جن میں سے ایک بیت الحرام ہے،اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے اس کو حرمت وعظمت سے نوازا ہے،

۱۲۔ المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز:(۱/۲۰۸)۔

اوراس کی تعظیم سے مراد سارے حرم کی تعظیم ہے (13)۔

و: البیت المحرّم:

اس کا ذکر بزبان ابراہیم علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کے اس قول میں آیا ہے: (رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ) [ابراھیم:۳۷] اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو تیرے محترم گھر کے پاس ایک وادی میں بسایا ہے، جہاں کوئی کھیتی نہیں ہے۔

اور بیت کو لفظ (المحرّم) سے موصوف کیا گیا ہے، جو اسم مفعول ہے، اور یہ ایسا وصف ہے جو دلالت کے اعتبار سے وصف (الحرام) کا ہم معنی ہے۔

دونوں صفتوں میں فرق:

ا۔ جہاں تک مفعولی صفت (المحرّم) کی بات ہے تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ یہ وہ بیت ہے جس کو محترم قرار دیا گیا ہے، یعنی: اس کو حرمت بعد میں حاصل ہوئی ہے، پہلے نہیں تھی۔

۲۔ اور جہاں تک اس کی صفت مصدری (الحرام) کا تعلق ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ بیت کو ابتدا ہی سے حرمت وتقدس حاصل اوراس کے لئے ثابت ومستمر ہے، اس میں اس کے حصول کے وقت کا اہتمام واعتناء نہیں ہے بلکہ اہتمام ثبوت واستمرار کا کیا گیا ہے (14)۔

اس کو المحرّم کی صفت سے متصف کئے جانے کا سبب:

(اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے تعرض کرنے اوراس سے غفلت برتنے کو حرام ٹھہرایا ہے، اوراس کی عظمت کی وجہ سے اس کے اردگرد کی جگہوں کو حرم قرار دیا ہے، یا اس لئے کہ یہ ہمیشہ سے نا قابل تسخیر اور پُرشوکت رہا ہے جس سے تمام سرکش لوگ خوف کھاتے رہے ہیں، ایک شیٔ محرم کی طرح جس کا

۱۳۔ منائح الکرم فی اخبار مکۃ والبیت وولاۃ الحرم، للسخاوی (۱/۷۵۲)۔

۱۴۔ دیکھئے: اسماء الکعبۃ المشرفۃ فی الدرس اللغوی (ص:۲۰)۔

حق ہے کہ اس سے دور رہا جائے، یا اس لئے کہ یہ قابل احترام اور عظیم حرمت والا ہے جس کی پامالی جائز نہیں ہے، یا اس لئے کہ اس کو طوفان پر حرام ٹھہرا دیا گیا ہے یعنی: طوفان سے محفوظ بنا دیا گیا ہے، جیسا کہ اس کو عتیق کہا گیا ہے کیوں کہ اس کو طوفان سے آزاد کر دیا گیا ہے اور وہ اس پر غلبہ نہیں پا سکتا) (15).

ہ۔ البیت العتیق: (قدیم گھر)

قرآن کریم کی دو آیتوں میں بیت کو عتیق کی صفت سے متصف کیا گیا ہے:

اول: اللہ تعالی کے اس قول میں: (**وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ**)[الحج:۲۹] اور بیت عتیق (اللہ کے قدیم گھر) کا طواف کریں.

دوم: اللہ تعالی کے اس قول میں: (**ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ**) [الحج:۳۳] پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ بیت عتیق (خانہ کعبہ) ہے۔

عتیق سے متصف کئے جانے کا سبب:

بیت کو عتیق سے متصف کئے جانے کے سبب کے بارے میں علماء نے کئی اقوال گنائے ہیں جن کی تفصیل یوں ہے:

ا۔ **اس کی قدامت کی وجہ سے** اس نام سے موسوم کیا گیا ہے (16)، اور لغت میں العتیق: قدیم شیئ کو کہا جاتا ہے، کہتے ہیں: **سیف عتیق** (قدیم تلوار)، اور **دینار عتیق** (قدیم دینار) (17)، اور اس کی تائید اللہ تعالی کے اس قول سے ہوتی ہے: **إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ** [آل عمران:۹۶]، بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے، وہ ہے جو

---

۱۵ . الکشاف (۵۴۴/۲).

۱۶ . دیکھئے: معانی القرآن، للنحاوی (۴۰۳/۳) ؛ الکشاف (۲۹۴/۱).

۱۷ . دیکھئے: نووی کی تہذیب الاسماء (۱۸۹/۳) ؛ لسان العرب، لابن منظور (۲۳۶/۱۰).

مکہ میں ہے، اور تمام جہاں والوں کے لئے باعثِ ہدایت وبرکت ہے، (یعنی خانہ کعبہ اماکنِ عبادت میں سے **قدیم ترین مکان** ہے (18).

۲۔ اس نام سے اس کو اس لئے متصف کیا گیا ہے، کیونکہ **اللہ تعالیٰ نے اس کو سرکش افراد سے آزاد کردیا ہے** وہ اس میں تخریب کاری نہیں کرسکیں گے، یہی وجہ ہے کہ کوئی سرکش اس کو سبوتاژ نہیں کرسکا، اور اس پر اس کی تعظیم اور احترام کرنے والے کو ہی مامور کیا گیا (19).

۳۔ اس کو اس لئے اس نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ اس پر کبھی بھی ملکیت قائم نہیں کیا جاسکا، ابن ظہیرہ نے کہا ہے: (اس نام سے موسوم کئے جانے کا سبب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعزت ہے، کیونکہ اس پر اللہ کی مخلوقات میں سے کسی کی ملکیت قائم نہیں ہوسکی، چنانچہ یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ فلاں کا گھر ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ کا گھر ہے)(20).

۴۔ اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے اندر **گنہگاروں کی گردنوں کو عذاب اور جہنم** سے آزاد کرتا ہے (21).

اور عتیق: (فَعِیل کے وزن پر ہے اور مُفعِل کے معنی میں سے ہے، یعنی: مُعْتِق، گنہگاروں کی گردنوں کو آزاد کرنے والا، اور اعتاق کی نسبت اس کی طرف مجازی ہے، وجہ نسبت یہ ہے کہ اس کی زیارت اور اس کے طواف سے آزادی (اعتاق) حاصل ہوتی ہے، اس لحاظ سے اس کے مُعْتِق ہونے کا یہ مفہوم لیا جا سکتا ہے کہ اس میں گنہگاروں کی گردنیں آزاد ہوتی ہیں)(22).

---

۱۸ . أضواء البیان، للشنقیطی (۲۵۳/۵).

۱۹ . دیکھئے: دلائل النبوۃ، للبیہقی (۱۲۵/۱) ؛ تفسیر البغوی (۲۸۵/۳) ؛ تفسیر الطبری (۲۳۶/۱۰).

۲۰ . الجامع اللطیف فی فضل مکۃ وأھلھا وبناء البیت الشریف (ص:۱۹).

۲۱ . دیکھئے: المحرر الوجیز، لابن عطیۃ (۱۱۹/۴) ؛ تفسیر القرطبی (۵۳/۱۲).

۲۲ . البحر المحیط (۳۳۹/۶)؛ روح المعانی للآلوسی (۱۲۷/۱۷).

اوراس کی تائید عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ایک روز ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے تو آپ نے ان سے فرمایا:" **أنت عتيق الله من النار**" یعنی: کہ آپ جہنم سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزاد کردہ ہیں،اسی دن سے ان کو (ابوبکر رضی اللہ عنہ کو) عتیق کہا جانے لگا(23).

۵۔اس نام سے اس کو موسوم کئے جانے کا سبب اس کی بزرگی اور عمدگی ہے،اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ: لغت کے اندر عتیق کے معانی میں سے ایک معنی کریم اور دیدہ زیب شیٔ بھی ہے، کہا جاتا ہے:**ما أبين العتق في وجه فلان**. یعنی فلاں کے چہرے سے کس قدر کرامت جھلک رہی ہے، اور کہتے ہیں: **امر أة عتيقة**: خوبصورت اور کریم عورت(24).

ویسے اس کو عتیق سے موسوم کئے جانے کے مذکورہ سارے اسباب وجہ ہوسکتے ہیں لیکن ان اقوال میں سے صحیح تر قول پہلا قول ہے،اور وہ یہ ہے کہ اس کو عتیق کی صفت سے اس کی قدامت کی وجہ سے متصف کیا گیا ہے،اسی کو شنقیطی نے راجح ٹھہرایا ہے (25).

دوسرا: قادس:

کعبہ مشرفہ کے اسماء میں سے ایک نام (**قادس**) ہے،یہ تقدیس بمعنی تطہیر سے ماخوذ ہے،اور اسی معنی کی بنا پر قدُّوس کو قدوس کہا گیا ہے، اسی سے مقدّس،بمعنی مطہر ہے،اور **قادس**: طاہر کے معنی میں ہے(26).

۲۳ . سنن الترمذی(۶۱۶/۵)(ح:۳۶۷۹)،اورالبانی نے اس کو(صحیح سنن الترمذی)،(۵۰۸/۳)، (ح:۳۶۷۹) میں صحیح قرار دیا ہے.

۲۴ . دیکھئے:النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر،لابن أثیر(۱۷۹/۳)؛ لسان العرب(۲۳۶/۱۰).

۲۵ . أضواءالبیان(۴۵۳/۵).

۲۶ . دیکھئے:الجامع اللطیف فی فضل مکۃ وأھلھاوبناءالبیت الشریف(ص:۱۱۰)؛ بیان تلبیس الجھمیۃ،لابن تیمیۃ(۵۲۷/۲).

ماحصل یہ کہ: کعبہ کو اس لئے قادس کہا گیا ہے کیونکہ وہ (لوگوں کو گناہوں سے پاک کرتا ہے) (27).

تیسرا: ناذر:

کعبہ کے اسماء میں سے ایک اسم (ناذر) ہے، **اور اس نام سے کعبہ کو اس لئے موسوم کیا گیا کیونکہ:** (اس کی طرف ہدی یعنی: کعبہ کے لئے بھیجے جانے والے جانور، اور دوسری چیزیں نذر کی جاتی ہیں (28).

چوتھا: نادر:

کعبہ کے ناموں میں سے ایک (نادر) ہے، ازہری نے کہا ہے: (**ندرت**: معدن (کان) میں پائے جانے والے سونے اور چاندی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں) (29).

اور کعبہ کو نادر سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ: عرب کے لوگ ندرت میں (یعنی: کچھ دنوں کے بعد) کعبہ آیا کرتے تھے (30)، نیز وہ صورت وشکل، طرز تعمیر اور مقام وفضیلت کے اعتبار سے نادر اور ان چیزوں کے ساتھ منفرد ہے (31).

پانچواں: البَنِيّة:

کعبہ کے ناموں میں سے ایک نام (البنِيّة) ہے، ابن منظور نے کہا ہے: (**بنِيّة**: فعیلہ کے وزن پر ہے، اور اس سے مراد کعبہ ہے، اس سے موسوم ہونے کی وجہ اس کا شرف ہے، اس لئے کہ وہ سب سے اشرف عمارت ہے) (32).

اور براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ انہوں نے کہا: ''میں نے سوچا کہ

---

۲۷ . دیکھئے: معجم ما استعجم للبکری (۱/۲۹۰).
۲۸ . أسماء الکعبۃ المشرفۃ فی الدرس اللغوی (ص: ۲۵).
۲۹ . تہذیب اللغۃ (۱۴/۶۷) ؛ لسان العرب (۵/۲۲۰).
۳۰ . القاموس المحیط (ص: ۶۱۸).
۳۱ . دیکھئے: اسماء الکعبۃ المشرفۃ فی الدرس اللغوی (ص: ۲۶).
۳۲ . لسان العرب (۱۴/۹۵).

اس بیۃ - یعنی کعبہ - کو اپنی پیٹھ کے پیچھے نہ چھوڑوں، اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھوں"(33).

اور ابن الاثیر نے کہا ہے: (کعبہ کو بینہ ابراہیم علیہ السلام کے نام سے پکارا جاتا تھا، کیونکہ انہوں نے اسے بنایا تھا، اور **ربّ هذه البَنِيَّة** (کعبہ کے رب کی قسم) کے ذریعہ لوگ بکثرت قسمیں کھاتے رہے ہیں)(34).

چھٹا: الدوار:

کعبہ کے ناموں میں سے ایک نام **(الدوار)** دال کو ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے۔ اور سبب **تسمیہ** کعبہ کے چاروں طرف دوران کرنا یعنی چکر لگانا ہے۔ (دُوار جمع ہے دائر کی، اور دَوّار صیغۂ مبالغہ ہے، اور ان دونوں لغتوں کے اعتبار سے اس کا معنی کعبہ کے چاروں طرف طواف کرنے والوں کا بکثرت دوران یعنی چکر لگانا ہے)(35).

ساتواں: القبلة:

اللہ تعالی کا قول ہے: **(وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا)** [البقرۃ:۱۴۳] یہاں "**كُنْتَ عَلَيْهَا**" بمعنی "**أَنْتَ عَلَيْهَا**" ہے یعنی جس قبلہ پر آپ تھے کا مطلب ہے جس پر آپ ہو، اور یہ کعبہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا یہ قول ہے: "**كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ**" [آل عمران:۱۱۰] یہاں بھی "**كُنْتُمْ**" بمعنی "**أَنْتُمْ**" ہے (36)، یعنی تم بہترین امت تھے کا مطلب ہے بہترین امت ہو، گویا آیت میں مذکورہ قبلہ سے مراد کعبہ ہے(37).

---

۳۳ . مسند احمد، (۲۳۱/۳)(ح:۱۵۸۳۶) ؛ صحیح ابن خزیمہ (۲۲۳/۱)، (ح:۴۴۹)، اور مسند احمد کے محققین نے کہا ہے:
(حدیث قوی ہے، اور یہ سند حسن ہے)(۹۵/۲۵)، (ح:۱۵۷۹۸).

۳۴ . النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر (۱۵۸/۱).

۳۵ . اسماء الکعبۃ المشرفۃ فی الدرس اللغوی (ص:۲۸).

۳۶ . تفسیر البغوی (۱۲۳/۱).

۳۷ . دیکھئے: الکشاف (۲۲۵/۱).

دوسری فصل

کعبہ کی تعمیر

اوراس میں دومباحث ہیں:

مبحث اول: اسلام سے پہلے کعبہ کی تعمیر.

مبحث دوم: اسلام کے بعد کعبہ کی تعمیر.

مبحث اول

اسلام سے پہلے کعبہ کی تعمیر

تعمیر کعبہ کے سلسلے میں علماء کا اختلاف:

علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کی تعمیر کس نے کیا، اور اسلام سے پہلے کتنی بار اس کی تعمیر ہوئی ہے؟

جہاں تک تعمیرِ کعبہ کے سلسلے میں مفسرین ومحدثین اور مؤرخین کے ذکر کردہ دلائل کا تعلق ہے، تو ان میں سے کچھ صحیح اور قطعی ہیں لہٰذا انہیں قبول کیا جائے گا، اور ان میں سے کچھ اس کے برخلاف ہیں لہٰذا انہیں قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ مسائل غیب میں سے ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل واقع ہوا ہے، لہٰذا وحی کی تائید کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا، اوراس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش بھی نہیں ہے (38).

اسلام سے قبل کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے (39).

۱۔ تعمیر ملائکہ علیہم السلام

۲۔ تعمیر آدم علیہ السلام

---

۳۸ . دیکھئے: بیت اللہ الحرام الکعبۃ (ص: ۷۳).

۳۹ . دیکھئے بیت اللہ الحرام الکعبۃ محمد بن عبداللہ ثابت شبالہ (ص: ۸۰).

۳۔ تعمیر شیث بن آدم علیہ السلام
۴۔ تعمیر ابراہیم علیہ السلام
۵۔ تعمیر عمالقہ (40).
۶۔ تعمیر جرہم
۷۔ تعمیر قصی بن کلاب (41).
۸۔ تعمیر عبدالمطلب (42).
۹۔ تعمیر قریش

اسلام سے قبل کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں راجح قول:

تحقیق یہ ہے کہ اسلام سے قبل کعبہ کی تعمیر صرف چار بار ہوئی ہے (43). اور اس کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ تعمیر ابراہیم علیہ السلام، اور یہ کعبہ کی پہلی تعمیر تھی.
۲۔ تعمیر عمالقہ.
۳۔ تعمیر جُرہم.
۴۔ تعمیر قریش.

جہاں تک ملائکہ - علیہم السلام- کی طرف سے کعبہ کی تعمیر کئے جانے کی بات ہے تو اس کے لئے کوئی صحیح دلیل نہیں ہے (44)، اسی طرح آدم علیہ السلام کی تعمیر کے بارے میں بھی کچھ ثابت نہیں

۴۰ . عمالقہ یا عمالیق: ان کے دادا عملیق بن لاوذ بن سام بن نوح کی طرف نسبت ہے، یہ لوگ یمن کے باشندے تھے، دیکھئے: الکامل لابن الأثیر (۶۱/۱).

۴۱ . نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جد رابع ہیں، ان کا نام زید تھا، دیکھئے: سیرت ابن اسحاق (۴۳/۱).

۴۲ . یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہیں ان کا نام شیبۃ الحمد تھا، دیکھئے: سیرت ابن اسحاق (۴۳/۱).

۴۳ . دیکھئے: بیت اللہ الحرام الکعبۃ (ص: ۱۰۳).

۴۴ . دیکھئے: مرجع سابق (ص: ۸۳).

ہے،اور کوئی شخص اس کو قطعی قرار نہیں دے سکتا (45)، یہی بات شیث بن آدم علیہ السلام کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے (46)، یہی حقیقت قصی بن کلاب کے تعمیر کی ہے، اگر چہ بعض مؤرخین نے اس کا ذکر کیا ہے، مگر اس کے ذکر کے سوا اور کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں ہے (47)، نیز عبد المطلب کی طرف سے کعبہ کی تعمیر کیا جانا بھی ثابت نہیں ہے (48).

تعمیرِ کعبہ کے سلسلے میں راجح قول کی علمی تحقیق:

پہلی: تعمیر ابراھیم علیہ السلام:

تعمیر کا سبب:

ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالی کے حکم سے کعبہ مشرفہ کی تعمیر فرمائی، انہوں نے پتھروں سے اس کی تعمیر کی تھی، اور انہوں نے اس کی اونچائی (۹ ہاتھ - یعنی: ۴.۵ میٹر)، اور مشرق کی طرف سے اس کی لمبائی (۳۲ ہاتھ - یعنی: ۱۶ میٹر، اور مغرب کی طرف سے (۳۱ ہاتھ - یعنی ۱۵.۵ میٹر) اور مغربی جہت سے (۲۰ ہاتھ یعنی: ۱۰ میٹر) اور شمالی جہت سے (۲۲ ہاتھ - یعنی: ۱۱ میٹر) رکھا، انہوں نے کعبہ کی چھت نہیں بنائی تھی اور اس کے لئے زمین سے متصل دو دروازے بنائے جو بغیر کواڑ کے تھے، اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام حجر اسود لے کر آئے جس کو ابراہیم علیہ السلام نے اس کی جگہ پر رکھ دیا (49).

قرآن وسنت کے نصوص کے اندر غور وفکر کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر فرمائی ہے (50).

---

۴۵ . // //: مرجع سابق، (ص: ۸۳).

۴۶ . // //: مرجع سابق، (ص: ۹۱).

۴۷ . دیکھئے: مرجع سابق، (ص: ۹۷).

۴۸ . // //: مرجع سابق، (ص: ۹۸).

۴۹ . // //: تاریخ الکعبۃ المعظمۃ (ص: ۷۰-۷۵) ؛ مکۃ المکرمۃ تاریخ ومعالم، (ص: ۴۳).

۵۰ . // //: مرجع سابق، (ص: ۹۲).

اس کے دلائل:

ا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ** [البقرۃ:۱۲۷] اور (یاد کرو) جب ابراہیم (علیہ السلام) بیت اللہ کی بنیاد اٹھا رہے تھے، اور اسماعیل (علیہ السلام) بھی، اور دعا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب! اس عمل کو ہماری طرف سے قبول فرمالے۔ بے شک تو بڑا سننے اور جاننے والا ہے۔

ابن کثیر کہتے ہیں: (ظاہر قرآن اس بات کا مقتضی ہے کہ پہلے پہل ابراہیم علیہ السلام نے ہی اس کی تعمیر کی اور سب سے پہلے انہوں نے ہی اس کی بنیاد رکھی، جبکہ وہ جگہ ان سے پہلے ہی سے معظم، قابل اہتمام واعتناء، اور سارے ازمان واوقات میں محترم رہی ہے)(51).

۲۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ** [الحج:۲۶] اور جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی جگہ بتلادی.

ابن کثیر کہتے ہیں: (نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ خانہ کعبہ ابراہیم علیہ السلام سے قبل ہی تعمیر ہو چکا تھا، اور جس نے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے " **وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ** "[الحج:۲۶] تو اس سے اس کا استدلال موزوں اور ظاہر نہیں ہے، کیونکہ آیت کہ اندر مکان سے مراد اللہ کے علم میں اس کا پوشیدہ مکان ہے، جو اس کی قدرت میں ثابت تھا اور از آدم تا ابراہیم تمام انبیاء علیہم السلام کے نزدیک معظم تھا(52).

۳۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا مروی ہے، اور اس میں موضع شاہد ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول ہے: "اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں- اور انہوں نے ایک بلند اور پھیلے ہوئے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا- ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے، راوی کہتے ہیں: اسی وقت ان دونوں (ابراہیم واسماعیل علیہم السلام) نے خانہ کعبہ

۵۱ . البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر (۲/۲۹۸).

۵۲ . مصدر سابق (۱/۱۶۳).

کی تعمیر شروع کر دیا، اسماعیل پتھر لا رہے تھے اور ابراہیم دیوار چن رہے تھے، حتی کہ جب عمارت بلند ہو گئی تو وہ اس پتھر کو (مقام ابراہیم) لائے اور ان کے لئے رکھ دیا جس پر وہ کھڑے ہو گئے اور تعمیری کام کرنے لگے، جبکہ اسماعیل انہیں پتھر تھما رہے تھے، اور وہ دونوں کہتے جا رہے تھے: **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ** (53)

دوسری اور تیسری: عمالقه اور جُرهم کی تعمیر:

اس تعمیر کا ذکر متعدد صحیح روایات وطرق میں کیا گیا ہے:

۱۔علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''ایک عرصہ گذرنے کے بعد خانہ کعبہ منہدم ہو گیا اور اس کو عمالقہ نے تعمیر کیا، پھر ایک عرصہ گزرنے کے بعد منہدم ہوا تو جُرہم نے تعمیر کیا، پھر ایک عرصہ گزرنے کے بعد منہدم ہو گیا تو قریش نے تعمیر کیا) (54).

۲۔علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے: انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کی جانب سے کعبہ کی تعمیر کئے جانے کو ذکر کرنے کے بعد کہا: ''پھر وہ منہدم ہو گیا تو عمالقہ نے تعمیر کیا، پھر منہدم ہو گیا تو قبیلہ جُرہم نے تعمیر کیا، پھر منہدم ہوا تو قریش نے تعمیر کیا (55).

اور چونکہ اس معاملہ میں اجتہاد اور قیاس کی گنجائش نہیں ہے اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے اس کو رسول اللہ ﷺ سے سنے بغیر بیان کیا ہوگا، اور اس اعتبار سے اس کو مرفوع حدیث کا حکم حاصل ہے۔

چوتھی: قریش کی تعمیر:

تعمیر کی وجہ: تاریخ وسیرت کی کتابوں میں درج ہے کہ: ایک عورت کعبہ میں دھونی دینے کے لئے

۵۳ . صحیح بخاری (۱۲۲۹/۳)، (ح: ۳۱۸۴).

۵۴ . مستدرک الحاکم (۶۲۹/۱)، (ح: ۱۶۸۴)، اور صحیح قرار دیا ہے، اور ذہبی نے موافقت کی ہے.

۵۵ . اس کو الأزرقی نے أخبار مكة (۶۲/۱) میں روایت کیا ہے.

گئی،اس کی انگیٹھی سے ایک شرارہ اڑا اور غلافِ کعبہ کو جلا ڈالا، پھر ایک بڑا سیلاب آیا اور کعبہ کے اندر داخل ہوگیا، اس نے اس کی دیواروں میں شگاف پیدا کر دیا، اس مصیبت سے قریش گھبرا اٹھے اور کعبہ مشرفہ کی از سر نو تعمیر کرانے کی ٹھان لی اور یہ بعثت نبوی سے پانچ سال قبل پیش آیا، قریش نے تعمیر کے وقت یہ شرط لگا دیا کہ کوئی بھی اس کی تعمیر میں حرام مال نہیں لگائے گا، اس شرط کی بنا پر مکمل تعمیر کے لئے فنڈ کی کمی ہوگئی، چنانچہ انہوں نے حجر کی طرف سے چھ ہاتھ اور ایک بالشت (یعنی: ۳.۲۳ میٹر) یعنی: تقریباً سوا تین میٹر کم کر دیا (56) اور اس جگہ کو چھوٹی دیوار سے گھیر دیا تاکہ لوگ اس کے باہر سے طواف کریں، نیز اس میں بعض تبدیلیاں بھی عمل میں لائیں، جن کے مطابق اس کی اونچائی (۱۸ ہاتھ۔یعنی: ۹ میٹر) کر دی گئی اور اس پر چھت ڈال دی گئی جبکہ پہلے اس پر چھت نہیں تھی، نیز ان لوگوں نے اس میں لکڑی کا میزاب (پرنالہ) بھی لگا دیا، مغربی دروازہ کو بند کر دیا اور مشرقی دروازہ کو سطح زمین سے بلند کر دیا، تاکہ جسے چاہیں اس کو اندر جانے دیں، اور جس کو چاہیں روک دیں، اس تعمیر میں رسول اللہ ﷺ بھی ان کے شریک عمل رہے، آپ بھی ان کے ساتھ پتھر ڈھویا کرتے تھے۔

جب تعمیر مکمل ہوگئی، اور حجرِ اسود رکھنے کی باری آئی تو ان کے درمیان شدید اختلاف پیدا ہوگیا، ہر قبیلہ کی خواہش تھی کہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کی سعادت سے وہی بہرہ ور ہو، بالآخر ان کا اس امر پر اتفاق ہوا کہ اس گھر میں سب سے پہلے داخل ہونے والا ان کے جھگڑے کا تصفیہ کرے گا، اور لوگوں نے دیکھا کہ اس میں سب سے پہلے داخل ہونے والے نبی ﷺ ہیں، پس آپ نے پتھر کو لیا اور اس کو ایک چادر پر رکھا، پھر ہر قبیلہ کو حکم فرمایا کہ اس کے ایک کنارے کو پکڑ لے۔ چنانچہ لوگ اسی طرح اس کو اٹھا کر لائے اور نبی ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اس کو اس کی جگہ پر رکھ دیا، اس طرح آپ نے اپنے غایت درجہ کے حکیمانہ فیصلے کے ذریعہ اس اختلاف کا خاتمہ فرما دیا جو ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر دینے والا اور ان میں سے

---

۵۶ ۔دیکھئے: الإیضاح والتبیان لمعرفة المکیال والمیزان، ابن الرفعة، تحقیق: د محمد احمد الخاروف، (ص: ۷۷)۔

کتنی زندگیوں کا خاتمہ کردینے والا تھا(57).

اوراس تعمیر کا ذکر متعدد صحیح روایات وطرق میں پایا جاتا ہے،جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:''اگر تمہاری قوم کا کفر سے اسلام کی طرف آنے کا معاملہ نیا نہیں ہوتا تو میں کعبہ کو ڈھا دیتا اور اس کو ابراہیم کی بنیاد پر تعمیر کرتا،قریش نے جب کعبہ کی تعمیر کیا تھا تو اس کو تنگ کردیا تھا اور میں اس کا ایک خلف(خلفی دروازہ)(58) بناتا'' (59).

۲۔عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا:''کیا تم نہیں دیکھتی کہ جب تمہاری قوم نے کعبہ کی تعمیر کیا تو اس کو ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد سے کچھ **تنگ** کردیا''(60).

۳۔جہاں تک اس تعمیر میں نبی ﷺ کی شرکت کی بات ہے تو یہ بھی ثابت ہے،**جابر بن عبداللہ** کا بیان ہے:(جب کعبہ تعمیر ہورہا تھا تو نبی ﷺ اور عباس پتھر ڈھو رہے تھے،**عباس** رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے کہا:اپنے تہبند کو گردن پر رکھ لیں،اس کے بعد آپ زمین پر گر گئے،اور آپ کی دونوں آنکھیں آسمان کی طرف کھلی رہ گئیں،پھر آپ نے فرمایا:''مجھے میری تہبند دکھاؤ''پھر انہوں نے تہبند باندھ دیا)(61)

ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے:(مشہور یہ ہے کہ یہ واقعہ اس **وقت** کا ہے جب رسول اللہ ﷺ کی عمر

---

۵۷ .دیکھئے:تاریخ الکعبۃ المعظمۃ (ص:۸۷-۹۴) ؛ مکۃ المکرمۃ تاریخ ومعالم (ص:۴۴).

۵۸ .خلف سے مراد خلفی دروازہ ہے،اور ایک روایت میں اس کی وضاحت آئی ہے:(اور میں اس کے دو دروازے بناتا:(مشرقی دروازہ اور مغربی دروازہ)مسلم(۹۶۹/۲)،(ح:۱۳۳۳)،اور ایک روایت میں ہے:(دو دروازے ہوتے،ایک داخل ہونے کے لئے اور دوسرا نکلنے کے لئے)مسلم(۹۷۰/۲)،(ح:۱۳۳۳)،دیکھئے:نووی کی شرح صحیح مسلم(۸۹/۹).

۵۹ . صحیح مسلم(۹۶۸/۲)،(ح:۱۳۳۳).

۶۰ . صحیح بخاری(۵۷۳/۲)،(ح:۱۵۰۶) ؛ وصحیح مسلم(۹۶۹/۲)،(ح:۱۳۳۳).

۶۱ . صحیح بخاری(۵۷۳/۲)،(ح:۱۵۰۵).

۳۵ سال تھی، اور محمد ابن اسحاق نے بھی اس کی صراحت کی ہے) (62)

ان صحیح دلائل کی ذریعہ یہ عیاں وبیاں ہوجاتا ہے کہ قریش کی طرف سے کعبہ کی تعمیر کیا جانا ثابت ہے، اور یہ تعمیر نبی ﷺ کی بعثت سے پانچ سال قبل عمل میں آئی تھی۔

---

۶۲ البدایۃ والنہایۃ (۳۰۰/۲).

مبحث دوم

اسلام کے بعد کعبہ کی تعمیر

صحیح وثابت یہ ہے کہ اسلام کے بعد کعبہ کی تعمیر صرف تین بار عمل میں آئی ہے، اور اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱۔عبداللہ بن الزبیر کی تعمیر۔

۲۔حجاج بن یوسف ثقفی کی تعمیر۔

۳۔سلطان مرادخاں کی تعمیر۔

اول : عبدالله بن الزبیر رضی الله عنهما کی تعمیر :

تعمیر کا سبب: یزید بن معاویہ نے ۶۴ ھ میں عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سے جنگ کرنے لئے حصین بن نمیر کی قیادت میں ایک فوج شام سے روانہ کیا، اس نے مکہ کا محاصرہ کرلیا، اور اس پر منجنیق (لڑائی کا ایک آلہ جس سے پتھر پھینکا کرتے تھے) برسائے، جس سے کعبہ متاثر ہوا اور اس میں آگ لگ گئی، اور اس کی دیواریں کمزور ہوگئیں، اس محاصرہ کے ۲۷ روز بعد یزید کا انتقال ہوگیا، چنانچہ ان کی فوج واپس شام چلی گئی، انہوں نے کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر دوبارہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا، نبی ﷺ کی اس خواہش کی تکمیل کرتے ہوئے کہ خانۂ کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر قائم کیا جانا چاہئے۔ نیز انہوں نے اس میں اس جگہ کو داخل کرلیا جس کو قریش نے خارج کردیا تھا (۶ ہاتھ اور ایک بالشت)، اور زمین سے متصل اس کے دو دروازے بنائے، جن میں سے ایک کو مشرق کی جانب رکھا اور دوسرے کو مغرب کی جانب، اس کے علاوہ اس کی اونچائی کو (۲۷ ہاتھ - یعنی ۱۳.۵ میٹر) تک پہنچا دیا (63) **متعدد صحیح روایت اور طرق میں اس تعمیر کا ذکر آیا ہے جن میں سے بعض یہ ہیں:**

۱۔عطاء سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''یزید بن معاویہ کے عہدِ خلافت میں جب اہل شام

۶۳. دیکھئے: تاریخ الکعبۃ المعظمۃ (ص:۱۰۶-۱۲۳)؛ مکۃ المکرمۃ تاریخ ومعالم (ص:۴۵)۔

نے مکہ پر چڑھائی کیا تو خانہ کعبہ کو آگ لگ گئی، اوراس کو شدید نقصان پہنچا، ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے اس کو اسی حال میں چھوڑ دیا تا کہ لوگ حج کو آئیں تو اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں، ان کا ارادہ لوگوں کو اہل شام کے خلاف آمادۂ جنگ کرنا یا برگشتہ کرنا تھا (64) جب لوگ مکہ سے کوچ کر گئے تو انہوں نے کہا: اے لوگو! کعبہ کے بارے میں مجھے مشورہ دو، میں اسے توڑ کر از سرنو اس کی تعمیر کروں، یا موجودہ حالت ہی میں اس کی اصلاح کر دوں؟

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میرے دل میں ایک دوسری رائے ڈالی گئی ہے (65)، میری رائے ہے کہ اسی حالت میں اس کی اصلاح کر دی جائے، اور آپ اس بیت کو اسی حال میں چھوڑ دیں جس حال میں لوگ مسلمان ہوئے اور انہیں پتھروں کی شکل میں جس کو دیکھتے ہوئے لوگ اسلام لائے، اور جس حال میں نبی ﷺ مبعوث کئے گئے۔

ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر تم میں سے کسی کا گھر جل گیا ہوتا تو وہ اس کی تجدید (66) کئے بغیر اسے نہ چھوڑتا، تو پھر تمہارے رب کے گھر کے ساتھ کیسا سلوک ہونا چاہئے؟ میں اپنے رب سے تین بار استخارہ کروں گا، پھر اپنے فیصلے پر کاربند ہو جاؤں گا، جب تین بار استخارہ کر لیا تو انہوں نے اس توڑنے کا فیصلہ کر لیا، پھر لوگوں نے ان سے اس بات کا اندیشہ ظاہر کیا کہ اس پر چڑھنے والے پہلے شخص پر آسمان سے عذاب نازل نہ ہو جائے، حتی کہ ایک شخص اس پر چڑھ گیا اور اوپر سے ایک پتھر گرایا، جب لوگوں نے دیکھا

٦٤. روایت میں یہ لفظ آیا ہے **(یُجَرِّئَهُمْ او یُحَرِّبَهُم)**: یُجَرِّئَهُمْ، جراءۃ سے ماخوذ ہے، یعنی: ان کو اہل شام کے خلاف جنگ پر آمادہ کریں، ان کے قبیح اعمال کا بیان کر کے، اس لفظ کی یہی مشہور تحقیق ہے، اور **(یُحَرِّبَهُم)** یعنی: ان کے خلاف لوگوں کو برگشتہ کرنا، ان کی طرف سے خانہ کعبہ کی بے حرمتی کئے جانے پر، یہ عرب کے قول: حربت الاسد سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے: اس نے شیر کو بھڑکایا، دیکھئے: نووی کی شرح صحیح مسلم (٩/٩٢).

٦٥. حدیث کا لفظ ہے: **(قد فُرِق لی رای فیها)** یعنی: مجھ پر ظاہر اور واضح کیا گیا ہے، دیکھئے: مصدر سابق (٩/٩٢).

٦٦. حدیث کا لفظ ہے: **(یُجِدُّهُ)** یعنی: اس کو نئے سرے سے تعمیر کرنا.

کہ اسے کچھ نہیں ہوا تو سب ٹوٹ پڑے اور اسے توڑ کر زمین بوس کر دیا، اس کے بعد ابن الزبیر نے کچھ میخ گاڑ دیئے اور اس پر پردے لٹکا دیئے (67) یہاں تک کہ اس کی تعمیر اوپر آ گئی (68).

۲۔ صحیح بخاری میں ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے کعبہ کو توڑ کر بنائے جانے کا ذکر آیا ہے:

عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اے عائشہ! اگر تمہاری قوم عہدِ جاہلیت سے قریب نہ ہوتی تو میں حکم دیتا کہ کعبہ کو منہدم کر دیا جائے، اور میں اس میں اس جگہ کو شامل کر دیتا جس کو اس سے الگ کر دیا گیا تھا، اور میں (اس کے دروازے) کو زمین سے متصل رکھتا، اور اس کے دو دروازے بناتا، مشرقی دروازہ اور مغربی دروازہ، اس طرح میں اس کو اساسِ ابراہیم پر استوار کر دیتا''

اسی حدیث نے ابن الزبیر کو کعبہ منہدم کرنے پر آمادہ کیا تھا.

یزید (69) نے کہا ہے: میں اس وقت ابن الزبیر کے ساتھ تھا جب انہوں نے کعبہ کو منہدم کیا اور اس کی تعمیر کی، اور اس میں حِجر (حطیم) کو داخل کیا، اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کے اساس کو دیکھا جو اونٹ کے کوہان کی طرح کا پتھر تھا (70).

ان دونوں اسباب کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے:

صحیح مسلم کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن الزبیر کی طرف سے کعبہ کی تعمیر کئے جانے کا

---

٦٧. حدیث کا لفظ ہے: (**فَجَعَلَ ابنُ الزُّبَيْرِ أعْمِدَةً، فَسَتَّرَ عَلَيْهَا السُّتُورَ**): ان کھمبوں اور پردوں کا مقصد یہ تھا کہ نماز پڑھنے والے ان دنوں میں ان کا استقبال کریں، اور کعبہ کے مقام کو پہچان سکیں، اور یہ پردے دیواروں کے بلند ہونے تک باقی رہے، جب کعبہ دکھائی دینے لگا تو پھر ان کو ہٹا دیا گیا، اس لئے کہ کعبہ کے بلند ہونے کے بعد ان کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی، دیکھئے: مصدر سابق (۹/۹۳).

٦٨. صحیح مسلم (۲/۹۷۰)، (ح: ۱۳۳۳).

٦٩. یہ یزید بن رومان الاسدی، ابو روح المدنی، المقری ہیں، جو آل زبیر بن العوام کے مولی تھے، دیکھئے: تہذیب الکمال للمزی (۳۲/۱۲۲)؛ تاریخ الاسلام للذہبی (۷/۵۰۲).

٧٠. صحیح بخاری (۲/۵۷۳)، (ح: ۱۵۰۸).

سبب: مکہ پر اہل شام کی چڑھائی کے وقت اس میں آگ لگ جانا ہے، جس کی وجہ سے کعبہ غیر معمولی طور پر متاثر ہوا تھا۔

جبکہ **صحیح بخاری کی روایت** اس امر کی طرف انگشت نمائی کرتی ہے کہ اس کا سبب صرف رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ تھی، اوران دونوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ یہ بعید نہیں ہے کہ حدیث ہی اس کا سبب رہی ہو، اور خلافتِ یزید میں کعبہ کا جلنا اس حدیث پر عمل کرنے کا زریں موقع فراہم کیا ہو (71) یا اس کا جلنا ہی سبب رہا ہو اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے اس حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے کعبہ کو منہدم کرنے، اور از سر نو ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرنے اور اس میں دو دروازے بنانے کا فیصلہ کیا ہو۔

الفاسی کا بیان ہے: (جہاں تک عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے کعبہ کو بنائے جانے کی بات ہے تو یہ ثابت اور مشہور ہے، جس کا سبب منجنیق کے ذریعہ پھینکے جانے والے پتھروں کی وجہ سے کعبہ کا کمزور ہو جانا ہے، جو ۶۴ھ کے اوائل میں پیش آیا تھا جب عبداللہ بن الزبیر کو یزید بن معاویہ کی مخالفت کرنے کے پاداش میں مکہ کے اندر محصور کر دیا گیا تھا(72)۔

(مسئلہ): کون بہتر تھا: کعبہ کو اسی حالت میں چھوڑ دینا یا ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر اس کی تعمیر کرنا؟

اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں: (73)

پہلی: لوگوں کے فتنے کا اندیشہ نہ ہو اور تعمیر کعبہ کے لئے وافر مقدار میں فنڈ ہو۔

تو اس صورت میں اس کو توڑ کر ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرنا افضل ہے، جس کو عملی جامہ پہنانے کی خواہش رسول اللہ ﷺ نے کی تھی۔

---

۷۱. دیکھئے: بیت اللہ الحرام الکعبۃ (ص: ۱۰۵)۔

۷۲. دیکھئے: شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام (۱/۹۷)۔

۷۳. دیکھئے: بیت اللہ الحرام الکعبۃ (ص: ۱۰۵)۔

اور **عبداللہ بن الزبیر** رضی اللہ عنہما نے بعینہ ایسا ہی کیا، انہوں نے لوگوں سے کہا: (آج مجھ میں اتنا خرچ کرنے کی استطاعت ہے، اور لوگوں کا (ان کے فتنے کا) خوف بھی نہیں ہے، راوی بیان کرتے ہیں: انہوں نے حجر (حطیم) سے پانچ ہاتھ خانہ کعبہ میں شامل کر دیا، یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد ظاہر ہوگئی (74) اور لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے، چنانچہ اسی بنیاد پر تعمیر شروع کی گئی، اس وقت کعبہ کی لمبائی اٹھارہ ہاتھ تھی، جب اس میں اضافہ کیا تو ان کو چھوٹا معلوم ہوا لہذا اس کی لمبائی میں دس ہاتھ کا اضافہ کر دیا، اور اس کے دو دروازے بنائے، ایک داخل ہونے کے لئے اور دوسرا نکلنے کے لئے)(75).

دوسری: لوگوں کی طرف سے فتنے کا اندیشہ ہو البتہ فنڈ کی کمی نہ ہو، اس صورت میں اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دینا ہی بہتر ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اسی سبب سے بنائے ابراہیم پر کعبہ تعمیر کرنے کا ارادہ ملتوی فرما دیا تھا.

امام نووی رحمہ اللہ کعبہ کو منہدم کرنے کے سلسلہ میں وارد **عائشہ** رضی اللہ عنہا کی حدیث کی شرح میں بیان کرتے ہیں: (اس حدیث کے اندر کئی بنیادی احکام کے لئے دلیل پائی جاتی ہے، ان احکام میں سے ایک یہ ہے کہ: جب مصالح باہم متعارض ہوں، یا مصلحت اور مفسدت کے درمیان ٹکراؤ ہو، اور مصلحت کو روبہ عمل لانے اور مفسدت کو ترک کر دینے کے درمیان جمع مشکل ہو تو ان میں سے اہم کو اختیار کیا جائے گا، اس لئے کہ نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ کعبہ کو توڑ کر اس کو ابراہیم علیہ السلام کے اساس پر تعمیر کرنا مصلحت ہے، لیکن اس کو روبہ عمل لانے میں اس سے بڑی مفسدت آڑے آرہی ہے، اور وہ مفسدت ہے: بعض نومسلم افراد کی طرف سے فتنے کا اندیشہ، جو کعبہ کو اتنا افضل و برتر مانتے تھے کہ اس میں کسی تبدیلی کو گناہ عظیم سمجھتے تھے، لہذا نبی ﷺ نے اس کو ترک فرما دیا (76).

---

۷۴. حدیث کا لفظ ہے: (**حتی أبلی أسّا**) یعنی: حجر کی زمین میں اتنی کھدائی کی کہ وہ کعبہ کی اس بنیاد تک پہنچ گئی جس بنیاد پر ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی تھی، یہاں تک کہ لوگوں کو بھی وہ بنیاد دکھایا، اور لوگوں نے اسے دیکھ کر اس پر تعمیر شروع کر دیا.

۷۵. صحیح مسلم (۹۷۱/۲). (ح: ۱۳۳۳).

۷۶. نووی کی شرح صحیح مسلم (۸۹/۹).

بعض **عباسی** خلفاء کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی تھی کہ وہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر کے مطابق ازسرنو کعبہ کی تعمیر کریں کیونکہ انہیں یقین تھا کہ یہی نبی ﷺ کی خواہش تھی، لیکن ایسا کرنے کے لئے حالات سازگار نہیں ہوسکے (77)۔

چنانچہ (بیان کیا جاتا ہے کہ خلیفہ **ہارون رشید** نے **امام مالک** سے یہ ذکر کیا کہ وہ **حجاج بن یوسف** کی تعمیر کو منہدم کرکے کعبہ کو ابن الزبیر کی بنیاد پر تعمیر کرنا چاہتے ہیں، **امام مالک** نے ان سے کہا: اے امیر المؤمنین! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس کعبہ کو شاہوں کے ہاتھ کا کھلونا نہ بننے دیں، کہ جس نے چاہا اسے توڑ کر نیا تعمیر کردیا، اس طرح لوگوں کے دلوں سے اس کی **ہیبت** رخصت ہوجائے گی) (78)۔

یہاں پر بھی کعبہ کو بنائے ابراہیم پر تعمیر کئے جانے کی **مصلحت** پائی جارہی تھی تو دوسری طرف اس کے مدمقابل **ایک** بہت بڑی **مفسدت** بھی کھڑی نظر آرہی تھی اور وہ تھی کعبہ کی **ہیبت** کا ضیاع اور اس کا شاہوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن جانا، اس کو **امام مالک** اچھی طرح سمجھ گئے تھے اس لئے اس کو اس کے حال پر باقی رکھنے کی وکالت فرمائی۔

دوم: حجاج بن یوسف کی تعمیر:

تعمیر کا سبب: **عبدالملک بن مروان** نے **حجاج بن یوسف** الثقفی کی قیادت میں ایک لشکر مکہ روانہ کیا، اس لشکر نے مکہ پر قبضہ کرلیا اور **ابن الزبیر** رضی اللہ عنہما کو قتل کردیا، اور ۷۴ھ میں کعبہ کے اندر بعض تبدیلیاں کیں، اس کے مغربی دروازہ کو بند کردیا، مشرقی دروازہ کو اونچا اٹھادیا، اور شمالی دیوار کو گرا کر کعبہ میں سے (۶ ہاتھ اور ایک بالشت) زمین حجر کی طرف سے نکال دیا، البتہ اس کی اونچائی میں کوئی تبدیلی نہیں کی (79)۔

---

۷۷. دیکھئے: مذاق تاریخ الکعبۃ المشرفۃ والمشاعر المقدسۃ، د. عصام بن عبدالمحسن الحمیدان (ص:۱۳)۔

۷۸. شرح البخاری، ابن بطال (۲۶۴/۴)۔

۷۹. دیکھئے: تاریخ الکعبۃ المعظمۃ، (ص:۱۲۴_۱۲۹) ؛ مکۃ المکرمۃ تاریخ ومعالم (ص:۴۶)۔

ذہن میں یہ سوال فوراً ظاہر ہوتا ہے کہ:

کیا **ابن الزبیر** کے تعمیر کردہ کعبہ کو منہدم کرنے کا سبب **عبداللہ** بن الزبیر اور **عبدالملک** بن مروان کے درمیان پایا جانے والا سیاسی اختلاف ہی تھا، یا اس کے علاوہ بھی کوئی اور سبب تھا؟

عبدالملک بن مروان کے حکم سے **حجاج** بن یوسف الثقفی کے ذریعہ کعبہ کی تعمیر کئے جانے کے بارے میں متعدد روایتیں آئی ہیں۔

اس سلسلے کی روایات میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔**عطاء** سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: (جب **ابن الزبیر** کا قتل ہوگیا تو **حجاج** نے **عبدالملک** بن مروان کو اس کی اطلاع بھیجوائی، اور یہ بھی لکھا کہ **ابن الزبیر** نے جس بنیاد پر کعبہ کی تعمیر کی ہے اس کو اہل مکہ میں سے معتبر لوگوں نے دیکھا ہے، اس کے جواب میں **عبدالملک** بن مروان نے لکھا: ہمیں **ابن الزبیر** کے غلط **اقدامات** سے کچھ لینا دینا نہیں ہے (80)، انہوں نے کعبہ کی لمبائی میں جو اضافہ کیا ہے اس کو برقرار رکھو، اور حجر میں سے جو اضافہ کیا ہے اس کو اس کی اصل بنیاد کی طرف لوٹا دو، اور اس دروازہ کو بند کردو جس کو انہوں نے کھولا تھا، چنانچہ **حجاج** نے اس کو توڑ کر اس سے قبل والی بنیاد پر تعمیر کردیا) (81)۔

۲۔**ابوقزعہ** کی روایت ہے: (ایک مرتبہ **عبدالملک** بن مروان کعبہ کا طواف کررہے تھے، اچانک انہوں نے یہ کہا: اللہ تعالیٰ **ابن الزبیر** کو ہلاک کرے! اس نے ام المومنین پر جھوٹ الزام لگاتے ہوئے کہا ہے کہ میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''اے عائشہ! اگر تمہاری قوم زمانۂ کفر سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو منہدم کرکے اس میں حجر کی طرف سے اضافہ کرتا، تمہاری قوم نے

---

۸۰. حدیث کا لفظ ہے: (**إِنَّا لَسْنَا مِنْ تَلْطِيخِ ابْنِ الزُّبَيْرِ**)، اس سے مراد ان کی تقبیح اور ان کے فعل کی تردید ہے، کہا جاتا ہے: **لطختہ**، یعنی: میں نے اس کو امر قبیح سے متصف کیا، مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ ان کے اس فعل سے بری ہیں جو انہوں نے کعبہ کو منہدم کر کے انجام دیا، دیکھئے: شرح النووی علی صحیح مسلم (۹/۹۴)۔

۸۱. صحیح مسلم: (۲/۹۷۱)، (ح: ۱۳۳۳)۔

تعمیر کرتے وقت اس کو مختصر کر دیا تھا'' یہ سن کر **حارث** بن عبداللہ بن ربیعہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ ایسا نہ کہیں، میں نے بھی ام المومنین سے اس کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے۔

عبدالملک نے کہا: اگر کعبہ کو منہدم کرنے سے پہلے اس کو سن چکا ہوتا تو میں **ابن الزبیر** کی تعمیر سے کوئی تعرض نہ کرتا)(82)۔

۳۔اور **عبداللہ** بن عبید کی روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: (**حارث** بن عبداللہ خلیفہ **عبدالملک** بن مروان کے یہاں آئے تو **عبدالملک** نے کہا: میں نہیں سمجھتا کہ **ابو خبیب** (یعنی: ابن الزبیر) نے وہ بات **عائشہ** رضی اللہ عنہا سے سنی ہے، جس کو ان سے سننے کا وہ دعوی کرتے تھے، **حارث** نے کہا: انہوں نے ضرور سنا ہوگا، کیونکہ میں نے بھی ان سے یہ بات سنی تھی، **عبدالملک** نے کہا: تم نے ان کو کیا کہتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ: ام المومنین نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری قوم نے کعبہ کی بنیاد میں کمی کر دی تھی، اور اگر وہ اپنے زمانۂ شرک سے قریب نہ ہوتی تو میں اس کو واپس لے آتا جس کو انہوں نے چھوڑ دیا تھا، اگر میرے بعد تمہاری قوم کو تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئے، تو آؤ میرے ساتھ میں تمہیں وہ جگہ دکھادوں جس کو انہوں نے چھوڑ دیا تھا، چنانچہ آپ نے ان کو تقریباً سات ہاتھ زمین دکھائی'' یہ **عبداللہ** بن عبید کی حدیث ہے)۔

اور **ولید** بن عطاء نے اس پر یہ اضافہ ذکر کیا ہے: نبی صلی ﷺ نے فرمایا: ''اور میں زمین سے متصل مشرق ومغرب میں دو دروازے بناتا، اور کیا تم جانتی ہو کہ تمہاری قوم نے کعبہ کے دروازے کو اونچا کیوں کیا؟'' وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: ''اس کو ناممکن بنانے کے لئے کہ کوئی ان کی اجازت کے بغیر داخل ہو جائے، اور جب کوئی آدمی اس میں داخل ہونا چاہتا تو لوگ اس کو اس پر چڑھنے کے لئے کہتے اور جب وہ داخل ہونے والا ہوتا تو اس کو دھکا دیتے اور وہ گر جاتا''۔

عبدالملک نے **حارث** سے کہا: کیا تم نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں،

۸۲۔ صحیح مسلم: (۹۷۴/۲)، (ح: ۱۳۳۳)۔

اس کے بعد **عبدالملک** کچھ دیر تک اپنی چھڑی سے زمین کو کریدتے رہے (83)، پھر کہا: کاش میں نے ان کو اور ان کے کئے ہوئے کام کو یونہی چھوڑ دیا ہوتا (84).

حق ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا:

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ **حجاج** بن یوسف کی تعمیر دراصل **خلیفہ عبدالملک** کے احکام کی تعمیل کے طور پر عمل میں آئی تھی، اور خلیفہ **عبدالملک** اس روایت سے واقف نہیں تھے جس کو **عائشہ** رضی اللہ عنہا نے رسول ﷺ سے کعبہ کے بارے میں روایت کیا تھا، جس کے عین مطابق **ابن الزبیر** رضی اللہ عنہما نے کعبہ کی تعمیر کیا تھا، جبکہ خلیفہ نے یہ سمجھا کہ ان کا فعل محض ان کے اجتہاد پر مبنی ہے، یا **عائشہ** رضی اللہ عنہا پر بہتان ہے، اور جب ان پر **عائشہ** رضی اللہ عنہا کی روایت کی صداقت اجاگر ہوئی تو وہ شرمندہ ہوئے، اور اپنی اس حسرت کا اظہار کیا کہ کاش وہ **ابن الزبیر** کی تعمیر کو باقی رکھتے.

اسی طرح **عبدالملک** بن مروان کی شرمندگی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ **حجاج** کی طرف سے کعبہ کو منہدم کئے جانے کا سبب خلیفہ کے اور **ابن الزبیر** رضی اللہ عنہما کے درمیان پایا جانے والا سیاسی اختلاف نہیں تھا، بلکہ اس کا بنیادی سبب رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے عدم واقفیت تھی جس کو ام المومنین **عائشہ** رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے، اس کے علاوہ کعبہ کی تعظیم اور اس کا احترام بھی مدنظر رہا ہوگا.

نیز ان روایات سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ تعمیرِ کعبہ کے وقت **ابن الزبیر** نے جو موقف اختیار کیا اس میں وہ حق بجانب تھے.

علماء اور امراء کے دل میں کعبہ کا احترام:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو بڑے زوردار اور دلفریب انداز میں پیش کیا ہے، ان کا بیان

---

۸۳. حدیث کا لفظ ہے: (**فَنَكَتَ سَاعَةً بِعَصَاه**)، یعنی: اس کے ایک کنارے سے زمین میں کچوکے لگاتے رہے، اور کسی اہم کام میں غور و فکر کرنے والا ایسا عادۃً کرتا ہے، دیکھئے: شرح النووی علی صحیح مسلم (۹/۹۵).

۸۴. صحیح مسلم (۲/۹۷۱)، (ح: ۱۳۳۳).

ہے: (اوروہ تمام امراء اورعلماء جواس مسئلہ میں مختلف رائے رکھتے ہیں، وہ سب کے سب کعبہ کی تعظیم واحترام کرنے والے تھے، انہوں نے جس رائے کواختیار کیا اسے یہ سمجھ کراختیار کیا کہ یہی اللہ اوراس کے رسول کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے، اوران دونوں کے نزدیک سب سے زیادہ افضل ہے، ان میں سے کسی کا مقصد کعبہ کی توہین کرنا نہیں تھا، جوشخص بھی یہ کہتا ہے کہ لوگوں میں سے ایک شخص نے کعبہ کومنجنیق کا نشانہ بنایا ہے یا اس کو پاخانہ سے آلودہ کیا ہے تو اس نے جھوٹ کہا، ایسا نہ تو جاہلیت میں ہوا اور نہ اسلام میں، بلکہ جولوگ کافر تھے اورکعبہ کا احترام نہیں کرتے تھے جیسے کہ اصحاب فیل اورقرامطہ، تو ان لوگوں نے بھی ایسا کام نہیں کیا، تو پھر وہ مسلمان ایسا کیونکر کرسکتے تھے جوکعبہ کا احترام کرتے تھے، اوراگر یہ تسلیم کرلیا جائے ۔والعیاذباللہ۔ کہ کسی نے یہ کام کعبہ کی اہانت کے قصد سے کیا ہے، اوروہ ایسا کرنے پر قادر تھا، تو اسے کعبہ پر منجنیق چلانے کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ اس کے بغیر بھی اس کوتباہ کیا جاسکتا تھا جس طرح آخری زمانے میں اس کوتباہ کردیا جائے گا، جب اللہ تعالیٰ قیامت برپا کرنا چاہے گا تو اس وقت اس کے گھر کوتباہ کردیا جائے گا اوراس کے کلام کوزمین سے اٹھالیا جائے گا، جس کے بعد مصاحف اورقلوب میں قرآن باقی نہیں رہے گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک خوشگوار ہوا ارسال کرے گا جو ہرمومن اورمومنہ کی روح کوقبض کرلے گی، زمین میں کوئی بھی خیر باقی نہیں رہے گا، اورکعبہ کی تباہی اس طرح ہوگی کہ اس پر ذوالسویقتین (دوپتلی پنڈلیوں والے کو) مسلط کردیا جائے گا، جیسا کہ صحیحین میں **ابوہریرہ** رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کعبہ کوحبشہ کے ذوالسویقتین (85) تباہ کردیں گے''(86).

اورامام بخاری نے **عباس** رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں سمجھتا ہوں

---

۸۵. ساقین کی تصغیر سویقتین ہے، پتلا پن بیان کرنے کے لئے تصغیر لائی گئی ہے، اوراس طرح کی پنڈلیاں عموماً سوڈانیوں کی ہوتی ہیں، دیکھئے: صحیح مسلم بشرح النووی (۳۵/۱۸).

۸۶. البخاری (۵۷۷/۲)، (ح:۱۵۱۴) ؛ ومسلم، (۲۲۳۲/۴)، (ح:۲۹۰۹).

کہ وہ سیاہ اور افجّ (87) دونوں پنڈلیوں کو پھیلا کر چلنے والا ہوگا، جو ایک ایک پتھر کو اکھاڑ پھینکے گا(88) "(89)۔

سوم: سلطان مراد خان کی تعمیر:

سلطان مراد سلاطین خلافت عثمانیہ میں سے ایک ہیں، ان کی مدت حکومت ۱۰۳۲ھ سے لے کر ۱۰۵۰ھ تک محیط ہے، ۱۹ر شعبان ۱۰۳۹ھ کو زوردار بارش کا سلسلہ شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے سیلاب کا پانی کعبہ اور مسجدِ حرام میں داخل ہوگیا، اس کے سبب بہت سے لوگوں کی جانیں گئیں، کعبہ کی شامی دیوار، اور شرقی و مغربی دیواروں کا کچھ حصہ زمین بوس ہوگیا، یعنی دیوار اتنی کمزور ہوگئی کہ اسے گرا دینا پڑا، نیز مشرقی اور مغربی دیواروں کے بقیہ حصوں کو بھی منہدم کردیا گیا، اس کے بعد کعبہ کی تعمیر کا کام انجام دیا گیا، ۲ ذی الحجہ ۱۰۴۰ھ میں کعبہ بن کر تیار ہوگیا، کعبہ کی یہی آخری تعمیر ہے اور اسی تعمیر پر آج کعبہ موجود ہے (90)۔

چہارم: کعبہ کے شاذروان (پشتے جو کعبہ کی دیوار کے نچلے حصے کی مضبوطی کے لئے بنائے گئے ہیں):

شاذروان۔ ذال کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ۔ یہ فارسی لفظ ہے (91) اور یہ وہ مائل پتھر ہے جو کعبہ کی دیوار کے نچلے حصے سے ملتصق اس کے تینوں اطراف میں پایا جاتا ہے، صرف حِجر کی طرف سے شاذروان نہیں ہے، بلکہ اس جانب سے کعبہ کی بنیاد سے چُھٹے ہوئے کنارے ہیں، اور شاذروان کو سفیدی مائل زرد رنگ کے پتھر سے بنایا گیا ہے جو کہ ابھری ہوئی شکل میں ہے، جس میں پیتل کے حلقے (بالیاں) گاڑے گئے ہیں جس سے غلافِ کعبہ کو باندھا جاتا ہے، شاذروان کو نفیس قسم کے سنگ مرمر سے بنایا گیا

۸۷. فجّ: انسان اور چوپایہ کے دونوں پنڈلیوں کے درمیان کی دوری، دیکھئے: تہذیب اللغۃ، ازہری (۹۷/۴)۔
۸۸. البخاری (۵۷۹/۲)، (ح: ۱۵۱۸)۔
۸۹. منہاج السنۃ النبویۃ (۵۸۲/۴ـ۵۸۳)۔
۹۰. دیکھئے: تاریخ الکعبۃ المعظمۃ (ص: ۱۳۰)؛ بیت اللہ الحرام الکعبۃ (ص: ۱۱۱)۔
۹۱. دیکھئے: نووی کی المجموع: (۴۶۳/۳)۔

ہے،اس کی اونچائی (۲۸-۷۷)،اور چھوڑائی (۵۴ سے ۷۲سم) کے درمیان ہے (92).

شاذروان کعبہ کا حصہ ہے یا نہیں،اس بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں:

۱۔**جمہور علماء**(93) ،**مالکیہ** ،**شافعیہ** اور **حنابلہ** کا موقف یہ ہے کہ **شاذروان کعبہ کا حصہ ہے**،اور کعبہ کی تعمیر کے لئے جمع کئے جانے والے حلال مال کی قلت کے باعث قریش نے اس کو کعبہ کی بنیاد کی دیوار سے چھانٹ دیا تھا،بعض لوگوں نے کہا ہے:جب کعبہ کی بنیاد مطاف کی اونچائی تک پہنچ گئی تو **عبداللہ** بن زبیر رضی اللہ عنہما نے تعمیری مصلحت کے پیش نظر بنیاد کی چوڑائی میں کچھ کم کردیا،اس وقت وہ (دیوار کا وہ متروک حصہ) بالکل ہموار تھا،بعد میں اس کو کوہان نما کردیا گیا جس شکل میں وہ آج بھی موجود ہے تاکہ اس پر سے طواف نہ کیا جائے (94).

۲۔**حنفیہ،ابن تیمیہ** اور **بعض متاخرین مالکیہ وشافعیہ** (95) کا یہ **موقف** ہے کہ شاذروان خانہ کعبہ کا حصہ نہیں ہے، بلکہ کعبہ کی مضبوطی اور سیلاب وغیرہ سے اس کے سطحی حصہ کی حفاظت کے لئے اس کو بنایا گیا تھا، کعبہ کی دیوار سے اس کا الگ ہونا اور اس کی شکل کا کعبہ کی شکل سے مختلف ہونا اس کی بڑی دلیل ہے،اور **راجح** یہی ہے (96).

پنجم: کعبہ میں وسیع پیمانے پر کی جانے والی اصلاحات(تجدیدکاری)(۱۴۱۷ھ):

ہر زمانے میں خلفاء،سلاطین اور امراء کعبہ کو درپیش نقص وخلل کی اصلاح کے لئے آگے آتے

---

۹۲. دیکھئے: تاریخ الکعبۃ المعظمۃ (ص:۱۷۹) ؛ مکۃ المکرمۃ تاریخ ومعالم (ص:۵۳).

۹۳. دیکھئے: بلغۃ السالک،الصاوی (۱/۴۷۲) ؛ المجموع (۸/۲۳) ؛ المغنی،ابن قدامہ (۳/۳۹۸).

۹۴. دیکھئے: تحفۃ المحتاج،الہیثمی (۴/۷۹).

۹۵. دیکھئے: فتح القدیر،ابن الھمام،(۲/۷۹۴) ؛ وفتاوی ابن تیمیہ (۲۶/۱۲۱).

۹۶. دیکھئے: د شرف بن علی الشریف کا مقالہ: الکعبۃ وبعض أحکامھا المبھمۃ،مجلۃ جامعۃ ام القری (عدد:۱۴)(ص:۱۲۸)؛ تاریخ الکعبۃ المعظمۃ:(ص:۱۷۹) ؛ مکۃ المکرمۃ تاریخ ومعالم (ص ۵۳).

رہے ہیں، اوراس کی ایک روشن مثال یہ ہے کہ ۱۴۱۷ھ میں خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کعبہ مشرفہ کی وسیع پیمانے پر رینوویشن کیے جانے کا حکم صادر فرمایا، جس کے مطابق اس کی بنیاد کو مضبوط و مستحکم بنایا گیا، شاذروان اور حلقات (کڑیوں) کی تجدید کاری ہوئی، دیواروں کے خارجی حصوں کی اصلاح عمل میں آئی، پتھروں کے درمیان کے شگافوں کو پُر کیا گیا اور کعبہ کی دونوں پرانی چھتوں کی جگہ پر دو نئی چھتیں بنائی گئیں (97) اور یہ کعبہ میں کی جانے والی آخری اصلاح ہے، ہم ان تمام لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت کی دعا کرتے ہیں جنہوں نے کعبہ کی تعظیم کی، اس کے قدر کو پہچانا، اور ہر زمانے اور ہر دور میں اس کی تعمیر و بناء اور اصلاح میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

۹۷. دیکھئے: مکۃ المکرمۃ تاریخ ومعالم (ص: ۴۷).

تیسری فصل

فضائل کعبه

اوراس میں آٹھ مباحث ہیں:

پہلا مبحث: کعبہ اللہ تعالٰی کے نزدیک معظم ہے۔

دوسرا مبحث: کعبہ کے لئے سفر کرنے کے فضائل۔

تیسرا مبحث: حجرِ اسود کے فضائل۔

چوتھا مبحث: رکنِ یمانی کے فضائل۔

پانچواں مبحث: طوافِ کعبہ کے فضائل۔

چھٹا مبحث: مقامِ ابراہیم کے فضائل۔

ساتواں مبحث: آبِ زمزم کے فضائل۔

آٹھواں مبحث: کعبہ کے پاس نیکیوں کا بڑھنا۔

پهلا مبحث

کعبه الله تعالیٰ کے نزدیک معظم هے

ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے وقت سے ہی کعبہ مشرفہ فطری اور دینی اعتبار سے مسلمانوں کے نزدیک نہایت محترم و معظم رہا ہے، فطری اس لئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی محبت وتعظیم کو دلوں میں پیوست کر دیا ہے اور اس کے اشتیاق کو روحوں میں اتار دیا ہے، اور دینی طور پر اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اجلال وتعظیم کا حکم فرمایا ہے نیز اس سے کئی اہم عبادات وشعائر مربوط ہیں جیسے کہ نماز، جس میں مسلمان اپنے قلوب واجسام کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہیں، اور حج جس کے لئے مسلمان ہر طرح کی مشقتوں اور کلفتوں کو بصد شوق گوارا کرتے ہیں تاکہ اللہ کے حکم کے مطابق جملہ مناسک کو ادا کر سکیں، اور ادا کرتے بھی ہیں اس طرح کے جنس ورنگ کے اختلاف کے باوجود ایک جھنڈا کے نیچے اس اتحاد اور اجتماعیت کا مظاہرہ کرتے ہیں جسے دیکھ کر پورا عالم انگشت بدنداں رہ جاتا ہے، نبی ﷺ نے عظمتِ کعبہ کی اس وقت زبردست تائید فرمائی جب آپ نے مکہ جاتے ہوئے یہ فرمایا: "یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کو عظمت بخشے گا (98)، اور وہ دن ہے جس میں کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا (99).

صحابہ کرام کی طرف سے کعبہ کی تعظیم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول پیش کیا جاسکتا ہے، جب ایک دن انہوں نے کعبہ کو دیکھا تو کہا: (تو کتنا عظیم اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے! لیکن ایک مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سے زیادہ عظمت والا ہے (100).

---

(۹۸) حدیث کا لفظ ہے: **(یَوْمٌ یُعَظِّمُ اللّٰہُ فِیہِ الْکَعْبَۃَ)** اس کے ذریعہ اس دن کی طرف اشارہ ہے جس دن اسلام کو شہرت ملی، اور کعبہ پر چڑھ کر بلال نے اذان دی، اس کے علاوہ اس میں موجود بتوں کو ہٹایا گیا اور تصویروں کو مٹایا گیا وغیرہ ذلک، فتح الباری (۹/۸).

۹۹. صحیح البخاری (۱۵۵۹/۴)، (ح: ۴۰۳۰).

۱۰۰. سنن الترمذی (۳۷۸/۴)، (ح: ۲۰۳۲) اور شیخ البانی نے اس کو (صحیح سنن الترمذی (۲۹۱/۲)، (ح: ۲۰۳۲) کے اندر حسن قرار دیا ہے.

اورتب سے اب تک شاہان وسلاطین اور عام مسلمانوں کے نزدیک کعبہ حد درجہ معظم ومکرم رہا ہے، والحمد لله رب العالمین.

تعظیم کعبه کی صورتیں:

زمان ومکان کی عظمت ذاتی نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ عظمت خارجی اسباب کا مرہون منت ہوتی ہے، اسی طرح کعبہ مشرفہ کی عظمت اللہ تعالیٰ کی عظمت کے مرہون ہے، جس نے اس کی تعظیم کا حکم دیا ہے، اوراس کی قدرومنزلت کو دیگر عمارتوں پر دوبالا کیا ہے، باوجودیکہ اس کی بناوٹ معمولی ہے لیکن قدیم زمانے سے لیکر دور حاضر تک کی بلند ترین اور حسین ترین عمارتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں اور قیامت تک اس کا مقابلہ کوئی عمارت نہیں کرسکتی، یہی وجہ ہے کہ عرب کبھی بھی ابرہہ کے بنائے ہوئے کعبہ کا حج کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوئے جبکہ اس نے اپنے کعبہ میں سونے کے قبے (101) بنائے تھے لیکن عربوں نے اپنی جاہلیت اورشرک سے آلودہ ہونے کے باوجود کعبہ مشرفہ کواس پرفوقیت دیا، صرف اس بناء پر کہ ان کے دلوں میں اوران وجدان وشعور میں دین ابراہیمی کے باقیات کے طور پر اس گھر کی اوراس عمارت کی تعظیم رچی بسی تھی، اوراس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فطرت میں اس گھر کی عظمت ومحبت کو ڈال رکھا تھا جن میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس کے گھر کو پاک کریں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ** [الحج:۲٦]

میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے پاک وصاف کرو تاکہ لوگ اس کے پاس نماز اور مناسک ادا کرکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اسی طرح تمام خطۂ ارض کے لوگ اس کو قبلہ بنا کر اور نمازوں میں اس کا استقبال کرکے اللہ کی عبادت ادا کرسکیں، یہ تطہیر وصفائی ظاہری

١٠١۔ دیکھئے: سیرۃ ابن اسحاق (۱/۴۷)؛ ودلائل النبوۃ للبیہقی (۱/۱۱۷).

گندگیوں اور آلودگیوں سے پاک کرنے اور شرک و بت پرستی سے پاک کرنے وغیرہ کو شامل ہے (102).

۲۔اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو اپنی ذات شریفہ کی طرف منسوب کیا ہے، اس کا فرمان ہے: **وَطَهِّـرْ بَيْتِـيَ** [الحج:۲۶] میرے گھر کو پاک کرو.

اگر اس گھر کا بجز اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کے اور کوئی فضل و شرف نہ ہوتا تو یہی نسبت اس کے مقام و مرتبہ کی بلندی کے لئے کافی تھی.

بلکہ اسی نسبت نے جہاں والوں کے دلوں کو اس کی طرف متوجہ کیا، ان کی روحوں میں اس کی محبت اور شوقِ دیدار کو مستحکم بنایا اور اس کو یہ مقام دلایا کہ محبت کرنے والے اسے ٹوٹ کر چاہیں پھر بھی انہیں آسودگی و سیرابی حاصل نہ ہو، جب جب وہ اس کی زیارت کریں اس کی محبت وچاہت بڑھتی جائے، نہ وصال ان کو سیرابی بخشے اور نہ دوریاں زنجیر پا بنیں (103).

۳۔اللہ تعالیٰ نے مکہ کو اسی دن حرام ٹھہرا دیا جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا (104)، اپنے اس گھر کی حرمت کی تعظیم میں جو گھر اس شہر کے اندر تعمیر کیا جانے والا تھا.

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**فَإِنَّ هَذَا بَلَدٌ حَرَّمَهُ اللَّهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضَ**" یعنی: یہ وہ شہر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن حرمت والا قرار دے دیا جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا (105).

---

۱۰۲. دیکھئے تفسیر الطبری (۱۴۳/۱۷).

۱۰۳. دیکھئے: بدائع الفوائد، لابن القیم (۲۸۱/۲).

۱۰۴. دیکھئے: الروض الأنف، للسہیلی (۳۴۰/۱)؛ تفسیر ابن کثیر (۱۷۵/۱).

۱۰۵. البخاری، (۶۵۱/۲)، (ح ۱۷۳۷).

نیز مکہ کی اس حرمت کی بناء پر اور اس کے امتیاز تعظیم کا خیال کرتے ہوئے اس کے اندر ان امور کو بھی حرام ٹھہرادیا گیا جو غیر مکہ میں مباح ہیں، نبی ﷺ نے اس کو اپنے اس فرمان کے ذریعہ بیان فرمایا ہے:
"فَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا، وَلَا تَحِلُّ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ" (106).

یعنی: اس کے شکار کو نہیں ہنکایا جائیگا، اور نہ اس کے درختوں کو کاٹا جائے گا، اور اس میں گری ہوئی چیزوں کو اٹھانا حلال نہ ہوگا سوائے اس شخص کے لئے جو اس کی تشہیر (اعلان) کرنا چاہتا ہو.

اسی طرح مکہ میں ہتھیار لئے پھرنا حلال نہیں ہے، **جابر** رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "**لَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ أَنْ يَحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ**" یعنی: تم میں سے کسی کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ مکہ میں ہتھیار لے کر پھرے (107)، اور خاص کر بیت الحرام کے پاس اور بھی نہیں (108)

یہ اور اس کے طرح کے دوسرے وہ تمام احکام جن کا تعلق شہر حرام سے ہے وہ کعبہ کی تعظیم کے پیش نظر دیئے گئے ہیں، کعبہ معظم گھر ہے، اور مکہ اس گھر کے لئے شہر پناہ ہے، اور شہر پناہ کی حرمت اس گھر کی حرمت وعظمت کی بنا پر ہے، اور گھر کی عظمت اس کے رب تبارک وتعالی کی عظمت کی بنا پر ہے.

۴۔ اللہ تعالی نے ابرہہ الاشرم کے شر سے اس کی حفاظت فرمائی، اور اس کو منہدم کرنے سے ہاتھیوں کو روک دیا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ، أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ، وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ، تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ، فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ**[الفیل:۱۔۵]

۱۰۶۔ صحیح البخاری (۸۵۷/۲)، (ح:۲۳۰۱)؛ وصحیح مسلم، اور لفظا نہیں کا ہے (۹۸۸/۲)، (ح:۱۳۸۸).

۱۰۷۔ صحیح مسلم (۹۸۹/۲)، (ح:۱۳۵۶).

۱۰۸۔ دیکھئے: بیت اللہ الحرام الکعبۃ (ص ۶۳).

اور اللہ تعالی نے ہر اس شخص کو ہلاک کردینے کی دھمکی دی ہے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ جو اس کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے(109) اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: **وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ**[الحج:۲۵]

اور جو کوئی ازراہ ظلم مسجدِ حرام میں کجروی اختیار کرنے کا ارادہ کرے گا اسے ہم دردناک عذاب سے دوچار کریں گے۔

۵۔اللہ تعالی نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ حج یا عمرہ کے لئے کعبہ مشرفہ آئیں، تاکہ اس کی عبادت کی ادائیگی سے سرفراز ہوسکیں اور وہاں اپنے منافع کا سامان دیکھیں، اس آنے کو اس شخص پر فرض اور لازم کردیا ہے جو وہاں جانے پر قادر و مستطیع ہو، اور جو وہاں نہیں گیا اس نے اللہ تعالی کی نافرمانی کی:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ** [آل عمران:۹۷]۔

اور اللہ تعالی کی رضا کے لئے بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر فرض ہے، جو وہاں پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، اور جو انکار کرے گا تو اللہ تعالی تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے، نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالاً وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ، لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ** [الحج:۲۷۔۲۸]۔

اور لوگوں میں حج کی منادی کردیجئے، لوگ آپ کے پاس پاپیادہ بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی، دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے، تاکہ وہ اپنے فائدے کو دیکھ لیں اور چند متعین دنوں میں ان چوپایوں کو اللہ کے نام سے ذبح کریں جو اللہ نے بطور روزی انہیں دیئے ہیں۔

۱۰۹۔ دیکھئے: السیرۃ النبویۃ۔ لابن ہشام(۱/۱۷۱) ؛ أخبار مکۃ للأزرقی (۱/۱۴۶)؛ تفسیر الطبری (۳۰/۳۰۳)۔

اور یہ دونوں شعائر۔حج وعمرہ۔شہر حرام مکہ مکرمہ کے ساتھ مکمل طور سے مربوط ہیں حتی کہ ان کی ادائیگی اس کے علاوہ اور کہیں ممکن نہیں ہے،اس سے تمام خطۂ ارض پر اس خطۂ مبارکہ کا شرف وفضل اور علومرتبت نمایاں ہوتا ہے۔

۶۔نبی ﷺ نے قضائے حاجت کے وقت کعبہ مشرفہ کے ادب واحترام کو پیش نظر رکھ کر اس کا استقبال یا استدبار کرنے سے منع فرمایا ہے،اور اس سلسلے کی احادیث میں سے بعض یہ ہیں:

(الف)**ابوایوب**الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:"**إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ**(110)**فَلَاتَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ، وَلَاتَسْتَدْبِرُوهَا، وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا**" (111)

جب تم قضائے حاجت کے لئے آؤ تو قبلے کا نہ استقبال کرو اور نہ استدبار(قضائے حاجت کے وقت قبلہ کو نہ سامنے رکھو اور نہ پیچھے)،البتہ (اے مدینہ والو!) مشرق یا مغرب کی طرف قضائے حاجت کرو۔

(ب)**ابوہریرہ**رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:"**مَنْ لَمْ يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ، وَلَمْ يَسْتَدْبِرْهَا فِي الْغَائِطِ كُتِبَ لَهُ حَسَنَةٌ وَمُحِيَ عَنْهُ سَيِّئَةٌ**"(112)۔

جس نے قضائے حاجت کے وقت نہ تو قبلے کا استقبال کیا اور نہ استدبار، تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اس کا ایک گناہ مٹایا جاتا ہے۔

وجہ دلالت: مذکورہ بالا دونوں حدیثیں قبلہ کے احترام واکرام کے وجوب پر دلالت کررہی ہیں، اس طرح سے کہ قضائے حاجت کے وقت اس کا استقبال یا استدبار نہ کیا جائے، نیز اس پر بھی دلالت کررہی

---

۱۱۰. **الغائط:** غائط کا اصلی معنی کشادہ اور مطمئن زمین ہے،بعد میں اس کا اطلاق انسان سے خارج ہونے والی گندگی کے لئے کردیا گیا ہے۔

۱۱۱. صحیح البخاری(۱/۱۵۴)،(ح:۳۸۶)۔

۱۱۲. الطبرانی فی الاوسط(۲/۱۵۴)،(ح:۱۳۲۱)،اور شیخ البانی نے اس کو(صحیح الترغیب والترہیب(۱/۱۷۳)،(ح:۱۵۱) کے اندر صحیح ٹھہرایا ہے۔

ہیں کہ جو شخص اس کا احترام کرتا ہے اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک گناہ مٹایا جاتا ہے۔

۷۔ نبی ﷺ نے کعبہ مشرفہ کے ادب کے ملحوظ رکھتے ہوئے نماز یا غیر نماز میں قبلہ کی جانب تھوکنے سے منع فرمایا ہے:

الف۔حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**مَنْ تَفَلَ تُجَاهَ الْقِبْلَةِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَفْلُهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ**''(113) جس نے قبلہ جانب تھوکا، وہ قیامت کے دن آئے گا تو اس کا تھوک دونوں آنکھوں کے درمیان ہوگا۔

ب۔**ابن عمر** رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**يُبْعَثُ صَاحِبُ النُّخَامَةِ** (114)**فِي الْقِبْلَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهِيَ فِي وَجْهِهِ**"(115)۔

قبلہ جانب بلغم پھینکنے والا قیامت کے روز اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ وہ اس کے چہرے پر پڑا ہوگا۔

وجہ دلالت: حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ قبلہ کی جانب تھوک پھینکنا مطلق حرام ہے، چاہے مسجد کے اندر ہو یا کہیں اور، اور پھینکنے والا نمازی ہو یا غیر نمازی (116)۔

ابن حجر کا بیان ہے: (**نووی** نے اس کو جزم کے ساتھ ہر حال میں ممنوع ٹھہرایا ہے، نماز کے اندر بھی اور اس کے باہر بھی، چاہے تھوکنے والا مسجد میں تھوکے یا اس کے باہر تھوکے)(117)۔

ج۔**انس** رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے قبلہ کی طرف نخامہ (بلغم) دیکھا، یہ حرکت

۱۱۳۔ سنن ابی داود (۳۶۰/۳)، (ح:۳۸۲۴)۔

۱۱۴۔ (**النُّخَامَة**): یہ سینے سے نکلنے والا مادہ ہے، نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اہل لغت کا کہنا ہے: مخاط (رینٹ) ناک سے خارج ہوتا ہے، اور بصاق وبزاق (تھوک) منہ سے خارج ہوتا ہے، اور نخامہ (بلغم) سر سے بھی خارج ہوتا ہے اور سینہ سے بھی) صحیح مسلم بشرح النووی (۳۸/۵)۔

۱۱۵۔ صحیح ابن خزیمہ (۲۷۸/۲)، (ح:۱۳۱۳)، اور شیخ البانی نے (صحیح الترغیب والترہیب)(۲۳۵/۱) میں صحیح ٹھہرایا ہے۔

۱۱۶۔ مجموع فتاوی الألبانی (۲۱۹/۱)۔

۱۱۷۔ فتح الباری (۵۱۰/۱)۔

آپ پر بڑی شاق گذری، حتی کہ اس کا اثر آپ کے چہرے پر دکھائی دیا، آپ کھڑے ہوئے اور اپنے دست مبارک سے اس کو کھرچا، پھر فرمایا: "**إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ، فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ - أَوْ: إِنَّ رَبَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا يَبْزُقَنَّ أَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهِ، وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ**" (118)

یعنی: جب تم میں کا کوئی نماز میں کھڑا ہوتا ہے، تو وہ اپنے رب سے ہمکلام ہوتا ہے - یا اس کا رب اس کے اور اس کے قبلے کے درمیان ہوتا ہے - چنانچہ تم میں سے کوئی اپنے قبلہ کی طرف نہ تھوکے، لیکن اپنی بائیں طرف یا اپنے دونوں پاؤں کے نیچے تھوکے۔

اور **ابن عمر** رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**إِنَّ اللَّهَ قِبَلَ وَجْهِ أَحَدِكُمْ إِذَا صَلَّى، فَلَا يَبْزُقْ بَيْنَ يَدَيْهِ**" (119) یعنی: تم میں سے کوئی جب نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کی طرف ہوتا ہے، لہٰذا وہ اپنے سامنے نہ تھوکے۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: (حدیث میں مذکور تعلیل اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ قبلہ کی جانب تھوکنا حرام ہے خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر، بالخصوص نمازی کے لئے، اس کے حق میں یہ اختلاف نہیں ہے کہ مسجد میں تھوکنے کی کراہت تنزیہ کے لئے ہے یا تحریم کے لئے؟) (120)۔

خلاصہ: مذکورہ بالا حدیث مجموعی اعتبار سے اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ایک مسلمان کو کعبہ مشرفہ کے ساتھ باادب رہنا چاہئے، اس لئے کہ وہ مسلمانوں کا قبلہ ہے، چنانچہ نماز کے اندر اور اس کے باہر ہر جگہ اس کا احترام ملحوظ خاطر رہے، اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں اپنے عرش پر مستوی ہے، پھر بھی وہ نمازی کے سامنے ہوتا ہے، کیوں کہ وہ ہر چیز کو احاطہ کئے ہوا ہے **لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ** [الشوریٰ:١١] (121)

---

١١٨. صحیح البخاری (١/١٥٩)، (ح:٣٩٧)۔

١١٩. سنن ابی داود (١/١٢٦)، (ح:٤٧٩)، اور البانی نے (صحیح ابی داود)، (١/١٣٠)، (ح:٤٧٩٧) میں صحیح کہا ہے۔

١٢٠. فتح الباری (١/٥٠٨)۔

١٢١. دیکھئے: شرح رياض الصالحين، لابن عثيمين (١/٦٩٣)۔

۸۔سب سے بہتر اور سب سے افضل مجلس قبلہ کی سمت بیٹھنا ہے:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " **إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ سَيِّداً، وَإِنَّ سَيِّدَ الْمَجَالِسِ قُبَالَةَ الْقِبْلَةِ** "(122) یعنی: ہر چیز کا ایک سردار ہوتا ہے اور مجالس کا سردار قبلہ رخ کی مجلس ہے۔

۹۔صفاتِ کعبہ کی عظمت:

بیت الحرام کی صفات اور اس کے محاسن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس قول میں آیا ہے: **إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكاً وَهُدىً لِلْعَالَمِينَ، فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِناً وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ** [آل عمران:۹۶۔۹۷]، بے شک اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے، وہ ہے جو مکہ میں ہے، اور تمام جہاں والوں کے لئے باعث برکت وہدایت ہے، اس میں کئی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہوجاتا ہے امن میں آجاتا ہے، اور اللہ کی رضا کے لئے بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر فرض ہے، جو وہاں پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، اور جو انکار کرے گا تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بیت الحرام کو پانچ صفات سے متصف کیا ہے:

۱۔وہ زمین میں عبادت کے لئے تعمیر کیا جانے والا پہلا گھر ہے۔

۲۔وہ مبارک ہے، اور برکت کثرتِ خیر اور اس کے دوام کو کہتے ہیں، اور دنیا کے گھروں میں سے کسی گھر کے اندر اتنی برکت، اس سے زیادہ اور مستمر خیر وبھلائی اور خلائق کے لئے اس سے زیادہ نفع بخش اور کوئی گھر نہیں ہے۔

۱۲۲۔ الاوسط للطبرانی (۲۵/۳)،(ح:۲۳۵۴)، اورالبانی نے (صحیح الترغیب والترہیب)،(۱۹۱/۳)،(ح:۳۰۸۵) میں حسن کہا ہے۔

۳۔وہ سامان ہدایت ہے۔

۴۔اس میں چالیس سے زیادہ روشن نشانیاں ہیں۔

۵۔اس میں داخل ہونے والا مامون ہو جاتا ہے (123)۔

کعبہ شرفہ کی یہ صفتیں بذاتِ خود اس کی عظمت و منزلت پر دلالت کر رہی ہیں، اور اس اعتبار سے کہ ان صفات سے اس کو متصف کرنے والا اللہ تعالی ہے، اس کا فضل و شرف اس بلندی تک پہنچ جاتا ہے جہاں تک کسی شرف کی رسائی ممکن نہیں ہے، اس پر مستزاد یہ ہے کہ وہ قرآن کا حصہ ہے جس کی تلاوت اور جس کے ذریعہ عبادت کی ادائیگی قیامت تک کی جاتی رہے گی، اس طرح اس کی تعظیم دلوں میں ہمیشہ ہمیش باقی رہے گی۔

۱۲۳۔ دیکھئے: بدائع الفوائد (۲/۲۸۰)۔

دوسرا مبحث

سفرِ کعبہ کے فضائل

کعبہ مشرفہ کا قصد کرنا اور اس کا سفر کرنا نہایت عظیم، غایت درجہ نفع بخش فعل اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین عمل ہے، اور کعبہ کا سفر کرنے والا تین حالات سے خالی نہیں ہوسکتا:

پہلی حالت: عمرہ کے لئے سفر کرنا۔

دوسری حالت: حج کے لئے سفر کرنا۔

تیسری حالت: زیارت کے لئے اور اس میں نماز پڑھنے کے لئے سفر کرنا، اور یہ سفر مستقل بھی ہوسکتا ہے، یا پہلی دونوں حالتوں میں شامل ہو کر بھی۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے یہ تمام حالات انسان کے لئے بہت بڑا عطیہ اور فضائل سے پُر ہیں جو سب کے سب کعبہ مشرفہ کے سفر میں پنہاں ہیں۔

سفرِ کعبہ کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا قصد کرنے والے کے لئے۔ گھر سے نکلنے کے وقت سے واپسی تک۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہر ہر قدم پر ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک گناہ مٹاتا ہے، اس بارے میں وارد احادیث میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**أَمَّا خُرُوجُکَ مِنْ بَيْتِکَ تَؤُمُّ** (124) **الْبَيْتَ الْحَرَامَ، فَإِنَّ لَکَ بِکُلِّ وَطْأَةٍ تَطَأُهَا رَاحِلَتُکَ، يَكْتُبُ اللّٰهُ لَکَ بِهَا حَسَنَةً، وَيَمْحُو عَنْکَ بِهَا سَيِّئَةً...**" (125)۔

جہاں تک بیت الحرام کا قصد کر کے تمہارے گھر سے نکلنے کی بات ہے؛ تو تمہاری سواری کے ہر

۱۲۴۔ (**تَؤُمُّ**): بمعنی قصد ہے یعنی تم قصد کرتے ہو، دیکھئے: لسان العرب (۱۲/۲۲)، مادہ: (أمم)۔

۱۲۵۔ الکبیر للطبرانی (۱۲/۴۲۵)، (ح:۱۳۵۶۶)، اور اس کو شیخ البانی نے (صحیح الجامع) (۱/۲۸۹)، (ح:۱۳۶۰) میں صحیح قرار دیا ہے۔

قدم کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایک نیکی لکھتا ہے اور اس کے بدلے تمہارا ایک گناہ مٹاتا ہے۔

۲۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**فَإِنَّكَ إِذَا خَرَجْتَ مِنْ بَيْتِكَ تَؤُمُّ الْبَيْتَ الْحَرَامَ، لَا تَضَعُ نَاقَتُكَ خُفّاً وَلَا تَرْفَعُهُ، إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَكَ حَسَنَةً وَمَحَا عَنْكَ خَطِيئَةً**"(126)

یعنی: جب تم اپنے گھر سے بیت الحرام کے قصد سے نکلتے ہو، تو تمہاری اونٹنی جو بھی قدم رکھتی ہے یا اس کو اٹھاتی ہے، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایک نیکی لکھتا ہے اور تمہارا ایک گناہ مٹاتا ہے۔

۳۔ عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**فَإِنَّ لَكَ مِنَ الْأَجْرِ إِذَا أَمَمْتَ الْبَيْتَ الْعَتِيقَ، أَلَّا تَرْفَعَ قَدَماً، أَوْ تَضَعَهَا أَنْتَ وَدَابَّتُكَ، إِلَّا كُتِبَتْ لَكَ حَسَنَةٌ، وَرُفِعَتْ لَكَ دَرَجَةٌ**" (127)

یعنی: جب تم بیت عتیق (خانہ کعبہ) کا قصد کرتے ہو تو تمہارے لئے یہ اجر مقرر کیا جاتا ہے کہ تم اور تمہاری سواری کا جانور جو بھی قدم اٹھاؤ گے یا اس کو رکھو گے، تو تمہارے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی اور ایک درجہ بلند کیا جائے گا۔

کعبه کا سفر کرنے کے فضائل میں سے ایک یه هے که وه گناهوں کو ختم کردیتاهے:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**مَنْ أَتَى هَذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَمَا وَلَدَتْهُ أُمُّهُ** (128) "(129)۔

خانہ کعبہ کو یہ فضل اس لئے حاصل ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف منسوب ہے، وہ زمین میں

۱۲۶۔ مسند بزار (۳۱۷/۱۲)، (ح:۶۱۷۷)، اور البانی نے (صحیح الترغیب والترہیب) (ح:۱۱۱۲) میں حسن لغیرہ کہا ہے۔

۱۲۷۔ الاوسط للطبرانی (۱۶/۳)، (ح:۲۳۲۰)، اور البانی نے (صحیح الترغیب والترہیب) (۱۱/۲)، (ح:۱۱۱۳) میں حسن لغیرہ کہا ہے۔

۱۲۸۔ (**كَمَا وَلَدَتْهُ أُمُّهُ**): یعنی: گناہ سے پاک ہو کر۔

۱۲۹۔ صحیح مسلم (۹۸۳/۲)، (ح:۱۳۵۰)۔

اللہ کا گھر ہے، اس گھر کو آنے والا اوراس کی زیارت کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا مہمان اوراس کا زائر ہے، اوراللہ تعالیٰ سب سے بڑا مہمان نواز اور سب سے بڑا ذمہ دار ہے، اس کا دروزاہ کبھی بند نہیں ہوتا، اس کا قصد کرنے والا کبھی نادم نہیں ہوتا، اوراللہ تعالیٰ کا اکرام زائر کا اس کے گھر میں داخل ہونے کے وقت سے شروع نہیں ہوتا بلکہ جس وقت وہ بیتِ عتیق کا قصد کر کے اپنے گھر اور مستقر سے نکلتا ہے وہ اللہ کی ضیافت میں آجاتا ہے، اللہ کے راستے کا یہ سفر مسافر کے درجات کی بلندی اوراس کے گناہوں کی معافی کا باعث بن جاتا ہے، اور بڑے انعام اور بڑی نوازش کو اس کے سفر سے واپسی تک کے لئے موٴخر کر دیا جاتا ہے، اس طرح کہ جب وہ اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کی زیارت کر کے واپس ہوتا ہے تو اس کی واپسی اس حالت میں ہوتی ہے جس حالت میں اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہوتا ہے (یعنی بالکل پاک وصاف حالت میں)۔

تیسرا مبحث

حجرِ اسود کے فضائل

اوراس میں چھ مطالب ہیں:

پہلا مطلب: حجرِ اسود کا جنت سے نازل ہونا.

دوسرا مطلب: حجرِ اسود جنت کا یاقوت ہے.

تیسرا مطلب: حجرِ اسود زمین میں اللہ کا داہنا ہاتھ ہے.

چوتھا مطلب: حجرِ اسود کو چھونے سے گناہ مٹتے ہیں.

پانچواں مطلب: حق کے ساتھ اس کو چھونے والے کے لئے اس کی شہادت.

چھٹا مطلب: خانہ کعبہ اور حجرِ اسود سے فائدہ اٹھانا اور اس کو حرز جاں بنانا.

حجرِ اسود کے فضائل

تعریف: حجرِ اسود جنت کے پتھروں میں سے ایک پتھر ہے جس کو لے کر جبریل علیہ السلام ابراہیم خلیل علیہ السلام کے پاس آئے اور اس کو انہوں نے کعبہ مشرفہ کے مشرقی رکن میں نصب کیا، یہ پتھر مطاف سے (۱۰۔۱ میٹر) بلند ہے، اس کی حفاظت کے پیش نظر اس کو خالص چاندی کے گھیرے سے گھیرا گیا ہے، حجرِ اسود کی جگہ انڈے کی شکل کی معلوم ہوتی ہے، یہ پتھر ایک ہی ٹکڑے میں تھا مگر اس کو درپیش حادثات کی وجہ سے وہ ٹوٹ گیا اور آج مختلف حجم کے اس کے آٹھ ہی ٹکڑے باقی ہیں جن میں سے سب سے بڑا ٹکڑا ایک کھجور کے دانے کے برابر ہے۔

حجرِ اسود کو پیش آنے والے حادثات میں شاید سب سے بڑا حادثہ قرامطہ والا حادثہ ہے جنہوں نے اسے اپنے قبضے میں لے کر (۲۲) سالوں تک غائب رکھا، پھر ۳۳۹ھ میں اس کو اس کی جگہ میں نصب کیا جاسکا (130)۔

سب سے پہلے جس نے حجرِ اسود کو چاندی سے مربوط کیا وہ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما ہیں، اس کے بعد حجرِ اسود اور چاندی کے گھیرے میں کی جانے والی آخری ترمیم (۱۴۲۲ھ) میں شاہ فہد بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانے میں کی گئی تھی (131)۔

۱۳۰۔ دیکھئے: مرقاۃ المصابیح ،ملا علی القاری (۴۹۸/۵)۔

۱۳۱۔ دیکھئے: مکۃ المکرمۃ تاریخ ومعالم (ص:۴۸)۔

پهلا مطلب

حجرِ اسود کا جنت سے نازل ہونا

حجرِ اسود کا کعبہ مشرفہ سے ارتباط جزء کا کل سے ارتباط کی مانند ہے، اور جو بھی شرف وفضل اس کو حاصل ہے وہ شرف وفضل دراصل کعبہ کے لئے ہے، کیونکہ اس نے حجرِ اسود کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے، حجرِ اسود کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ وہ جنت سے نازل ہوا ہے، وہ دودھ سے یا برف سے بھی زیادہ سفید تھا مگر اس کو بنو آدم کے گناہوں نے کالا بنا دیا ہے، اور اس بارے میں کئی حدیثیں وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض یہ ہے:

۱۔ **ابن عباس** رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"نَزَلَ الْحَجَرُ الأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضاً مِنَ اللَّبَنِ، فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ(132)"** (133) یعنی: حجرِ اسود جنت سے نازل ہوا، وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا، مگر لوگوں کے گناہوں نے اسے کالا بنا دیا۔

۲۔ **ابن عباس** رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"الْحَجَرُ الأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَكَانَ أَشَدَّ بَيَاضاً مِنَ الثَّلْجِ، حَتَّى سَوَّدَتْهُ خَطَايَا أَهْلِ الشِّرْكِ"**(134)

حجرِ اسود جنت کا پتھر ہے، وہ برف سے زیادہ سفید تھا، حتی کہ مشرکین کے گناہوں نے اسے کالا بنا دیا۔

۳۔ **انس** بن مالک رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: **"الْحَجَرُ**

۱۳۲۔ (**فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ**): یعنی حجرِ اسود کو چھونے والے لوگوں کے گناہ اس کے سیاہ ہونے کا سبب بن گئے، اور ظاہر ہے کہ حدیث کو حقیقت پر محمول کیا جائے گا کیوں کہ نقل وعقل کے اعتبار سے ایسا ناممکن نہیں ہے دیکھئے: مرقاۃ المفاتیح (۴۹۶/۵)۔

۱۳۳۔ ترمذی نے روایت کیا ہے (۲۲۶/۳)، (ح ۸۷۷)، اور کہا ہے: (حدیث حسن صحیح) اور شیخ البانی نے اس کو (صحیح سنن الترمذی)، (۴۵۱/۱)، (ح ۸۷۷)، میں صحیح قرار دیا ہے۔

۱۳۴۔ مسند احمد (۳۰۷/۱)، (ح ۲۷۹۷) اور البانی نے (صحیح الترغیب والترہیب)، (۲۹/۲)، (ح:۱۱۴۶) میں کہا ہے: (صحیح لغیرہ ہے)۔

الْأَسْوَدُ مِن حِجَارَةِ الجَنَّةِ"(135) حجرِ اسود جنت کے پتھروں میں سے ہے۔

حجرِ اسود حقیقت میں جنت کا پتھر ہے :

حجرِ اسود یقیناً جنت کا ایک پتھر ہے اور وہ حقیقتاً جنت سے نازل ہوا ہے، مذکورہ احادیث کو- اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے مطابق - ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے گا، اس لئے کہ مطلق کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے۔

اس کی تائید عبداللہ بن عمرو کے اس قول سے ہوتی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: (جبریل علیہ السلام حجرِ اسود کو جنت سے لائے، اور اس کو وہاں رکھا جہاں تم اسے دیکھ رہے ہو، تم اس وقت تک خیر کے ساتھ رہو گے جب تک وہ تمہارے درمیان رہے گا، تم لوگ اس سے جتنا فائدہ اٹھا سکتے ہو اٹھا لو، ہوسکتا ہے کہ جبریل علیہ السلام آئیں اور اسے وہاں لے چلے جائیں جہاں سے وہ آیا تھا)(136).

وجہِ دلالت: اس صحابی جلیل کا یہ قول (ہوسکتا ہے وہ [جبریل علیہ السلام] آئیں اور اسے [یعنی حجرِ اسود کو] لے کر وہاں چلے جائیں جہاں سے وہ آیا تھا [یعنی: جنت سے]، دراصل مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کیوں کہ اس میں رائے اور اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو درحقیقت جبریل علیہ السلام لے کر واپس جنت چلے جائیں گے جہاں سے وہ اس کو لائے تھے۔

گویا حجرِ اسود دراصل جنتی پتھر ہے (مگر اس کو زمین میں رکھے جانے کی وجہ سے حکمت کا تقاضہ ہوا کہ اس میں زمینی اشیاء کے حکم کی رعایت کی جائے لہٰذا اس سے اس کی روشنی کو ختم کر دیا گیا)(137).

---

۱۳۵. طبرانی نے (الأوسط)، (۱۶۴/۵)، (ح:۴۹۵۴) میں روایت کیا ہے، اور البانی نے (صحیح الجامع)، (۱/۶۰۶)، (ح:۳۱۷۵) میں صحیح ٹھہرایا ہے۔

۱۳۶. اخبار مکہ، الفاکھی (۹۱/۱)، (نمبر:۲۵)، اور اس کی سند حسن ہے، دیکھئے: فضائل مکۃ الواردۃ فی السنۃ ۔ جمعا ودراسۃ، د. محمد الغبان (۷۱۵/۲)، (نمبر:۳۸۴).

۱۳۷. حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ الدہلوی (ص:۵۵۶).

گناھوں اور نافرمانیوں کا اثر:

حدیث کے اندر ایک واضح، لطیف اور بدیع اشارہ پایا جاتا ہے جس سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ گناہوں اور نافرمانیوں کا پوری کائنات پر حتیٰ کہ جمادات پر بھی اثر پڑتا ہے، گویا کہ ذنوب ومعاصی کا معاملہ نہایت خطرناک معاملہ ہے، اس نے جنت کے پتھروں میں سے ایک متبرک پتھر پر بھی اثر ڈال دیا ہے اور وہ پتھر جو کہ دودھ یا برف سے بھی زیادہ سفید تھا، انسانوں کے ذنوب ومعاصی میں ملوث ہونے کی وجہ سے، خاص کر شرک باللہ کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے اس کی سفیدی سیاہی میں تبدیل ہوگئی، جبکہ وہ جمادات میں سے ہے، لیکن یہ اس اعتبار سے مستغرب نہیں ہے کہ جمادات بھی اللہ تعالیٰ کے ان مخلوقات میں سے ہیں جو دن رات اللہ کی تسبیح وحمد بیان کرتے ہیں اور صرف اسی کو سجدہ کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کے اندر کئی آیتوں میں اس کی خبر دی ہے جن میں سے مشہور آیت یہ ہے: **وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيماً غَفُوراً** [الإسراء:۴۴)

اور ہر چیز صرف اسی کی پاکی اور حمد وثنا بیان کرنے میں مشغول ہے، لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو، بے شک وہ بڑا حلیم اور بڑا معاف کرنے والا ہے.

اور جب جمادات پر گناہوں کا عالم یہ ہے تو پھر ان دلوں پر ان کے اثرات کا عالم کیا ہوگا جو حیات وروح والے اور متغیر طبیعت والے ہوتے ہیں؟!

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " **إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً، نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ ، فَإِذَاهو نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ، سُقِلَ قَلْبُهُ، وَإِنْ عَادَ زِيْدَ فِيهِ ، حَتَّى تَعْلُوَ قَلْبَهُ، وَهُوَ الرَّانُ الذى ذَكَرَ اللَّهُ: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ** "[المطففین:۱۴]

جب بندہ کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ ڈال دیا جاتا ہے اور جب وہ

بازآجاتا(138) ہےاورتوبہواستغفارکرلیتا ہےتواس کےدل کوصاف کردیا جاتا ہے،اوراگرواپس آکرپھر گناہ کرتا ہےتوان نقطوں میں اضافہ کردیا جاتا ہےحتی کہ پورےدل پر چھا جاتا ہے،اوریہی وہ ران ہے جس کواللہ تعالٰی نےبیان فرمایاہے:نہیں بلکہ ان کےدلوں پران کےاعمال کی وجہ سےزنگ چڑھ گیا ہے.

(خلاصہ یہ کہ یہ پتھرسفید آئینہ کی مانند تھا جوغایت درجہ صاف ستھراہوتا ہےاورغیرمناسب چیزوں کےساتھ اختلاط کی وجہ سےاس میں تبدیلی آتی رہتی ہے، یہاں تک کہ اس کےتمام اجزاءسیاہ ہوجاتے ہیں،اورایک جملہ میں کہا جائےتویہ کہ تمام عقلاء کےبقول صحبت کابڑااثرہوتا ہے)(139).

عصر حاضر کی شہادت:

جب مستشرقین نےحجراسوداوراس کےجنتی ہونےسےمتعلق احادیث نبویہ کا مطالعہ کیا تو انہوں نےیہ سمجھا کہ یہ ان پتھروں میں سےہےجن کوسیلاب نےقرب وجوارکےبالائی حصوں سےلاکرمکہ مکرمہ کی پست جگہ میں ڈال دیا تھا.

اور اس کی تحقیق کے لئے (برٹش سرکاری جغرافیائی تنظیم) نے ریچارڈ فرانس برٹون (Richard Francis Burton)نامی فوجی کی خدمات حاصل کی جوانیسوی صدی عیسوی کےوسط میں(١٢٦٩ھ-١٨٥٣ء)ایک افغانی حاجی کی شکل میں حجازآیا تاکہ حجراسودکا کچھ حصہ چراکربرطانیہ لےجائے،اوراس کواس میں کامیابی بھی ملی،اس چرائےہوئےحصّے کی تحقیق سےیہ ثابت ہوا کہ وہ آسمانی پتھرہے،کیوں کہ وہ فلکی پتھروں کےمشابہ ہےاوروہ خاص کیمیائی ومعدنی ترکیب سےمتمیّزہے.

یہی اکتشاف اس کےاسلام لانےکا سبب بنا،اس نےاپنےاس قصّےکواپنی کتاب: مکہ کا سفر (A journey to Mecca)میں بیان کیاہےاس کی وفات(١٨٩٠ء/١٣٠٨ھ)میں ہوئی ہے(140).

---

١٣٨. ترمذی نےروایت کیا ہے(٥/٤٣٤)،(ح:٣٣٣٤)،اورکہاہے:(حسن صحیح)اورالبانی نےاس کو(صحیح الترمذی) (٣/٢٦٤)(ح:٣٣٣٤)میں حسن قراردیاہے.

١٣٩. مرقاۃ المفاتیح،(٥/٤٩٦).

١٤٠. دیکھئےمقالہ(الحجرالاسعدمن احجارالسماء)د.زغلول النجار،بواسطہ:ملتقی اھل الحدیث http:// www.ahlehdeeth.com

خلاصہ:

اس قسم کی احادیث مسلمانوں کو ذنوب ومعاصی کے برے آثار سے ڈراتی اور خوف دلاتی ہیں،
اس لئے کہ جب اس مبارک پتھر پر جو کہ جمادات میں سے ہے، ان کا اثر ہو سکتا ہے تو پھر ان کے اثر سے
قلوب کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں جو فطرتاً تبدیلی قبول کرنے والے ہیں۔

دوسرا مطلب:

حجرِاسود جنت کے یاقوت (بیش قیمت پتھروں) میں سے ہے

اگر حجرِ اسود صرف جنتی پتھر ہوتا تو یہی اس کے شرف وفضل کے لئے کافی تھا مگر اس کے شرف کو دوبالا کردینے والی چیز یہ ہے کہ وہ جنت کے قیمتی پتھروں میں سے ہے اور وہ فی الحقیقت جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے، اس شرف کو بیان کرنے والی حدیثیں بہت ہیں، ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

۱۔ **انس** رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**الرُّكْنُ**(141) **وَالْمَقَامُ**(142) **يَاقُوتَتَانِ مِنْ يَوَاقِيتِ الْجَنَّةِ**)(143) رکن (حجرِ اسود) اور مقام (مقامِ ابراہیم) جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔

۲۔ **عبداللہ** بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: (**إِنَّ الرُّكْنَ وَالْمَقَامَ يَاقُوتَتَانِ مِنْ يَاقُوتِ الْجَنَّةِ**(144) **طَمَسَ اللَّهُ نُورَهُمَا**(145) **وَلَوْلَمْ يَطْمِسْ نُورَهُمَا، لَأَضَاءَ تَا مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ**)(146)۔

یقیناً رکن اور مقام جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی کو بجھادیا

۱۴۱۔ (**الرُّكْنَ**) یعنی: حجرِ اسود

۱۴۲۔ (**المَقَامَ**) یعنی: مقام ابراہیم علیہ السلام۔

۱۴۳۔ اس کو حاکم نے المستدرک (۱/۶۲۷)، (ح:۱۶۷۸) میں روایت کیا ہے۔

۱۴۴۔ (**يَاقُوتَتَانِ مِنْ يَاقُوتِ الْجَنَّةِ**)۔ اس سے مراد جنس ہے، یعنی یہ دونوں جنت کے یاقوتوں میں سے ہیں۔

۱۴۵۔ (**طَمَسَ اللَّهُ نُورَهُمَا**) یعنی: ان کی روشنی کو ختم کردیا ہے، مشرکین کی طرف سے دونوں کو چھوئے جانے کی وجہ سے، اور اس کی حکمت یہ ہوسکتی ہے کہ لوگوں کا ایمان غیبی ہو عینی نہیں، دیکھئے: مرقاۃ المفاتیح (۵/۴۹۷)۔

۱۴۶۔ سنن الترمذی (۳/۲۲۶)، (ح:۸۷۸)، اور شیخ البانی نے (صحیح سنن الترمذی)، (۱/۲۵۴)، (ح:۸۷۸) میں صحیح ٹھہرایا ہے۔

ہے، اور اگر ان کی روشنی کو نہیں بجھاتا تو وہ دونوں پورے مشرق ومغرب کو روشنی میں ڈبو دیتے۔

۳۔اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**إِنَّ الرُّكْنَ وَالْمَقَامَ مِن يَاقُوتِ الْجَنَّةِ، وَلَوْلاَ مَامَسَّهُمَا مِن خَطَايَا بَنِي آدَمَ لأَضَاءَ ا مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، وَمَامَسَّهُمَا مِن ذِي عَاهَةٍ وَلاَسَقِيمٍ إِلاَّ شُفِيَ**)(147)

یقیناً رکن اور مقام جنت کے یاقوت میں سے ہیں، اور اگر ان کو لوگوں کے گناہوں نے نہ چھوا ہوتا تو وہ دونوں مشرق ومغرب کے درمیان کی ساری چیزوں کو روشن کر دیتے، اور ان کو جو بھی آفت رسیدہ بیمار شخص چھوتا اس کو شفامل جاتی۔

۴۔عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی تیسری روایت میں ہے، وہ مرفوعاً بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: (**لَوْلاَ مَامَسَّهُ مِن أَنْجَاسِ الْجَاهِلِيَّةِ، مَامَسَّهُ ذُوعَاهَةٍ إِلاَّ شُفِيَ، وَمَاعَلَى الأَرْضِ شَيْءٌ مِنَ الْجَنَّةِ غَيْرُهُ**)(148)

اگر اس کو (حجرِ اسود کو) جاہلیت کی برائیوں نے چھوا نہ ہوتا تو اس کو جو بھی بیمار چھوتا شفایاب ہو جاتا، اور اس کے علاوہ جنت کی اور کوئی چیز زمین پر نہیں ہے۔

تاریخی شہادت:

حجرِ اسود کے جنتی ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ (جب کفار قرامطہ نے مکہ مکرمہ پر غلبہ حاصل کر کے مسجد حرام اور زمزم کو لاشوں سے بھر کر حجرِ اسود کو اپنے قبضے میں لیا تو مسلمانوں سے بدلہ لینے کے

۱۴۷۔ اس کو بیہقی نے (الکبیر) میں روایت کیا ہے، (۷۵/۵)، (ح:۹۰۱۱) اور البانی نے (صحیح الترغیب والترہیب)، (۳۰/۲)، (ح:۱۱۴۷) میں کہا ہے: (حسن صحیح)۔

۱۴۸۔ اس کو بیہقی نے (الکبیر) میں روایت ہے، (۷۵/۵)، (ح:۹۰۱۲) اور البانی نے (صحیح الترغیب والترہیب)، (۳۰/۲)، (ح:۱۱۴۷) میں صحیح ٹھہرایا ہے۔

لئے اسے اپنے ملک لے گئے، وہ ان کے پاس بیس سال سے زیادہ عرصہ تک رہا، پھر جب خطیر رقم کے عوض اس کی واپسی کے لئے صلح ہوگئی تو ان لوگوں نے کہا کہ وہ ہمارے یہاں بہت سارے پتھروں میں گھل مل گیا ہے اور ہم اس کی پہچان نہیں کر سکتے، اگر آپ لوگوں کے پاس اس کی کوئی پہچان ہو تو اس کے ذریعہ اس کی شناخت کرلیں، چنانچہ اہلِ علم سے اس کی پہچان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا، آگ اس پر اثر انداز نہیں ہوسکتی ہے کیوں کہ وہ جنتی ہے، یہ بات قرامطہ کو بتائی گئی تو انہوں نے آزمائش شروع کردی، وہ جس پتھر کو بھی آگ میں ڈالتے وہ ٹوٹ جاتا، یہاں تک کہ جب حجرِ اسود کی باری آئی تو آگ اس پر بالکل اثر انداز نہیں ہوسکی، اس طرح انہوں نے اسے پہچان لیا اور مسلمانوں کو واپس کردیا۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کو لے جاتے ہوئے یہ حیرت انگیز واقعہ پیش آیا تھا کہ اس کے بھاری وزن کی وجہ سے اسے لے جانے میں کئی اونٹ کام آگئے تھے جب کہ واپسی کے وقت ایک خارش زدہ (بیمار) اونٹ اسے مکہ لے آیا اور اسے کوئی زک نہیں پہنچا تھا)(149)

اس کی روشنی کو ختم کردیئے جانے کی حکمت:

البجیرمی رحمہ اللہ نے حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کی روشنی ختم کردیے جانے کی حکمت کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے: (اللہ تعالٰی نے ان دونوں کی روشنی کو اس لئے ختم کردیا تا کہ لوگوں کا ان دونوں کے حق ہونے پر ایمان غیبی ہو، اور اگر ان کی روشنی کو ختم نہیں کرتا تو ان پر لوگوں کا ایمان مشاہدہ پر مبنی ہوتا، اور موجبِ ثواب ایمان، ایمان بالغیب ہے)(150)

نیز ان سے روشنی کو سلب کرلئے جانے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ کفار کو اور ان لوگوں کو جن کے حق میں عذاب و وعید طے ہے، جنت اور اس کی روشنی سے متمتع ہونے سے محروم رکھا جائے، کیونکہ اگر ان کی

۱۴۹۔ مرقاۃ المفاتیح (۴۹۸/۵).

۱۵۰۔ حاشیہ البجیرمی علی شرح منہج الطلاب (۱۶۳/۲).

روشنی کو باقی رکھا جاتا تو اس سے دنیا کے تمام نیک و بد متمتع ہوتے جبکہ جنت کی روشنی کفار و فجار پر حرام ہے۔

جہاں تک مومنین کا سوال ہے تو اس بنا پر کہ انہوں نے ان دونوں کے بارے میں نبی ﷺ کی اس خبر کی تصدیق کی کہ یہ دونوں جنت کے پتھر ہیں، ان سے اس تصدیق اور ایمان کے بدلے دنیا میں صرف ایک یا دو جنتی پتھر سے متمتع ہونے کا وعدہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان سے اس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کو محیط ہے، جس کی نعمتوں سے وہ ہمیشہ متمتع اور لطف اندوز ہوں گے۔

تیسرا مطلب

حجراسود زمین پر الله تعالیٰ کا داهنا هاتھ هے

حجرِ اسود کے فضائل میں سے ایک ہ ہے وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا(151): "**إِنَّ هَـٰذَا الـرُّكْـنَ يَـمِـيـنُ الـلّٰـهِ فِـي الْأَرْضِ** (152)**يُصَافِحُ بِهَا عِبَادَهُ**(153)**مُصَافَحَةَ الرَّجُلِ أَخَاهُ**"(154).

یقیناً یہ رکن (حجرِ اسود) زمین پر اللہ کا داہنا ہاتھ ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے مصافحہ کرتا ہے، جس طرح ایک آدمی اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے۔

حدیث کے مفهوم کے سلسلے میں اهل علم کے اقوال:

۱۔**خطابی** رحمہ اللہ کا قول ہے: (اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص زمین پر اس سے (حجرِ اسود سے) مصافحہ کرے گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک عہد ہوگا، جس طرح کا عہد سلاطین مصافحہ کر کے ان لوگوں کو دیتے ہیں جن کو وہ اپنی ولایت اور خلعت سے نوازنا چاہتے ہیں، اور جس طرح بیعت کے لئے بادشاہوں کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھا جاتا ہے، اسی قبیل سے خدام کا اپنے سادات اور اعاظم کے ہاتھوں کو چومنا

۱۵۱. **تحقیق:** یہ حدیث مرفوعاً ضعیف ہے، جبکہ موقوفاً صحیح ہے، اور چونکہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے لہٰذا اس کو مرفوع کا حکم حاصل ہے، اس لئے کہ اس میں رائی و اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔

۱۵۲.اس حدیث کو احادیثِ **صفات** میں شمار کرنے کی غلطی نہ کیا جائے، بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس **قول** کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ نے مجموع الفتاوی: (۳۹۷/۶ـ۳۹۸) میں جو تبصرہ کیا ہے، اسے **خوب غور** سے پڑھ لیا جائے ،اس کا ذکر ابھی آرہا ہے۔

۱۵۳. **(يَـمِـيْـنُ الـلّٰـهِ فِـي الْأَرْضِ ، يُصَافِحُ بِهَا عِبَادَه)**: ابن حجر الہیتمی رحمہ اللہ نے (الزواجر)، (۳۹۹/۱) میں فرمایا ہے: (یعنی: اللہ کی طرف سے دیا جانے والا خیر و برکت ہے جن کو اللہ تعالیٰ اس کے چھونے والوں پر نازل کرتا ہے)۔

۱۵۴. اس کو الأزرقی نے (أخبار مکۃ)، (۳۲۳/۱) میں، اور الفاکھی نے (أخبار مکۃ)، (۸۹/۱)(ح: ۲۰) میں روایت کیا ہے، اور ابن حجر نے (المطالب العالیۃ)، (۳۳۲/۶) میں کہا ہے: (یہ موقوفاً صحیح ہے)۔

ہے،حدیث کے اندر اسی طرح کی مثال اور تشبیہ پیش کی گئی ہے)(155).

۲۔امام **محب الطبری** رحمہ اللہ کا بیان ہے :(اس کا معنی یہ ہے کہ : جب کسی بادشاہ کے پاس کوئی زائر آتا ہے تو اس کے داہنے ہاتھ کو چومتا ہے، چنانچہ ایک حاجی جب خانہ کعبہ میں قدم رکھتا ہے تو اس کے حق میں حجرِ اسود کو چومنا مسنون کردیا گیا ہے، گویا حجرِ اسود کو چومنا بادشاہ کے داہنے ہاتھ کو چومنے کی طرح ہے، **وَ لِلّٰهِ الْمَثَل الأَعْلَى**)(156).

۳۔**ابن تیمیہ** رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: (جو شخص منقول لفظ میں غور کرے گا اس پر عیاں ہو جائے گا کہ اس کے اندر کوئی اشکال نہیں ہے، اشکال اس کے لئے ہے جو اس میں غور نہ کرے، ابن عباس نے کہا: (**يَمِينُ اللّٰهِ فِي الأَرْضِ**)انہوں نے (**يمين**) کو(**في الأرض**) کے ساتھ مقید کیا ہے، مطلق یمین اللہ نہیں کہا ہے، اور مقید لفظ کا حکم مطلق کے حکم سے مختلف ہوتا ہے...... اور یہ بھی معلوم ہے کہ مشبہ مشبہ بہ نہیں ہوتا، اس طرح یہ بالکل صاف ہے کہ مصافحہ کرنے والا اصل میں اللہ کے داہنے ہاتھ سے مصافحہ نہیں کرتا بلکہ اس کو اللہ سے مصافحہ کرنے والے کے مشابہ قرار دیا گیا ہے، پس حدیث کی ابتدا و انتہا یہ ظاہر کررہی ہے کہ حجرِ اسود اللہ کی **صفات** میں سے نہیں ہے جیسا کہ ہر عقل مند آدمی کو معلوم ہے، ہاں اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح لوگوں کے لئے ایک گھر بنایا ہے تاکہ وہ اس کا طواف کریں، اسی طرح ان کے لئے ایک شیئ مقرر کردیا ہے تاکہ وہ اس کا استلام کریں، اور یہ ان کے لئے عظیم شخصیات کے ہاتھوں کو بوسہ دینے کی منزلت میں ہو، اور عادت جاریہ کے مطابق اس میں خود بوسہ دینے والے کی عزت افزائی اور تکریم ہے)(157).

---

۱۵۵. معالم السنن ،الخطابي (۱/۴۴۶)، اور دیکھئے :بغوی کی شرح السنۃ (۷/۱۱۴).

۱۵۶. اس کو ابن حجر نے (فتح الباری)، (۲/۲۵۵) میں ذکر کیا ہے.

۱۵۷. مجموع الفتاوی (۲/۳۹۷-۹۳۹۸).

خلاصہ

حجر اسود (زمین پر اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے، جبکہ اللہ - جل وعلا - آسمان میں ہے، تو اس سے کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آنا چاہئے کہ یہ اس کا وہی داہنا ہاتھ ہے جو کتاب وسنت کے نصوص سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ تو اس کی عظمت وجلال کے مطابق ثابت ہے مگر یہاں تقریب وتشبیہ کے باب سے ہے، اور یہ معلوم ہے کہ مشبہ کا ہر طرح سے مشبہ بہ کے مطابق ہونا لازم نہیں ہے، رؤیت باری - جل وعلا - کے متعلق صحیح حدیث میں آیا ہے کہ: ''تم اللہ تعالیٰ کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو، کہ اسے دیکھنے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا ہے'' (158) یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی رؤیت کو چاند کی رؤیت سے تشبیہ دینے میں ہر طرح کی مشابہت مقصود نہیں ہے بلکہ وضوح اور ظہور میں ہے کیوں کہ مشبہ اور ہے اور مشبہ بہ اور) (159).

---

۱۵۸. البخاری (۱/۲۰۹)، (ح: ۵۵۴)، بحوالہ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبی ﷺ کے پاس تھے کہ آپ نے چودھویں کے چاند کو دیکھا اور فرمایا: '' **أَمَا إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ، كَمَا تَرَوْنَ هَذَا، لَا تُضَامُّونَ، أَوْ لَا تُضَاهُونَ فِي رُؤْيَتِهِ ...** ''

کہ یقیناً تم لوگ اپنے رب کو دیکھو گے، جس طرح تم اس کو (چاند کو) دیکھ رہے ہو، کہ اسے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے.....

۱۵۹. شرح بلوغ المرام، (کتاب الحج)، د عبدالکریم الخضیر [مکتبہ شاملہ]، (۱/۱۵۹).

چوتھا مطلب

حجر اسود کو چھونا گناھوں کے لئے کفارہ ھے

حجرِ اسود کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ اس کو چھونا اور بوسہ دینا گناہوں کے لئے کفارہ ہے، بلکہ اس سے گناہ پوری طرح جھڑ جاتے ہیں، البتہ گناہوں سے مراد صغائر ہیں، جہاں تک کبائر کی بات ہے تو ان کی معافی کے لئے توبہ خاص ضروری ہے، اور اس سلسلے میں کئی احادیث وارد ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔عبداللہ بن عبید بن عمیر کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد کو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ کہتے ہوئے سنا: کیا وجہ ہے کہ میں آپ کو صرف انہیں دونوں ارکان، حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کو چھوتے ہوئے دیکھتا ہوں؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر میں ایسا کرتا ہوں تو اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "**إِنَّ اسْتِلاَمَهُمَا يَحُطُّ الْخَطَايَا** (160)"(161)**یعنی**: کہ ان دونوں کا چھونا گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے۔

۲۔اور ایک روایت میں ہے: (**إِنَّ مَسْحَهُمَا يَحُطَّانِ** (162)**الْخَطِيئَةَ**)(163)، ان دونوں کا چھونا گناہوں کو گرا دیتا ہے۔

۳۔عبداللہ بن عبید بن عمیر اپنے والد کے حوالے سے روایت کرتے ہیں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں ارکان (حجرِ اسود اور رکنِ یمانی) کے پاس شدید مزاحمت کرتے تھے جیسا میں نے کسی بھی صحابی

---

۱۶۰. (**الخَطَايَا**): خطایا سے مراد صغائر ہیں، جیسا کہ نظائر کے قیاس کا تقاضہ ہے، اور اس سے حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کو چھونے کا استحباب ثابت ہوتا ہے، دیکھئے فیض القدیر (۵۲۱/۲)۔

۱۶۱. مسند احمد (۳/۲)، (ح:۴۴۶۲)، اور البانی نے (صحیح الترغیب والترہیب)، (۲۶/۲)، (ح:۱۱۳۹) میں (صحیح لغیرہ) کہا ہے۔

۱۶۲. (**يَحُطَّانِ**): یعنی: گناہوں کو زائل کر دیتے ہیں، یا ساقط کر دیتے ہیں اور کم کر دیتے ہیں، دیکھئے: فیض القدیر (۹۵/۲)۔

۱۶۳. النسائی (۲۲۱/۵)، (ح:۲۹۱۹)، اور البانی نے (صحیح سنن النسائی)، (۳۱۹/۲)، (ح:۲۹۱۹) میں صحیح ٹھہرایا ہے۔

رسول ﷺ کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا، میں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! آپ دونوں ارکان کے پاس اس طرح مزاحمت کرتے ہیں جس طرح میں نے اور کسی صحابی رسول ﷺ کو یہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا؟ انہوں نے جواباً عرض کیا: اگر میں ایسا کرتا ہوں تو اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''**إِنَّ مَسْحَهُمَا كَفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا**'' (164)۔ کہ ان دونوں کو چھونا گناہوں کے لئے کفارہ ہے۔

۴۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''**إِنَّ مَسْحَ الرُّكْنِ الْيَمَانِي وَالرُّكْنِ الْأَسْوَدِ يَحُطُّ الْخَطَايَا حَطًّا**(165) ''(166)، یقیناً رکن یمانی اور رکن حجر اسود کا چھونا گناہوں کو پوری طرح گرادیتا ہے۔

---

١٦٤. الترمذي (١٠٢/٣)، (ح:٩٥٩)، اور البانی نے (صحيح سنن الترمذي)، (٢٩١/١)، (ح:٩٥٩) میں صحیح ٹھہرایا ہے۔

١٦٥. (**حطًّا**) مصدر کے ذریعہ موکد بنانے کا مقصد اس کے متحقق ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے، دیکھئے: فيض القدير (٩٥/٢)۔

١٦٦. مسند احمد (٨٩/٢)، (ح:٥٦٢١)، اور البانی نے (صحيح الترغيب والترهيب)، (٢٧/٢)، (ح:١١٣٩) میں صحیح ٹھہرایا ہے۔

پانچواں مطلب

حق کے ساتھ چھونے والے کے لئے حجرِ اسود کی شہادت

حجرِ اسود کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے روز اٹھائے گا تو اس کے پاس دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھ رہا ہوگا، اور زبان ہوگی جس سے وہ بول رہا ہوگا، اور دنیا میں جس نے اس کو حق کے ساتھ چھوا ہوگا اس کے حق میں وہ گواہی دے گا، ان امور پر دلالت کرنے والی احادیث میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**إِنَّ لِهَذَا الْحَجَرِ لِسَاناً وَشَفَتَينِ يَشْهَدُ لِمَنِ اسْتَلَمَهُ يَومَ الْقِيَامَةِ بِحَقٍّ**(167) '' (168).

یعنی: یقیناً اس پتھر کے پاس ایک زبان ہوگی اور دو ہونٹ ہوں گے، وہ قیامت کے دن حق کے ساتھ اپنے چھونے والے کے حق میں گواہی دیگا۔

۲۔ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**لَيَأْتِيَنَّ**(169)**هَذَا الْحَجَرُ يَومَ الْقِيَامَةِ وَلَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا، وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهِ، يَشْهَدُ عَلَى**(170)**مَنْ يَسْتَلِمُهُ بِحَقٍّ**)(171).

یعنی: یہ پتھر قیامت کے دن آئے گا، اس کے پاس دو آنکھیں ہوں گی جس سے وہ دیکھ رہا ہوگا،

---

۱۶۷. **استلام بحق**: حق کے ساتھ چھونے کا مطلب، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نبی ﷺ کی سنت کی اتباع کے جذبے کے ساتھ چھونا ہے، خود پتھر کی تعظیم کے جذبے سے نہیں، دیکھئے: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح (۹/۲۲۹-۲۳۰).

۱۶۸. مسند احمد (۱/۲۶۶)، (ح:۲۳۹۸) اور شیخ البانی نے (صحیح الجامع)، (۱/۴۳۶)، (ح:۲۱۸۴) میں صحیح قرار دیا ہے.

۱۶۹. (**لَيَأْتِيَنَّ**): اتیان: سہولت کے ساتھ آنے کو کہتے ہیں۔ دیکھئے: فیض القدیر (۵/۳۳۵)

۱۷۰. (**يَشْهَدُ عَلَى**) یہاں پر (عَلَى) بمعنی (اللام) ہے، یا رقیب اور حفیظ کے پوشیدہ معنی کے اعتبار سے ہے.

۱۷۱. **اور اس پر گواہی دینے کا مطلب**: اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اس نے اپنے اوپر عائد اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کیا ہے، یہاں (علی) ضرر کے لئے نہیں ہے، یہ السندی کی توجیہ ہے، دیکھئے: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح (۹/۲۲۶-۲۳۰).

ایک زبان ہوگی جس سے وہ بول رہا ہوگا، اور وہ حق کے ساتھ اپنے چھونے والے کے حق میں گواہی دے گا۔

۳۔ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا: ''

وَاللّٰهِ لَيَبْعَثَنَّهُ (172) **اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَهُ عَيْنَانِ يَبْصُرُ بِهِمَا** (173) **وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهِ، يَشْهَدُ عَلَى مَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ**(174)۔

اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے روز اس حال میں اٹھائے گا کہ اس کے پاس دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھ رہا ہوگا اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ بول رہا ہوگا، اور وہ اس شخص کے حق میں گواہی دے گا جس نے اس کو حق کے ساتھ چھوا ہوگا۔

۴۔عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **(يَأْتِي الرُّكْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْظَمَ مِنْ أَبِي قُبَيْسٍ** (175)**لَهُ لِسَانٌ وَشَفَتَانِ**)(176)۔

۱۷۲۔ **(لَيَبْعَثَنَّهُ)** یعنی: لَيُظْهِرَنَّهُ (اس کو ضرور ظاہر کرے گا، اٹھائے گا)، اور البعث: مردوں کو زندہ کرنا ہے، اور چونکہ حجر اسود بھی مردوں میں شامل ہے اس لئے نبی ﷺ کو یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو زندہ کرنے والا ہے، جس کے بعد وہ بولنے کے قابل ہوجائے گا، اور اس کو ایک آلہ سے نوازے گا جس کے ذریعہ وہ مشہود لہ اور غیر مشہود لہ کے درمیان امتیاز کرے گا اور اس کو ایک اور آلہ دے گا جس کے ذریعہ وہ گواہی دے گا۔ اور اس کے حال کو نا پید ہوجانے والے مردوں کے حال سے تشبیہ دیا ہے جن کو پھر سے زندہ کیا جائے گا کیوں کہ یہ دونوں اس میں برابر ہیں کہ پہلے ان کی زندگیاں معدوم ہوجائیں گی پھر دوبارہ ان کو زندگی حاصل ہوگی۔

دیکھئے: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، (۲۲۹/۹)، تحفۃ الاحوذی، (۳۱/۴)۔

۱۷۳۔ **(لَهُ عَيْنَانِ يَبْصُرُ بِهِمَا)**: اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا: یعنی وہ استلام کرنے والے کو پہچان لے گا، دیکھئے: **تحفة الاحوذی**، (۳۱/۴)۔

۱۷۴۔ سنن الترمذی (۲۹/۳)، (ح:۹۶۱) اور ترمذی نے حسن قرار دیا ہے، شیخ البانی نے (صحیح سنن الترمذی)، (۴۹۳/۱)، (ح:۹۶۱) میں صحیح قرار دیا ہے۔

۱۷۵۔ (ابو قبیس): مکہ میں ایک پہاڑ ہے، صفا کی جانب سے مسجد حرام سے بلند ہے، وہ قبیلہ مذحج کے ایک شخص کی طرف منسوب ہے جس کی کنیت ابو قبیس تھی، جس نے سب سے پہلے اس میں گھر بنایا تھا، پہلے اس پہاڑ کا نام الامین تھا، کیوں کہ رکن (حجر اسود) اسی میں رکھا ہوا تھا، دیکھئے: **العباب الزاخر**، (۱۶۲/۱)۔

۱۷۶۔ مسند احمد (۲۱۱/۲) (حدیث: ۶۹۷۸)، **وصحیح ابن خزیمہ** (۲۲۱/۴)۔

قیامت کے روز رکن اسود اس حال میں آئے گا کہ وہ جبل ابی قبیس سے بڑا ہوگا، اس کے پاس ایک زبان ہوگی اور دو ہونٹ ہوں گے۔

مذکورہ بالا حدیثیں اپنے ظاہری مفہوم پر محمول کی جائیں گی:

اس قسم کی احادیث کو۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ ان کے ظاہری معنی پر ہی محمول کیا جائے گا (اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جمادات میں بھی بصارت ونطق پیدا کر دینے پر قادر ہے، اور درحقیقت اجسام باہم متشابہ ہوتے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک اعراض کو قبول کرتا ہے۔

ان احادیث کی تاویل وہ لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں فلسفہ کی گمراہی بسی ہوئی ہے۔ اور اللہ ہی بچانے والا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ان احادیث کے اندر کنایۃ یہ کہا گیا ہے کہ استلام کرنے والوں کا ثواب محقق ہوگا، اور ان کی کوششیں رائیگاں نہیں ہوں گی، اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ بیضاوی نے کہا ہے: گمانِ غالب یہ ہے کہ یہی بات مراد ہو، اگر چہ ان کو ان کے ظاہر پر محمول کرنے میں بھی کوئی دقت نہیں ہے، لیکن یہ عجیب اس لئے نہیں ہے کہ انہیں تفسیر قرآن اور شرح احادیث میں فلسفہ بگھارنے کی عادت ہے، اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے)(177)۔

۱۷۷۔ تحفۃ الاحوذی، مبارکپوری (۳۱/۴)، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح (۲۲۹/۹-۲۳۰)

چھٹا مطلب

خانۂ کعبہ اور حجرِ اسود سے فائدہ اٹھانا اور ان کو غنیمت سمجھنا

خانہ کعبہ اور حجرِ اسود کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ان دونوں سے، قبل اس کے کہ انہیں اٹھالیا جائے، خوب خوب فائدہ اٹھانے کی ترغیب فرمائی ہے، خانہ کعبہ کے گرد زیادہ سے زیادہ طواف کر کے اور حجرِ اسود کو چھو کر، بوسہ لے کر اور اس سے چمٹ کر نیز حجرِ اسود کے فضائل میں سے یہ ہے کہ نبی ﷺ اس کا بڑا اہتمام کیا کرتے تھے، اس کے ساتھ لطف واحسان کے ساتھ پیش آتے اور امت کو بھی اس کی رغبت دلاتے تھے، اس سلسلے میں متعدد حدیثیں وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

۱۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **"اسْتَمْتِعُوا مِنْ هَذَا الْبَيْتِ(178)، فَإِنَّهُ قَدْ هُدِمَ مَرَّتَيْنِ (179)، وَيُرْفَعُ فِي الثَّالِثَةِ(180)"**(181)۔

اس گھر سے خوب خوب فائدہ اٹھاؤ، اس لئے کہ یہ دوبار منہدم کیا جا چکا ہے اور تیسری بار کے بعد اسے اٹھالیا جائے گا۔

فائدہ اٹھانے سے مراد: بکثرت طواف کرنا، حج کرنا، عمرہ کرنا، اعتکاف کرنا اور اس کی طرف ہمیشہ نظریں اٹھائے رکھنا ہے(182)، یہ حدیث اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ حج وعمرہ کے علاوہ بھی اس

۱۷۸۔ **استمتعوا من هذا البيت**: (من) یہاں پر باء کے معنی ہے، یعنی **بهذا البيت** کے معنی میں ہے جیسا کہ دیگر صحیح روایات میں آیا ہے۔

۱۷۹۔ **(هُدِمَ مَرَّتَيْنِ)**: کشاف (۱/۴۱۴) میں ذکر ہے: (اس کو سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا، پھر عرب کے قبیلے جُرہم نے تعمیر کیا، پھر اس کو منہدم کر دیا گیا تو عمالقہ نے بنایا، پھر منہدم کیا گیا تو قریش نے بنایا)۔

۱۸۰۔ **(يُرْفَعُ فِي الثَّالِثَةِ)**: یعنی: تیسری بار کے بعد اسے اٹھالیا جائے گا۔ اور ایسا ذوالسویقتین کی طرف سے اسے منہدم کر دیئے جانے کے بعد ہوگا۔ یہ تاویل اس لئے کی گئی ہے کیوں کہ منہدم کو اٹھانا محال ہے اس لئے کہ جب کعبہ کو منہدم کر دیا جائے گا تو اس پر کعبہ کا اطلاق نہیں ہو سکے گا، دیکھئے: صحیح ابن خزیمہ، (۴/۱۲۸)، التیسیر بشرح الجامع الصغیر (۱/۱۵۰)۔

۱۸۱۔ صحیح ابن خزیمہ، (۴/۱۲۸)، (ح: ۲۵۰۶)، اور البانی نے (صحیح الجامع)، (۱/۲۲۵)، (ح: ۹۵۵) میں صحیح قرار دیا ہے۔

۱۸۲۔ دیکھئے: فیض القدیر، (۱/۵۰۰)۔

کاطواف کرنا مستحب ہے(183)،اور یہ کہ مسلمان نیک اعمال سے فائدہ اٹھاتا رہتا ہے.

نبی ﷺ کی طرف سے حجر اسود کا خوب اہتمام کئے جانے اور کثرت کے ساتھ اس کو چھونے کی ترغیب:

۲۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:(حجر اسود کو جبریل علیہ السلام جنت سے لائے اور اس کو وہاں رکھا جہاں تم اسے دیکھ رہے ہو، اور تم اس وقت تک خیر کے ساتھ رہو گے جب تک وہ تمہارے بیچ ہے، چنانچہ تم لوگ اس سے جتنا زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہو اٹھا لو، ہوسکتا ہے کہ جبریل علیہ السلام دوبارہ آئیں اور اسے وہاں لے جائیں جہاں سے وہ آیا تھا)(184).

اور چونکہ یہ عبداللہ بن عمر و رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے لہٰذا اس کا حکم مرفوع حدیث کا حکم ہے کیوں کہ اس میں رائے و اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے،اور حجر اسود سے استمتاع کرنے کا مطلب ہوگا،اس کو بوسہ دینا،حق کے ساتھ اس کو چھونا،اس سے مصافحہ کرنا اور اس پر ہاتھ رکھنا،نیز حجر اسود سے استمتاع کرنے والا خانہ کعبہ سے استمتاع کرنے والا ہوگا کیونکہ وہ اس کا دل اور اس کا جز و لاینفک ہے.

۳سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ''**رَأَیْتُ عُمَرَ قَبَّلَ الْحَجَرَ، وَالْتَزَمَهُ، وَقَالَ: رَأَیْتُ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ بِکَ**(185)**حَفِیًّا**(186) "(187).

---

۱۸۳. احیاء علوم الدین للغزالی (۲۴۰/۱).

۱۸۴.اس کو الازرقی نے (اخبار مکہ)،(۶۳/۱-۶۴)،رقم (۳۲۵) میں،اور الفاکہی نے (اخبار مکہ)،(۱۹/۱)(رقم ۲۵) میں روایت کیا ہے،اور لفظ حدیث الفاکہی کا ہے،اور سند حسن ہے،دیکھئے: فضائل مکۃ الواردۃ فی السنۃ،جمعاً ودراسۃ،د. محمد الغبان (۷۱۵/۲)،رقم (۳۸۴).

۱۸۵. **(بِکَ)**: مخاطب حجر اسود ہے،لیکن مقصد حاضرین کو سنانا ہے تا کہ وہ یہ جان لیں کہ اصل مقصد اتباع ہے نہ کہ حجر اسود کی تعظیم ہے جیسا کہ بت پرست کیا کرتے تھے،گویا مطلوب و مقصود رب کے حکم کی تعظیم اور نبی ﷺ کی اتباع ہے،دیکھئے: حاشیہ السندی علی سنن النسائی،(۲۲۷/۵).

۱۸۶. **(حَفِیًّا)** یعنی اس کا اہتمام کرنے والے،اس کے ساتھ اچھا اور عمدہ سلوک و عمل کرنے والے اور اس کے اکرام واحترام اور دیکھ بھال میں مبالغہ کرنے والے تھے،دیکھئے: مختار الصحاح،(ص ۱۴۵) ؛ صحیح مسلم بشرح النووی،(۱۷/۹).

۱۸۷. صحیح مسلم (۹۲۶/۲)،(ح:۱۲۷۱).

میں نے **عمر** بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حجرِ اسود کا بوسہ لیا، اس سے چمٹے اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بہت زیادہ اہتمام و تعظیم کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

بغوی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (اسی کے اوپر اہل علم کا عمل ہے، وہ حجرِ اسود کے چومنے کو مستحب قرار دیتے ہیں، اگر اس کو چومنا ممکن نہ ہو تو ہاتھ سے چھوئے اور پھر اس کو چوم لے، ہر چکر میں ایسا کرے، اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ہر طاق چکر میں، اگر اس تک ہاتھ نہ پہنچے تو اس کے سامنے پہنچ کر اس کے روبرو کھڑے ہو کر تکبیر کہے، یہی امام شافعی کا قول ہے۔

ابو سلمان الخطابی نے عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے: (اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنن کی متابعت واجب ہے، اگرچہ ان کے پس پردہ پائے جانے والے عللِ معلومہ واسبابِ معقولہ تک رسائی ممکن نہ ہو، مزید یہ کہ وہ جس تک پہنچ جائیں اس پر وہ اسی شکل میں حجت ہوں گی خواہ ان کے معانی و مفاہیم سمجھ میں نہ آئیں، البتہ حجرِ اسود کے سلسلے میں اس قدر معلوم ہے کہ اس کو بوسہ دینے کے پس پردہ مقصد اس کا اکرام، اس کے حق کا اعتراف اور اس سے تبرک حاصل کرنا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض پتھروں کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے جس طرح سے کہ بعض مقامات وبلاد کو بعض پر فضیلت بخشی ہے، اور جس طرح سے کہ بعض دنوں، راتوں اور مہینوں کو بعض پر فضیلت دی ہے، اس قسم کی باتیں تسلیم و رضا کے باب سے ہوتی ہیں)(188)۔

۴۔**عابس** بن ربیعہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ وہ حجر اسود کے پاس آئے اور اس کو بوسہ دیا اور فرمایا: **(إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ)**(189)

---

۱۸۸. شرح السنۃ، (۷/۱۱۳)۔

۱۸۹. صحیح البخاری، (۲/۵۷۹)، (ح ۱۵۲۰)۔

میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع پہنچا سکتا ہے، اور اگر میں نے نبی ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے بوسہ نہ دیتا۔

ابن الجوزی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (اس حدیث میں کئی طرح کا علم موجود ہے، پہلا یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ کو چونکہ پتھر سے جاہلیت کے لوگوں کا شغف معلوم تھا اس لئے انہوں نے حجرِ اسود کو چھونے کے بعد معذرت خواہانہ انداز میں یہ بات کہی ہے اور یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر شارع کا حکم نہ ہوتا تو اس قسم کا کوئی کام نہ کرتا جس کو ہم پہلے کیا کرتے تھے، دوسرا یہ کہ سنتوں کی اتباع کی جائے گی اگر چہ ان کے معانی سے آگاہی نہ ہو، حالانکہ حجرِ اسود کی تعظیم کا سبب معلوم ہے)(190)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بوسہ دینے سے حجرِ اسود کے فضل و شرف میں اضافہ:

حجرِ اسود کے فضل وشرف کو دوبالا کر دینے والی بات۔ اس کے فضائل میں بیان کی جانے والی سابق چیزوں کے علاوہ۔ نبی ﷺ کا اسے بوسہ دینا ہے (اور مسلمانوں کی طرف سے حجرِ اسود کو بوسہ دیئے جانے اور اسے چھوئے جانے میں یہ باریک نقطہ پایا جاتا ہے کہ ان کے منہ اس جگہ کو پاسکیں جہاں پر رسول اللہ ﷺ کا اور ان سے پہلے کے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا دہانِ مبارک پڑا ہے، نیز مسلمانوں کے ہاتھ اس محترم پتھر کو چھوئیں جس کو انبیاء کرام کے مبارک ہاتھوں نے چھوا ہے، جس مسلمان کے دل پر اس نقطے کا راز کھل جائے گا وہ اس کو بوسہ دینے اور چھونے سے پیچھے نہیں رہے گا)(191)۔

اہلِ علم نے بھی حجرِ اسود کے اس شرفِ عظیم پر خامہ فرسائی کیا ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

ا۔ **امام ذہبی** رحمہ اللہ نے کہا ہے: (جنت سے نازل ہونے والے محترم ومکرم پتھر کو بوسہ دو، اور اپنے منہ کو اس جگہ پر ٹکا کر رکھو جس کو سید البشر ﷺ نے یقیناً بوسہ دیا ہے، اللہ اس کو تمہارے لئے مبارک بنائے جس

۱۹۰۔ کشف المشکل من حدیث الصحیحین، (۱/۹۶)۔

۱۹۱۔ التاریخ القویم لمکۃ وبیت اللہ الکریم محمد طاہر الکردی، (۳/۲۹۹)۔

سے تمہیں نوازا ہے، اس سے بڑھ کر کوئی اور وجہ افتخار نہیں ہو سکتی)(192).

۲۔ اور **ابن جماعہ** رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اگر کوئی آدمی اس جگہ کو چومنا چاہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے یقیناً چوما ہے، تو اگر ممکن ہو تو اسے پورے حجرِ اسود کو چومنا چاہئے، اور میں نے اللہ کے فضل سے کئی بار اس کو مکمل طور سے چوما ہے)(193).

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

دین کے بعض دشمنوں اور مسلمانوں کے بعض بدخواہوں نے یہ ایک نہایت خطرناک شوشا چھوڑا ہے کہ مسلمانوں کا کعبہ مشرفہ کی تعظیم کرنا، اس کے گرد طواف کرنا اور حجرِ اسود کو چھونا اور اس کو چومنا دراصل بت پرستی کے مظاہر اور اپنے آباء کے دین سے چمٹے رہنے کی دلیل ہے۔

اس کا ازالہ:

مسلمانوں کے دلوں میں جاگزیں ایمان ہی ان کا اپنے رب کے احکام کی بجا آوری کا حقیقی راز ہے، ان کا اس بات پر مکمل ایمان ہے کہ بذات خود مقامات اور زمانہ کی کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ ان کے اندر بذات خود کوئی بزرگی ہے، بلکہ ان کے شرف و فضل کے سوتے خارجی اسباب کے چشموں سے پھوٹتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ وہ بعض مقامات کو بعض سے افضل قرار دے، اور بعض اوقات و ازمان کو بعض پر فضیلت بخشے، تا کہ وہ مومنین موحدین کو آزما سکے، ان کی پہچان اور دوسروں سے ان کی شناخت کر سکے، چنانچہ اس نے ان کو بہت سے احکام کا پابند بنایا، اور مخصوص اماکن اور ازمان سے متعلق ان کو کئی احکام دیئے، مسلمانوں کا ان شرعی احکام پر عمل کرنا اور ان کو اپنی زندگی میں نافذ کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجاوری ہے، مسلمان فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی عبادت و رضا کے طلب گار ہوتے ہیں، کسی پتھر یا گھر یا وقت و زمانہ کے نہیں، یہی بات من وعن کعبہ کے گرد طواف اور حجرِ اسود کو چومنے پر منطبق ہوتی ہے یہ اللہ

۱۹۲. سیر اعلام النبلاء (۴۲/۴).

۱۹۳. ہدایۃ السالک إلی مذاہب الأربعۃ فی المناسک، عبد العزیز بن بدر الدین ابن جماعۃ (۸۲۱/۲).

تعالیٰ کے حکم کی پیروی اوراس کے نفاذ کی اعلیٰ مثال ہے، جس اللہ نے مسلمانوں کو صرف اپنی عبادت کرنے کا حکم فرمایا ہے، بتوں، مورتیوں اور پتھروں کی پرستش کرنے سے منع فرمایا ہے، ان کا تقرب حاصل کرنے اوران سے نفع ونقصان کا عقیدہ استوار کرنے سے روکا ہے، خود اسی نے کعبہ وحجر اسود کے اوصاف اوران کے مقام ومرتبہ سے قطع نظران کو کعبہ کی تعظیم کرنے کا - جو کہ پتھروں سے بنا ہے -، اور حجر اسود کی تعظیم کا - جو کہ ایک پتھر ہے- فرمان جاری کیا، تا کہ وہ یہ دیکھے کہ اس کے اس حکم کے تعلق سے مومنین موحدین کیا موقف اختیار کرتے ہیں، اور تمام لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ تعظیم حکم الٰہی کی ہو رہی ہے اور ارادۂ الٰہیہ کا نفاذ ہو رہا ہے، کسی پتھر یا کسی اور شئی کی کوئی تعظیم نہیں ہے، اور یہ عمل عاجزی وخود سپردگی کی تابندہ مثال ہے جو کہ دین کا جوہر اوراس کا لب لباب ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی اس طرح تعمیل کر کے مسلمان ملائکہ کرام علیہم السلام کے مشابہ ہو جاتے ہیں کہ انہیں ان کے رب جل وعلا نے جب آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو وہ سمجھ گئے کہ سجدہ کرنا ان کی عبادت کے لئے یا ان کا تقرب حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اصل میں حکم الٰہی کی بجا آوری، مشیئت الٰہی کے سامنے خود سپردگی، اور صرف اور صرف اللہ کی عبادت ہے، چنانچہ اس کی وجہ سے سبھوں کو نجات مل گئی۔

جبکہ ابلیس لعین نے اپنے ناقص فہم کی وجہ سے ملائکہ کی مخالفت کی، جس کی اصل وجہ اس کا غرور وتکبر تھا جس کا نتیجہ اس کی ہلاکت وبربادی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی کی شکل میں ظاہر ہوا، اوراب لوگوں کے سامنے دو ہی راستے ہیں تیسرا نہیں ہے، یا تو وہ ملائکہ علیہم السلام کی جماعت کے ساتھ رہیں، یا پھر شیطان کی جماعت سے جا ملیں۔

چوتھا مبحث

رکن یمانی کے فضائل

اس میں دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب: رکنِ یمانی ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر قائم ہے۔

دوسرا مطلب: رکن یمانی کو چھونا گناہوں کے کفارے کا باعث ہے۔

پہلا مطلب

رکنِ یمانی ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر قائم ہے

رکنِ یمانی کعبہ مشرفہ کا جنوبی رکن ہے، اور وہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی بنیاد پر قائم ہے، لہٰذا نبی ﷺ اس کا خاص اہتمام فرماتے اور حجرِ اسود کے استلام کی طرح اس کا استلام واہتمام کر کے اس کی عزت افزائی فرماتے، اس سلسلے میں کئی حدیثیں وارد ہوئی ہیں جن میں بعض یہ ہیں:

۱۔**عبداللہ بن عمر** رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''**أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، كَانَ لَا يَسْتَلِمُ إِلَّا الْحَجَرَ وَالرُّكْنَ الْيَمَانِي**''(194)۔

رسول اللہ ﷺ حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے سوا کعبہ کے اور کسی حصے کو نہیں چھوتے تھے۔

۲۔**عبداللہ بن عمر** رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، انہوں نے کہا ہے: (**لَمْ أَرَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَمْسَحُ مِنَ الْبَيْتِ، إِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ**(195) ''(196)۔

۱۹۴۔ صحیح مسلم (۹۲۴/۲)، (حدیث: ۱۲٦۷)۔

۱۹۵۔ دونوں یمنی ارکان سے مراد: رکن یمانی اور رکنِ حجرِ اسود ہے، اور تغلیباً دونوں کو یمانی کہا گیا ہے، جس طرح سے کہ اب اور ام کو ابوان کہا جاتا ہے، (یمانیان) میں یاء کی تخفیف ہی مشہور و فصیح لغت ہے، دیکھئے صحیح مسلم بشرح النووی، (۱۴/۹)۔

۱۹٦۔ صحیح مسلم (۹۲۴/۲)، (ح: ۱۲٦۷)۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو دونوں یمنی ارکان (حجرِ اسود، رکنِ یمانی) کے علاوہ خانہ کعبہ کے کسی اور حصے کو چھوتے ہوئے نہیں دیکھا۔

۳۔ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: (**مَاتَرَكْتُ اسْتِلَامَ هَذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِي، وَالْحَجَرِ، مُذْرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَلِمُهُمَا، فِي شِدَّةٍ وَلَارَخَاءٍ**)(197)۔

میں نے ان دونوں ارکان: رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کو چھونا کبھی ترک نہیں کیا جب سے نبی ﷺ کو انہیں چھوتے ہوئے دیکھا نہ سختی میں اور نہ آسانی میں۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما ان صحابہ کرام میں سے تھے جو نبی ﷺ کے تمام معمولات میں خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا عادات سے، بلا کسی تفریق و امتیاز کے سب سے زیادہ اتباع کرنے والے تھے۔

۴۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: (**لَمْ أَرَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَلِمُ غيرالرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ**)(198)۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو دونوں یمنی ارکان کے علاوہ کا استلام کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

رکن یمانی ابراهیم علیه السلام کی بنیاد پر قائم هے:

۵۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: (**مَاأُرَى رَسُولَ اللّٰه ﷺ تَرَكَ اسْتِلَامَ الرُّكْنَيْنِ اللَّذَيْنِ يَلِيَانِ الْحِجْرَ، إِلَّا أَنَّ الْبَيْتَ لَمْ يُتَمَّمْ عَلَى قَوَاعِدِإِبْرَاهِيم**)(199)۔

میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے حطیم کے نزدیک والے دونوں ارکان کے استلام کو اس لئے ترک

۱۹۷۔ صحیح مسلم (۹۲۴/۲)، (ح:۱۲۶۸)۔

۱۹۸۔ صحیح مسلم (۹۲۵/۲)، (ح:۱۲۶۹)۔

۱۹۹۔ صحیح البخاری، (۵۷۳/۲)، (ح:۱۵۰۶) ؛ مسلم، (۹۶۹/۲)، (ح:۱۳۳۳)۔

فرمایا تھا کیونکہ اس جانب سے خانہ کعبہ کی بنیاد ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر نہیں ہے۔

۶۔**ابن عمر** رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہیں یہ بتایا گیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق حطیم کا کچھ حصہ بیت اللہ میں شامل ہے، اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: (**وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَظُنُّ عَائِشَةَ إِنْ كَانَتْ سَمِعَتْ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، إِنِّي لَأَظُنُّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَتْرُكْ اسْتِلَامَهُمَا إِلَّا أَنَّهُمَا لَيْسَا عَلَى قَوَاعِدِ الْبَيْتِ، وَلَا طَافَ النَّاسُ وَرَاءَ الْحِجْرِ، إِلَّا لِذَلِكَ**)(200).

اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ **عائشہ** رضی اللہ عنہا نے یہ بات ضرور رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوگی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسی لئے تو ان دونوں (رکن عراقی اور رکن شامی) کو نہیں چھوا، کیونکہ وہ دونوں بیت اللہ کے قواعد (بنیادوں) پر نہیں ہیں، اور اسی وجہ سے لوگوں نے حطیم کے پیچھے سے طواف کیا۔

اهل علم کی خامه فرسائیاں:

اہل علم نے خانہ کعبہ کے رکنِ عراقی اور رکنِ شامی کے استلام کے بجائے رکنِ یمانی اور رکن حجر اسود کے استلام کی سنیت کو موضوع بحث بنایا ہے، اس سلسلے میں ان کے بعض اقوال یہ ہیں:

۱۔**ابو جعفر الطحاوی** رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (تمام اہلِ علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ دونوں یمنی ارکان کے درمیانی حصہ کو نہیں چھوا جائے گا کیونکہ وہ خانہ کعبہ کا رکن نہیں ہے۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اس کے بقیہ دونوں ارکان (عراقی اور شامی) کو بھی نہیں چھوا جائے گا کیونکہ وہ دونوں خانہ کعبہ کے ارکان نہیں ہیں)(201)۔

۲۔**ابن بطال** رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (جمہور علمائے کرام دونوں یمنی ارکان کے استلام کے

---

۲۰۰. سنن ابی داود (۱۷۶/۲)، (ح:۱۸۷۵)۔

۲۰۱. شرح معانی الآثار، (۱۸۴/۲)۔

قائل ہیں، یہی مالک، ابوحنیفہ، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے)(202).

خلاصہ:

(کعبہ مشرفہ کے چار ارکان ہیں :رکنِ حجر اسود ہے، اس کے بعد دونوں شامی ارکان ہیں، پھر رکنِ یمانی ہے، کبھی رکنِ اسود اور یمانی کو یمانیان کہا جاتا ہے، چاروں ارکان میں سے رکنِ اسود اور رکن یمانی قواعدِ ابراہیم علیہ السلام پر باقی ہیں، جبکہ دونوں شامی ارکان ان کے قواعد (بنیادوں) پر نہیں ہیں، بلکہ الگ ہیں، اس لئے کہ وہ حطیم کی طرف ہیں، اور حطیم کا کل حصہ یا بعض حصہ خانہ کعبہ میں شامل ہے.

رکنِ اسود کو دو فضیلتیں حاصل ہیں:

ایک یہ کہ حجرِ اسود اس سے جڑا ہوا ہے، اور دوسری یہ کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر ہے، جبکہ شامی ارکان میں کسی کو ان میں سے کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو آپ یہ بھی جان لیں کہ:

حجرِ اسود کے سلسلے میں سنت یہ ہے کہ اس کو چھوا اور بوسہ دیا جائے.

اور رکنِ یمانی کے سلسلے میں سنت یہ ہے کہ اس کو صرف چھوا جائے، بوسہ نہیں دیا جائے.

اور دونوں شامی ارکان کے سلسلے میں سنت یہ ہے کہ نہ ان کو چھوا جائے اور نہ بوسہ دیا جائے.

گویا بوسہ دینا اور چھونا حجرِ اسود کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ اس کو دو فضیلتیں حاصل ہیں، اور رکن یمانی صرف چھونے کے ساتھ خاص ہے، اس لئے کہ اس کو صرف ایک فضیلت حاصل ہے، اور شامی ارکان کو ایسی کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے)(203).

---

۲۰۲. شرح صحیح البخاری، (۲۹۱/۴).

۲۰۳. المجموع، (۳۷/۸).

دوسرا مطلب

رکنِ یمانی کو چھونا گناہوں کے کفارے کا باعث ہے

رکن یمانی کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ اس کو چھونا گناہوں کے کفارے کا باعث ہے، بلکہ اس سے گناہ پوری طرح سے جھڑ جاتے ہیں، اس عظیم فضیلت میں یہ حجرِ اسود کے برابر ہے، اور یہ بات پہلے ہی بتائی جا چکی ہے کہ یہ دونوں ارکان صغیرہ گناہوں کو ختم کرتے ہیں کبیرہ گناہوں کو نہیں کیونکہ کبیرہ گناہوں کی معافی کے لئے توبہ ضروری ہے، رکن یمانی کی اس فضیلت کے سلسلے میں کئی احادیث وارد ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ **عبداللہ بن عبید بن عُمیر** کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے والد کو **ابن عمر** رضی اللہ عنہما سے یہ کہتے ہوئے سنا: آخر میں آپ کو صرف انہیں دونوں ارکان: حجرِ اسود اور رکن یمانی کو چھوتے ہوئے کیوں دیکھتا ہوں؟ **ابن عمر** رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: اگر میں یہ کرتا ہوں تو اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: (**إِنَّ اسْتِلَامَهُمَا يَحُطُّ الْخَطَايَا**)(204)، یقیناً ان دونوں کا استلام (چھونا) گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

۲۔ اور ایک روایت میں ہے: (**إِنَّ مَسْحَهُمَا يَحُطَّانِ الْخَطَايَا**)(205)، یقیناً ان دونوں کا چھونا گناہ کو صاف کر دیتا ہے۔

۳۔ اور ایک روایت میں ہے: (**إِنَّ مَسْحَهُمَا يَحُطَّانِ الْخَطِيئَةَ**)(206)، یقیناً ان دونوں کو چھونا گناہ کو ختم کر دیتا ہے۔

---

۲۰۴. اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے، دیکھئے (ص ۷۰).

۲۰۵. مسند احمد، (۹۵/۲)، (ح:۵۷۰۱) اور مسند کے محققین نے (۵۱۴/۹)، (ح:۵۷۰۱) اس کو حسن قرار دیا ہے۔

۲۰۶. اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے، دیکھئے (ص:۷۰).

۴۔ابن عبید بن عُمیر اپنے والد کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ:ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں ارکان (رکنِ حجر اور رکنِ یمانی) کے پاس سخت مزاحمت کرتے تھے جیسا کرتے ہوئے میں نے کسی اور صحابی رسول ﷺ کو نہیں دیکھا، میں نے کہا:اے ابوعبدالرحمٰن! آپ دونوں ارکان کے پاس ایسی شدید مزاحمت کرتے ہیں جیسی مزاحمت کرتے ہوئے میں نے کسی اور صحابی رسول ﷺ کو نہیں دیکھا؟انہوں نے کہا:اگر میں ایسا کرتا ہوں تو اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:(**إِنَّ مَسْحَهُمَا كَفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا**)(207)،یقیناً ان دونوں کو چھونا گناہوں کے لئے کفارہ ہے۔

۵۔ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(**إِنَّ مَسْحَ الرُّكْنِ الْيَمَانِي وَالرُّكْنِ الأَسْوَدِ يَحُطُّ الْخَطَايَا حَطًّا**)(208)،یقیناً رکنِ یمانی اور رکنِ اسود کو چھونا گناہوں کو پوری طرح سے ساقط کردیتا ہے۔

ہر چکر میں دونوں ارکان کا استلام افضل ہے:

طواف کرنے والے کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ ہر چکر میں حجرِ اسود اور رکن یمانی کا استلام کرے، جیسا کہ جمہور اہل علم نے واضح کیا ہے(209)،اس لئے کہ نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:(**كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لاَيَدَعُ أَنْ يَسْتَلِمَ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَ وَالْحَجَرَ فِي كُلِّ طَوفَةٍ**)،قال: وكَانَ عَبْدُاللَّهِ بنُ عُمَرَيَفْعَلُهُ(210)۔

رسول اللہ ﷺ کسی بھی چکر میں رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کو چھونا ترک نہیں فرماتے تھے،نافع بیان کرتے ہیں:اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

۲۰۷۔ اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے،دیکھئے(ص: ۷۱)۔

۲۰۸۔ اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے،دیکھئے(ص: ۷۱)۔

۲۰۹۔ دیکھئے تبیین الحقائق،(۲/۱۸)؛ (الام،(۲/۱۷۰)؛ المبدع،(۳/۲۱۶)۔

۲۱۰۔ سنن ابی داؤد،(۲/۱۷٦)،(ح:۱۸۷٦)اور البانی نے(صحیح سنن ابی داؤد)،(۱/۵۲۳)،(ح:۱۸۷٦)میں حسن قرار دیا ہے۔

الماوردی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (طواف کے ہر چکر میں استلام کرنا مستحب ہے، اگر ہر چکر میں استلام کرنا مشکل ہو تو ہر طاق چکر میں استلام کرنا ہمارے نزدیک شفع میں استلام کرنے سے بہتر ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: (**إِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ**)(211)، کہ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر کو پسند فرماتا ہے، اور ایسا کرنے سے وہ ابتدا اور انتہا میں استلام کر پائے گا، نیز استلام کی تعداد بھی زیادہ ہوگی)(212)۔

(اور ہر چکر میں حجر اسود اور رکنِ یمانی کے سامنے آنے پر حجر اسود کو چومنا اور چھونا اور رکن یمانی کو چھونا مستحب ہے، خاص کر طاق چکروں میں، کیونکہ طاق کو فضیلت ہے)(213)۔

(عورتوں کے حق میں استلام مستحب نہیں ہے، اور نہ بوسہ دینا الا یہ کہ **رات** و دن کے کسی حصہ میں مطاف خالی ہو)(214)۔

---

۲۱۱. صحیح مسلم (۲۰۶۲/۴)، (ح ۲۶۷۷) بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعا۔

۲۱۲. الحاوی الکبیر، (۱۴۰/۴)۔

۲۱۳. الشرح الکبیر، رافعی (۳۲۰/۷)۔

۲۱۴. روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین امام نووی (۸۵/۳)۔

خلاصہ

حجرِ اسود کے سلسلے میں سنت یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو اسے بوسہ دیا جائے، اگر بوسہ دینا مشکل ہو تو اس کو ہاتھ سے چھو لے اور پھر اس کو چوم لے، یہ بھی ممکن نہ ہو تو چھڑی وغیرہ سے چھو لے اور اس کو چوم لے، یا پھر اس کی طرف اشارہ کر دے، مگر جس سے اشارہ کرے اس کو نہ چومے، اور ان میں سے کوئی عمل دوسرے ارکان کے لئے مشروع نہیں ہے، سوائے رکن یمانی کے، کہ اس کا استلام، یعنی: صرف چھونا اولی ہے) (215)، (اور اس کو نہ چومے، اور اگر اس کو چھونا ممکن نہ ہو تو اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرنا مشروع نہیں ہے)(216).

اور رکنِ یمانی کو چومنے کے بجائے صرف چھونے کی جو یہ حکمت بتائی گئی ہے کہ اسے ایک ہی فضیلت سے نوازا گیا ہے اور وہ یہ کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر ہے، تو اسی طرح یہاں بھی اسے ایک ہی فضیلت سے مشرف کیا گیا ہے کہ اسے چھونا گناہوں اور خطاؤں کے لئے کفارہ تو ہے مگر وہ اسے چھونے والوں اور استلام کرنے والوں کے حق میں گواہی نہیں دیگا، جیسا کہ حجرِ اسود کی فضیلت میں آیا ہے، ایسا اس لئے کیا گیا تاکہ حجرِ اسود کے امتیاز کو بیان کیا جا سکے، ویسے بھی یہ بہتیرے اور متعدد فضائل میں رکنِ یمانی سے ممتاز ہے.

۲۱۵. مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، (۹/۱۳- ۱۴)، اور دیکھئے: حجۃ النبی ﷺ کما رواہا جابر رضی اللہ عنہ، للالبانی (ص/ ۵٦).

۲۱٦. مناسک الحج والعمرۃ، للالبانی (ص/ ۲۱).

پانچواں مبحث

طوافِ کعبہ کے فضائل

اللہ کے بندے جن جن طریقوں سے اس کی عبادت کیا کرتے ہیں ان میں خانہ کعبہ کے گرد چکر لگا کر اس کی عبادت کرنا سب سے تعجب خیز عبادت ہے، یہ عبادت مظہر کے اعتبار سے بھی عجیب ہے اور جوہر کے اعتبار سے بھی عجیب ہے۔

آپ اس کے مظہر پر غور کریں تو پائیں گے کہ اللہ کے موحد بندوں کے درمیان اور حرکتِ کائنات کے درمیان عجیب قسم کی یکسانیت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے، ساری کی ساری کائنات دائمی وابدی گردش میں ہے، سب سے چھوٹی چیز یعنی ذرہ اور اس کے مکونات سے لیکر سب سے بڑی چیز آفتاب اور اس کے نظام تک۔

اگر آپ اس کے جوہر پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو دیکھ کر حیران وششدر رہ جائیں گے جس پر عمل درآمد کرنے کا اس نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے، اور جس کی انجام دہی وادائیگی کے لئے لوگ دنیا کے کونے کونے سے آتے ہیں، اور جو وہاں جانے کی استطاعت نہیں رکھتے ان کا دل اس کے لئے تڑپتا ہے کہ وہاں پہنچ کر اس حکم الٰہی کی تعمیل کریں، اگر آپ اس بے قراری اور جذبۂ فرمانبرداری کے راز سے پردہ اٹھانا چاہیں گے تو آپ کے ہاتھ صرف یہی آئے گا اور کچھ نہیں کہ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کا جذبہ کارفرما ہے جس کا تعلق دلی تقوی سے ہے۔

چنانچہ خانہ کعبہ کا طواف اپنے دامن پاک میں مختلف ومتعدد فضیلتیں رکھتا ہے جن کا ذکر مختلف احادیث کے اندر آیا ہے جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

۱۔ **عبداللہ بن عمر** رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

”مَنْ طَافَ بِهَذَا الْبَيْتِ أُسْبُوعاً فَأَحْصَاهُ (217)، كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ“۔

وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: ”لَايَضَعُ قَدَماً وَلَايَرْفَعُ أُخْرَى،إِلَّاحَطَّ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَاخَطِيئَةً، وَكَتَبَ لَهُ بِهَاحَسَنَةً“(218)۔

جس نے اس گھر کا ایک ہفتہ تک شمار کرتے ہوئے طواف کیا،اس کے حق میں وہ ایک گردن آزاد کرنے کے برابر ہے۔

اور میں نے آپ ﷺ کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا: اورطواف کرنے والا جب کوئی قدم رکھتا ہے اوراٹھاتا ہے، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کے ایک گناہ مٹاتا ہے،اوراس کے لئے ایک نیکی لکھتا ہے۔

۲۔اورانہیں سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ، وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ“ (219)۔

جس نے خانہ کعبہ کا طواف کیا،اوراس کے بعد دو رکعت نماز پڑھی ہو تو یہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔

۳۔اورانہیں سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”مَنْ طَافَ سَبْعاً، فَهُوَ كَعِدْلِ رَقَبَةٍ“(220)، جس نے سات چکر طواف کیا،تو یہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔

۴۔اورانہیں سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:(مَنْ طَافَ أُسْبُوعاً يُحْصِيهِ، وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، كَانَ لَهُ كَعِدْلِ رَقَبَةٍ) قال: وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: (مَارَفَعَ رَجُلٌ (221) قَدَماً وَلَاوَضَعَهَا، إِلَّا كُتِبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ،وَحُطَّ عَنْهُ عَشْرُ

۲۱۷.(فَأَحْصَاهُ): یعنی وہ دنوں کی تعداد کو شمار کرتا ہے،اور مکمل سات دن طواف کرتا ہے،نہ کم نہ زیادہ۔

۲۱۸. سنن الترمذی (۲۹۲/۳)،(ح:۹۵۹)اور حسن قرار دیا ہے،البانی نے (صحیح الترمذی)،(۲۹۱/۱)،(ح:۹۵۹) میں صحیح ٹھہرایا ہے۔

۲۱۹. سنن ابن ماجہ،(۹۸۵/۲)،(ح:۲۹۵۶)۔

۲۲۰. سنن النسائی،(۲۲۱/۵)،(ح:۲۹۱۹)،اورالبانی نے (صحیح سنن النسائی)،(۳۱۹/۲)،(ح:۲۹۱۹) میں صحیح قرار دیا ہے۔

۲۲۱. (مَارَفَعَ رَجُلٌ): یعنی کعبہ کا طواف کرنے والا،جیسا کہ ابن خزیمہ کی آنے والی روایت میں اس کی صراحت ہے۔

سَیِّئَاتٍ، وَرُفِعَ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ)(222)۔

جس نے شمار کرتے ہوئے ایک ہفتہ طواف کیا، اور دو رکعتیں پڑھی، اس کے لئے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہوا۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے: جب بھی کوئی شخص ایک قدم رکھتا ہے اور اٹھاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے لئے دس نیکیاں لکھتا ہے، اور دس گناہوں کو مٹاتا ہے اور اس کے دس درجات بلند کرتا ہے۔

۵۔ اور انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "**مَنْ طَافَ بِالْبَیْتِ، لَمْ یَرْفَعْ قَدَماً، وَلَمْ یَضَعْ، إِلَّا کَتَبَ اللّٰهُ لَهُ حَسَنَةً، وَیَحُطُّ عَنْهُ خَطِیئَةً، وَکَتَبَ لَهُ دَرَجَةً، وَسَمِعْتُهُ یَقُولُ: (مَنْ أَحْصَی أُسْبُوعاً کَانَ کَعِتْقِ رَقَبَةٍ**"(223)۔

(جس نے کعبہ کا طواف کرتے ہوئے کوئی قدم اٹھایا اور رکھا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک نیکی لکھتا ہے، اور ایک گناہ مٹاتا ہے، اور اسے ایک درجہ عطا کرتا ہے، اور میں نے آپ ﷺ کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا: جس نے ایک ہفتہ شمار کرتے ہوئے طواف کیا تو گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا۔

۶۔ اور **محمد بن المنکد**ر اپنے والد کے حوالے سے یہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ **نے فرمایا:**

(مَنْ طَافَ حَولَ الْبَیْتِ أُسْبُوعاً لَا یَلْغُو فِیهِ، کَانَ کَعِدْلِ رَقَبَةٍ یُعْتِقُهَا"(224)۔

جس نے ایک ہفتہ تک طواف کیا جس کے دوران کوئی لغو کام نہیں کیا، تو گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا۔

۲۲۲۔ مسند احمد (۳/۲)، (ح: ۱۲ ۴۴)، البانی نے (صحیح الترغیب والترہیب)، (۲۶/۲)، (ح: ۱۱۳۹) میں (صحیح لغیرہ) کہا ہے۔

۲۲۳۔ صحیح ابن خزیمہ، (۲۲۷/۴)، (ح: ۲۷۵۳)، البانی نے (صحیح الترغیب والترہیب)، (۲۷/۲)، (ح: ۱۱۳۹)، میں (صحیح لغیرہ) کہا ہے۔

۲۲۴۔ بخاری نے (التاریخ الکبیر)، (۳۵/۸)، (ح: ۲۰۶۳) میں روایت کیا ہے، البانی نے (صحیح الترغیب والترہیب)، (۲۷/۲)، (ح: ۱۱۳۹)، میں (صحیح لغیرہ) قرار دیا ہے۔

۷۔ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’**وَأَمَّا رَكْعَتَاكَ بَعْدَ الطَّوَافِ** (225)، **كَعِتْقِ رَقَبَةٍ مِنْ بَنِي إِسْمَاعِيلَ عليه السلام**...

طواف کے بعد کی تمہاری دو رکعتیں، اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک کی گردن آزاد کرنے کے برابر ہیں......

’’**وَأَمَّا طَوَافُكَ بِالْبَيْتِ بَعْدَ ذَلِكَ** (226)، **فَإِنَّكَ تَطُوفُ وَلَا ذَنْبَ لَكَ، يَأْتِي مَلَكٌ حَتَّى يَضَعَ يَدَيْهِ بَيْنَ كَتِفَيْكَ، فَيَقُولُ: اعْمَلْ فِيمَا تَسْتَقْبِلُ، فَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا مَضَى**‘‘(227).

اور تمہارا اس کے بعد کا طواف (یعنی طواف افاضہ) اس حال میں ہوتا ہے کہ تم پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا، اس وقت ایک فرشتہ آتا ہے اور اپنے دونوں ہاتھ تمہارے کندھوں کے درمیان رکھ دیتا ہے، اور کہتا ہے: آگے جو چاہو کرو، کیونکہ ماضی کے تمہارے سارے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں.

۸۔عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**وَأَمَّا طَوَافُكَ بِالْبَيْتِ إِذَا وَدَّعْتَ** (228)، **فَإِنَّكَ تَخْرُجُ مِنْ ذُنُوبِكَ كَيَوْمِ وَلَدَتْكَ أُمُّكَ**‘‘(229).

اور تم خانہ کعبہ کے اپنے وداعی طواف کے بعد اپنے گناہوں سے اس طرح باہر نکل آتے ہو جس

---

۲۲۵. یہاں طواف سے مراد: طواف قدوم ہے.

۲۲۶. یہاں طواف سے مراد: طواف افاضہ ہے.

۲۲۷. مسند البزار، (۱۲/۳۱۷)، (ح:۶۱۷۷)، البانی نے (صحیح الترغیب والترہیب)، (۲/۹)، (ح:۱۱۱۲) میں حسن لغیرہ) کہا ہے.

۲۲۸. حج کے اندر طواف کرنا ہے

۲۲۹. الأوسط للطبرانی، (۳/۱۶)، (ح:۲۳۲۰) اور البانی نے (صحیح الترغیب والترہیب)، (۲/۱۱)، (ح:۱۱۱۳) میں کہا ہے: (حسن لغیرہ) ہے.

طرح تم اس دن ہوتے ہو جس دن تمہاری ماں نے تمہیں جنا تھا۔

درج بالا حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے طواف کی اس فضیلت سے یہ بلیغ اشارہ ملتا ہے کہ اسلام اور اسلامی قوانین و دساتیر میں آزادی کو کیا مقام و مرتبہ حاصل ہے، یعنی انسانی نفس کی آزادی کو، جسے اللہ تعالی نے آزاد و خود مختار بنا کر بھیجا تھا مگر خود انسانیت نے ہی اس سے اس کی حریت اور ارادہ کو سلب کر کے اسے غلام بنائے رکھا، اور انسان اس قعرِ مذلت میں صدیوں تک پڑا رہا۔

میں انسانی حقوق و آزادی کے لئے دم بھرنے والوں کو دعوت فکر دیتا ہوں کہ وہ دیکھیں کہ کس طرح اسلام نے عظیم ترین شعائر میں سے ایک شعیرہ کے درمیان اور لوگوں کو غلامی کی زنجیر سے آزاد کر کے انہیں مکمل آزادی و خود مختاری سے نوازنے کے درمیان رشتہ قائم کر دیا ہے، تا کہ لوگ آزادی کی قیمت کو محسوس کر سکیں، جس کو ایک عظیم ترین شعیرہ کے مساوی قرار دے دیا ہے۔

خانه کعبه کا طواف مثلِ نماز هے :

طوافِ کعبہ کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس کو مانندِ نماز قرار دیا ہے، البتہ آپ نے اس میں کلامِ مباح کو جائز قرار دیا ہے، اس سلسلے کی احادیث میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: **"الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلَاةِ، إِلَّا أَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُونَ فِيهِ، فَلَا يَتَكَلَّمَنَّ إِلَّا بِخَيْرٍ"** (230)۔

کعبہ کے گرد طواف نماز کی مانند ہے، الا یہ کہ تم اس میں بات کر لیتے ہو، لہذا اگر کوئی اس میں بات کرے، تو صرف خیر کی بات کرے۔

اور ایک لفظ میں ہے: (**الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ صَلَاةٌ**...)(231)۔

۲۳۰۔ سنن الترمذی، (۲۹۳/۳)، (ح:۹۶۰) اور البانی نے (صحیح سنن الترمذی)، (۲۹۲/۱)، (ح:۹۶۰) میں صحیح ٹھہرایا ہے۔

۲۳۱۔ الترغیب والترہیب، (۱۲۳/۲)، (ح:۱۷۲۶) اور البانی نے (صحیح الترغیب والترہیب)، (۲۷/۲)، (ح:۱۱۳۱) صحیح قرار دیا ہے۔

کعبہ کے گرد طواف نماز ہے...

وجــــہ دلالــت: (وجہ دلالت یہ ہے کہ طواف حکماً مانند نماز ہے،اس لئے کہ نماز کے حکم سے صرف اس امر کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کہ:(**إِلَّا أَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُونَ فِيهِ**)یعنی:فرق صرف یہ ہے کہ تم اس میں بات کر لیتے ہو،گویا طواف حکماً نماز کی مانند ہے،فرق صرف جوازِ کلام کا ہے،اس اعتبار سے وہ کلام کو چھوڑ کر مکمل طور سے نماز کے اندر داخل ہے،اور اس میں سے طہارت کی شرط بھی ہے (232).

امام **ترمذی** رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:(اسی کے اوپر اکثر اہلِ علم کا عمل ہے،یہ لوگ اس کو مستحب مانتے ہیں کہ کوئی شخص طواف کے دوران گفتگو نہ کرے،الا یہ کہ اس کی ضرورت ہو،یا اللہ تعالیٰ کے ذکر،یا کسی علمی تقاضے کے تحت بات کرسکتا ہے)(233).

اور امام **بغوی** رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:(اس حدیث کے اندر اس مسئلہ کی دلیل پائی جاتی ہے کہ مُحدِث کا طواف جائز نہیں ہے،اور ایسے طواف سے تحلل (احرام سے باہر آنا) حاصل نہیں ہوگا،یہی عام اہلِ علم کا قول ہے)(234).

امام **مالک** رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جس کا وضو دورانِ طواف ٹوٹ جائے؟ تو انہوں نے جواب دیا:(جو شخص اس طرح کے حالات سے دوچار ہو،اور وہ بعض یا کل طواف کر چکا ہو،لیکن طواف کی دو رکعت نماز نہیں پڑھ سکا ہو تو وہ وضو کرے گا،اور پھر سے طواف اور دو رکعت ادا کریگا)(235).

۲۔ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ**

---

۲۳۲. شرح فتح القدیر،(۳/۵۰).

۲۳۳. سنن الترمذی،(۳/۲۹۳).

۲۳۴. شرح السنۃ،(۷/۳٦۷)

۲۳۵. مؤطا امام مالک(۱/۳٦۷)

صَلاةٌ، وَلَكِنَّ اللّٰهَ تَعالىٰ أَحَلَّ فيه الْمَنْطِقَ، فَمَنْ نَطَقَ فَلاَيَنْطِقْ إِلَّا بِخَيْرٍ "(236).

یعنی: طواف کعبہ نماز ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بولنا جائز قرار دیا ہے، چنانچہ جو بولے وہ صرف خیر کی بات بولے۔

۳۔ **ابن عباس** رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: "**الطَّوَافُ صَلَاةٌ، فَأَقِلُّوا فِيهِ الْكَلَامَ**" (237) طواف دراصل نماز ہے، لہذا اس میں کم سے کم بات کرو۔

اور **عبدالکریم** بن ابی المخارق کا بیان ہے کہ ہم سے **طاوس** نے بیان کیا: (**إِذَا كُنْتُمْ فِي الطَّوَافِ فَلاتَسْئَلُونِي عَنْ شَيْءٍ؛ فَإِنَّمَا الطَّوَافُ صَلَاةٌ**) (238)۔

جب میں طواف کی حالت میں رہوں تو اس وقت مجھ سے کسی چیز کے بارے میں مت پوچھو، اس لئے کہ طواف نماز ہے۔

---

۲۳۶. صحیح ابن حبان، (۱۴۳/۹)، (ح:۳۸۳۶)، اور ابن حجر نے (التلخیص الحبیر)، (۱۳۰/۱) میں اس کی سند کو صحیح ٹھہرایا ہے، اور البانی نے (صحیح الجامع)، (۷۳۳/۲)، (ح:۳۹۵۴)، میں صحیح قرار دیا ہے۔

۲۳۷. الطبرانی، المعجم الکبیر (۴۰/۱۱)، (ح:۱۰۹۷۶)، اور ابن حجر نے (التلخیص الحبیر)، (۱۳۰/۱) میں صحیح کہا ہے، اور البانی نے (صحیح الجامع)، (۷۳۳/۲)، (ح:۳۹۵۶) میں صحیح کہا ہے۔

۲۳۸. الطبقات الکبریٰ لابن سعد، (۵۲۹/۵)۔

چھٹا مبحث

مقام ابراهیم کے فضائل

اس میں تین مطالب ہیں:

پہلا مطلب: مقامِ ابراہیم کی تعریف.

دوسرا مطلب: مقامِ ابراہیم جنت کا یاقوت (بیش قیمتی پتھر) ہے.

تیسرا مطلب: مقامِ ابراہیم کے فضائل کا خلاصہ.

پہلا مطلب

مقام ابراھیم کی تعریف

مقام ابراہیم جنت کا پتھر ہے جسے جبریل امین ابراہیم کے پاس لے کر آئے تا کہ اس پر کھڑے ہوکر کعبہ مشرفہ کی تعمیر کو مکمل کرسکیں، اس کی مساحت (رقبہ) (۴۰ x ۴۰/سم) ہے، اور اونچائی تقریبا (۵۰/سم) ہے، جب ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہوئے تو ان کے دونوں پاؤں اس میں گڑ گئے جس کی گہرائی (۱۰/سم)، لمبائی (۲۲/سم)، جب کہ چوڑائی (۱۱/سم) ہے، جب انہوں نے کعبہ کی تکمیل کرلی تو اس پر کھڑے ہوئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے لوگوں کو حج کے لئے آواز دیا.

مقام ابراہیم حجر اسود کے مشرق میں (۱۴.۵/میٹر) کی دوری پر واقع ہے، جبکہ کعبہ کے شاذ روان سے (۱۳.۲۵/میٹر) دور ہے.

ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے ہی مقامِ ابراہیم اپنی جگہ پر موجود چلا آرہا تھا، لیکن ۱۷ھ میں (اُم نہشل) نامی ایک زبردست سیلاب آیا جس نے اسے اکھاڑ ڈالا حتی کہ اسے مکہ کے پست علاقے (مسفلہ) میں لے جا کر ڈال دیا، اور جب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان قیاسات وعلامات سے مطمئن ہوگئے جو مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ کے یہاں موجود چلے آرہے تھے، تو پھر اس کو اس کی جگہ پر رکھ دیا (239).

اور سب سے پہلے جس نے مقامِ ابراہیم کو سونے سے مزین کیا وہ عباسی خلیفہ **مہدی** ہیں جنہوں نے (۱۶۱ھ) میں اس کے ٹوٹ پھوٹ جانے کے اندیشے کے تحت یہ کارنامہ انجام دیا، اس کے بعد تجدیدی کام ہوتے رہے، پھر اسے پیتل کے چوکور کوٹھڑی کے اندر کردیا گیا، جس کے اوپر چار ستونوں پر قائم ایک گنبد تھا، اور اس کا رقبہ (۳x۶=۱۸/میٹر) تھا.

۲۳۹. دیکھئے: اخبار مکہ للأزرقی: (۳۳/۲) ؛ الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ لابن حجر: (۳۱۶/۸).

پھر (۱۳۸۷ھ) میں مطاف کی توسیع کے غرض سے مقامِ ابراہیم پر تعمیر اس کوٹھڑی کو ہٹا دیا گیا، اور اس کی جگہ اس کے اوپر دبیز اور مضبوط بلّور (صاف وشفاف شیشے) کا صندوق رکھ دیا گیا جو سنگ مرمر سے بنے پائے پر قائم ہے اور جس کے اوپر پیتل سے بنا پایا ہے اور اس کی مساحت (۱۸۰ رسم x ۱۳۰ رسم = ۲٫۳۴۵ رمیٹر)، اور اونچائی (۳ رمیٹر) ہے۔

مقامِ ابراہیم میں کیا جانے والا آخری تجدیدی عمل خادمِ حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عہدِ حکومت میں (۱۴۱۸ھ) کو وجود میں آیا تھا (240).

---

۲۴۰. دیکھئے: التاریخ القویم لمکۃ وبیت اللہ الکریم، للکردی (۳/۱۲۲)، بمکۃ المکرمۃ تاریخ ومعالم، (ص: ۶۰).

دوسرا مطلب

مقامِ ابراهیم جنت کا یاقوت (بیش قیمتی پتھر) ہے

مقامِ ابراہیم کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ وہ حقیقتاً جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے اس سلسلے میں کئی واضح احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ **انس** رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **''الرُّكْنُ وَالْمَقَامُ يَاقُوتَتَانِ مِنْ يَوَاقِيتِ الْجَنَّةِ''**(241)۔

رکن (حجرِ اسود) اور مقامِ ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔

۲۔ **عبداللہ بن عمرو** رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: **''إِنَّ الرُّكْنَ وَالْمَقَامَ يَاقُوتَتَانِ مِنْ يَوَاقِيتِ الْجَنَّةِ، طَمَسَ اللّٰهُ نُورَهُمَا، وَلَوْلَمْ يَطْمِسْ نُورَهُمَا، لَأَضَاءَ تَامَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ''**(242)۔

یقیناً رکن اور مقام (ابراہیم) جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی کو بجھا دیا ہے، اگر ان کی روشنی کو نہیں بجھاتا تو وہ دونوں مشرق و مغرب کے درمیان کی ساری چیزوں کو روشنی میں ڈبو دیتے۔

۳۔ **عبداللہ بن عمرو** رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: **''إِنَّ الرُّكْنَ وَالْمَقَامَ مِنْ يَاقُوتِ الْجَنَّةِ، وَلَوْ لَامَامَسَّهُمَا مِنْ خَطَايَا بَنِي آدَمَ لَأَضَاءَ امَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، وَمَامَسَّهُمَا مِنْ ذِي عَاهَةٍ وَلَاسَقِيمٍ إِلَّا شُفِيَ''**(243)۔

---

۲۴۱. اس کی تخریج گذر چکی ہے (ص: ۶۳)۔

۲۴۲. اس کی تخریج گذر چکی ہے (ص: ۶۳)۔

۲۴۳. اس کی تخریج گذر چکی ہے (ص: ۶۴)۔

یقیناً رکن اور مقام (ابراہیم) جنت کے یاقوت میں سے ہیں، اور اگر ان کو لوگوں کے گناہوں نے نہ چھوا ہوتا، تو وہ دونوں مشرق ومغرب کے درمیان کی ساری چیزوں کو روشن کر دیتے، اور ان کو جو بھی آفت رسیدہ اور بیمار شخص چھوتا اس کو شفا مل جاتی.

اور ان کی روشنی کو بجھا دیئے جانے کی ایک حکمت یہ ہے کہ: (ان کے حق ہونے پر لوگوں کا ایمان غیبی ہو، اگر ان کی روشنی کو نہ بجھایا جاتا تو ان کے برحق ہونے پر ایمان مبنی بر مشاہدہ ہوتا، جبکہ موجب ثواب ایمان غیبی ایمان ہے (244)

۲۴۴. دیکھئے: حاشیہ البجیرمی علی شرح منہج الطلاب، (۲۶۳/۲).

تیسرا مطلب

مقامِ ابراھیم کے فضائل کا خلاصہ

مقامِ ابراہیم کے متعدد اور متنوع فضائل ہیں جو اس کے فضل ومرتبت اور عظمت وبزرگی کے شاہدِ عدل ہیں، اس کے فضائل کو مختصراً اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

ا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر کرکے اس کو جاودانی بخش دی ہے، اور دو جگہوں پر اس کا ذکر آیا ہے:

پہلی جگہ: اللہ تعالیٰ کے اس قول میں: (**وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى**)[البقرة:۱۲۵]

اور مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو.

دوسری جگہ: اللہ تعالیٰ کے اس قول میں: (**فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ**)[آل عمران:۹۷]

اس میں کئی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے (245).

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر کئی بڑی نشانیاں رکھ چھوڑی ہے: اور وہ نشانیاں ہیں:

☆ سخت پتھر پر دو مبارک قدموں کا نشان ایک نشانی ہے.

☆ دونوں قدموں کا ٹخنے تک گڑ جانا بھی ایک نشانی ہے.

☆ اس پتھر کے بعض حصوں کا نرم ہو جانا اور بعض کا نرم نہ ہونا بھی ایک نشانی ہے.

☆ **ابن العربی** رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (اس کو لوگوں کے لئے نشانی اس لئے قرار دیا گیا کیونکہ وہ سخت پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کے نشانِ قدم کو ظاہر فرما کر اسے قیامت تک باقی رہنے والی ایک نشانی مقرر کردی) (246).

---

۲۴۵. أحکام القرآن، الجصاص (۹۲/۱)؛ أحکام القرآن، ابن العربی (۵۲/۱)؛ الکشاف، الزمخشری (۳۱۵/۱)؛ التفسیر الکبیر، الرازی (۵۳/۴)؛ البحر المحیط (۸/۳)؛ تفسیر ابی السعود، (۳۸۸/۱).

۲۴۶. احکام القرآن (۵۱/۲).

☆ صدیاں گزرنے کے بعد اس کو باقی رکھا جانا ایک نشانی ہے۔

☆ مشرکین، اہل کتاب اور ملاحدہ جیسے اس کے لاتعداد دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کے باوجود اس کا ہزاروں سال سے محفوظ چلا آنا بھی ایک نشانی ہے۔

☆ مشرکین کی عبادت سے اس کا محفوظ ہونا بھی ایک نشانی ہے۔

☆ مقامِ ابراہیم اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی بین دلیل ہے۔

☆ یہ ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ اور ان کی نبوت کی سچائی کی روشن دلیل ہے۔

☆ یہ مقام اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی تنہا عبادت کے تعلق سے تمام مشرکین بشمول اہل کتاب و کفارِ قریش وغیرہم کے خلاف حجت بالغہ ہے۔

☆ اس میں ابراہیم علیہ السلام کی عزت افزائی اور تکریم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مقام کو جائے نماز (مصلی) بنا لینے کا حکم فرمایا ہے، اور شب و روز کے لحات میں سے کوئی لحہ مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز ادا کرنے والوں سے خالی نہیں ہوتا۔

جصاص رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (یہ مقام اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ابراہیم علیہ السلام کی نبوت پر دلالت کرتا ہے، اس لئے کہ اس نے پتھر کو مٹی جیسی رطوبت عطا کر دی جس کی وجہ سے ان کے دونوں قدم اس میں داخل ہو گئے، اور ایسا کرنے پر اللہ تعالیٰ ہی قادر ہو سکتا ہے، علاوہ ازیں یہ ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ بھی ہے جو ان کی نبوت پر دلالت کر رہا ہے)(247)۔

۲۴۷۔ احکام القرآن (۱/۹۲)۔

ساتواں مبحث

آب زمزم کی فضائل

پہلا مطلب: آبِ زمزم کی تعریف.

دوسرا مطلب: آب زمزم روئے زمین کا سب سے بہتر پانی ہے.

تیسرا مطلب: اس میں کھانے کا ذائقہ ہے.

چوتھا مطلب: اس میں بیماری کا علاج ہے.

پانچواں مطلب: زمزم کے پانی سے ہر وہ مقصد حاصل ہوتا ہے جس کے لئے پیا جائے.

پہلا مطلب

آبِ زمزم کی تعریف:

آبِ زمزم وہ مبارک پانی ہے جو چاہِ زمزم سے نکلتا ہے، آلِ ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم میں اس کا نکلنا شروع ہوا تھا تب سے اب تک وہ جاری و ساری ہے، اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا جاری رہے گا۔ چاہِ زمزم کعبہ مشرفہ کے مشرقی جانب اس سے (۲۱) میٹر کی دوری پر واقع ہے، اس کی گہرائی (۵. ۳۰ رمیٹر) کے قریب ہے۔ خلفاء، سلاطین اور حکام نے ہمیشہ اس کو اپنی عنایت ورعایت کا مرکز بنائے رکھا اور اس کی تعمیر و حسن کاری کے فرائض انجام دیتے رہے حتی کہ سعودی عہدِ حکومت میں اس کا اہتمام اور بھی بڑھ گیا، پہلے پانی نکالنے کے لئے ڈول استعمال میں لائے جاتے تھے، مگر (۱۳۷۳ھ) میں پائپ کے ذریعہ پانی نکالنے کا انتظام عمل میں آیا، اس کے ذریعہ کنویں کے اردگرد بنائے گئے نالوں میں آبِ زمزم چھوڑا جاتا تھا تاکہ لوگ بالٹی و ڈولوں کے علاوہ حسبِ خواہش ان نلوں کا استعمال کرسکیں، پھر مطاف کی توسیع کی ضرورت کا تقاضہ ہوا کہ کنویں کے دہانے کو مطاف کے نیچے کردیا جائے، نیز کنویں کے ایک جانب واقع وسیع ہال کے اندر پانی پینے کے لئے نلکے لگائے گئے جن میں آبِ زمزم مہیا ہوتا تھا، اس ہال میں اترنے کے لئے دو سیڑھیاں بنائی گئی تھیں جن میں سے ایک مردوں کے لئے تھی اور دوسری عورتوں کے تھی، اس کے بعد ڈول سے پانی نکالنے اور پینے کا مرحلہ بالکل ختم ہوگیا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ یہ طریقہ عام سلامتی کے لئے خطرہ بن کر سامنے آیا اور کئی المناک حادثات پیش آئے جن میں کئی لوگوں کی جانیں بھی گئیں چنانچہ اس ہال میں اترنے کے لئے استعمال کی جانے والی سیڑھیوں کو بند کردیا گیا جس میں چاہِ زمزم کا دہانہ ہے، اور پانی کے نلکوں کو

صفا کی طرف مطاف کے صحن پر کردیا گیا،ان اقدامات کے بہت سے فوائد ظاہر ہوئے جن میں سے بعض یہ ہیں:

پہلا: مطاف (248) کی توسیع عمل میں آسکی۔

دوسرا: آب زمزم تک بآسانی رسائی ممکن ہوگئی۔

تیسرا: لوگوں کی سلامتی کے تقاضے پورے ہوئے۔

ان نلکوں کے علاوہ حرمِ مکی میں ہر طرف تھرمسوں کے ذریعہ زمزم کا پانی مہیا کرایا جاتا ہے جس کی تقسیم حرم کے کونے کونے میں بڑے نظم ونسق وعمدگی کے ساتھ عمل میں آتی ہے، نیز حرم کے ایریا میں اور (کدی) کے ایریا میں واقع شاہراہِ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ میں آبِ زمزم کے کئی مراکز بنائے گئے ہیں، جہاں ڈبوں (تھرمسوں) اور نلکوں میں چاہِ زمزم سے نکلا ہوا پانی تطہیر وتبرید کے بعد بالکل مفت سپلائی کیا جاتا ہے۔

اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ: چاہِ زمزم اپنا پانی میدانی چٹانوں سے حاصل کرتا ہے جہاں وہ تین چٹانی شگافوں کے ذریعہ پہنچتا ہے جو شگاف صفا ومروہ کی جانب سے کعبہ مشرفہ کے نیچے سے گزر کر چاہ زمزم سے جاملتا ہے۔

---

۲۴۸. مطاف وہ کھلا صحن ہے جس پر کعبہ مشرفہ کا طواف کرنے والے چلتے ہیں، پہلے اس کی زمین کچی (ریتیلی) تھی، لیکن (۹۱ھ) میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے سنگ مرمر سے اسے پختہ کرنے کا فرمان جاری کیا، پھر اس کے بعد کے ادوار میں اس کے اندر کئی عمارتیں تعمیر کردی گئیں، جیسے چاہِ زمزم کی عمارت، منبر، مقامِ ابراہیم کی عمارت اور چاروں محراب، یعنی چاروں مشہور فقہی مذاہب کے لئے بنائے گئے محراب. چودھویں صدی ہجری کے آخری سالوں میں حجاج کی تعداد کے اندر حد درجہ اضافہ ہوگیا، اس کے مدنظر مطاف میں بنائی جانے والی تمام عمارتوں کو ختم کردیا گیا تاکہ طواف کرنے والوں کو کوئی دشواری پیش نہ آئے، پھر (۱۳۹۹ھ) کے اندر مطاف میں قریب کے کچھ اراضی کو شامل کردیا گیا جسے (الحصاوی) کے نام سے جانا جاتا تھا، پھر پورے صحن پر سنگ مرمر بچھا دیا گیا، اس طرح اس کا کل رقبہ (۷۰۰۰ م۲) ہوگیا، دیکھئے مکۃ المکرمۃ تاریخ ومعالم، (ص:۵۸).

پانی نکالنے والے پمپ کی جانچ پڑتال سے پتہ چلا ہے کہ چاہ زمزم ایک سیکنڈ میں (۱۱) سے لے کر (۱۸.۵) لیٹر پانی نکالتا ہے، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب جبریل علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام اوران کی ماں ہاجرہ علیہا السلام کے لئے اپنی ایڑی سے اس کوکھودا، تب سے اب تک وہ کنواں کتنا پانی نکال چکا ہے، اور کتنی انسانی نسلیں اس سے سیراب ہوچکی ہیں اور ہو رہی ہیں! (249).

کیمیائی اورقدرتی صفات کے لحاظ سے آب زمزم کا امتیاز:

زمزم کے بابرکت پانی ہونے اور نبی ﷺ کی حدیث (**طَعَـامُ طُعْـمٍ**) کہ وہ "سیر بخش غذا ہے" کے سلسلے میں مختلف کیمیائی تجزیات اور بہت سی سائنسی تحقیقات ہوئی ہیں جن کے چند نتائج ذیل میں ذکر کئے جارہے ہیں:

۱۔یہ کہ آب زمزم اپنے قدرتی اور کیمیائی صفات میں (دیگر تمام پانی) سے ممتاز ہے، وہ گیس والا وزنی پانی ہے، اس کے اندر فی لیٹر ۲۲۰ ملی گرام کے بقدر مفید کیمیائی مرکبات اور عناصر پائے جاتے ہیں، جبکہ مکہ اور اس کے گردو نواح کے کنوؤں کے پانی میں نمکینیت کا تناسب فی لیٹر ۲۶۰ ملی گرام سے زیادہ نہیں ہے، یہ اس بات کا غماز ہے کہ مکہ کے گرد وپیش جو پانی کے مخازن ہیں، ان کے بالمقابل چاہِ زمزم کا مخزن کہیں زیادہ گہرا ہے، نیز اس کے طبعی صفات اور کیمیائی مشمولات دیگر مخازن سے بدرجہا ممتاز ہیں.

۲۔آب زمزم کو فریز (Freeze) کے ذریعہ جمانا مشکل ہے، حتی کہ صاف کیا ہوا پانی (purfied water) ملا کر اسے ہزار گنا ہلکا کر دیا جائے تب بھی (250).

۳۔زمزم کا پانی نہایت شفاف ہوتا ہے، اس کا نہ کوئی رنگ ہے اور نہ اس میں کوئی بو پائی جاتی ہے، اس کا ذائقہ تھوڑا نمکین ہوتا ہے، چونکہ اس میں ہائیڈ روجن (Hydrogen) کی مقدار 7.5 ہوتی ہے، اس لئے عام پانی کی بنسبت یہ ذرا ہلکا ہوتا ہے، جبکہ پوری طرح گھل جانے والے نمکین کا اوسط اس کے

---

۲۴۹. دیکھئے: سائٹ: (الرئاسة العامة لشئون المسجد الحرام والمسجد النبوی).

۲۵۰. دیکھئے: الاعجاز العلمی فی السنة النبویة، د. زغلول النجار (ص: ۸۹).

اندر 10 لاکھ میں سے 1488 حصہ (1488 per milion) ہوتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ آبِ زمزم میں نمکینیت کی مقدار معتدل ہوتی ہے، مزید برآں اس کے اندر ہر قسم کے کیٹیون (cation) اور اینیون (Anion) بجز سوڈا (Sodium) کے، عالمی ادارۂ صحت (W.H.O) کے معیار کے مطابق ہے۔

۴۔ ولایاتِ متحدہ امریکہ (USA) کے ایک تجربہ گاہ (laboratory) میں عمل نیٹرون (Neutron) کی تکنیک کے ذریعہ کی گئی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ آبِ زمزم میں ۳۰ قسم کے عناصر پائے جاتے ہیں۔

۵۔ کیمیائی تجزیات اور ان کا عالمی معیارات بالخصوص (W.H.O) کے قائم کردہ معیارات سے مقارنہ کے بعد یہ حقیقت طشت ازبام ہوتی ہے کہ آبِ زمزم مکمل طور پر قابل نوش ہے، صحت پر اس کے بہتر اثرات مرتب ہوتے ہیں اس مقارنہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آبِ زمزم میں سوڈا کا عنصر زیادہ ہے، تاہم منشور عالمی معیارات کے اندر سوڈیم کی مقدار اعلیٰ کی تحدید نہیں کی گئی ہے، ساتھ ہی چار زہریلے عناصر (Selicon,Caustic, Lead, Arsenic) میں سے آبِ زمزم کے اندر اتنی ہی مقدار ہوتی ہے جو انسانی استعمال کے لحاظ سے زیادہ ضرر رساں نہیں ہے (251)۔

۲۵۱۔ دیکھئے: محمد سامی محمد کی کتاب "الاعجاز العلمی فی السنۃ النبویۃ الصحیحہ" (ص: ۱۳۷-۱۳۹)۔

دوسرا مطلب

روئے زمین کا سب سے بہترین پانی

آبِ زمزم کے عمومی فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اس کرۂ ارضی کا سب سے بہتر پانی ہے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے: **(خَيْرُ مَاءٍ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مَاءُ زَمْزَمَ فِيهِ طَعَامٌ مِنَ الطُّعْمِ وَشِفَاءٌ مِنَ السُّقْمِ)** روئے زمین کا سب سے بہتر پانی آبِ زمزم ہے، اس میں سیر بخش غذا ہے، بیماری سے شفایابی ہے (252)

زمزم کا پانی لاثانی:

یقیناً آبِ زمزم بے نظیر و بے مثال ہے، اور کوئی پانی اس کا ہم مثل ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ وہ دعاء ابراہیمی کا نتیجہ ہے، وہ عظیم ترین نعمت ہے جس میں وسیع ترین منفعت پنہاں ہے، اس کا چشمہ جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ پھوٹا، اور مقدس ترین مخلوق نبی کریم ﷺ کے قلبِ اطہر کو معراج سے قبل اس پانی سے دھویا گیا، اس کے سوتے کبھی خشک نہیں ہوں گے، اس کو نوش کرنے کا وقت قبولیتِ دعا کے مقامات میں سے ایک اہم مقام ہے، زمزم نوشی مومن و منافق کے درمیان رمزِ فارق ہے، اور یہ حد درجہ مقدس و بابرکت بھی ہے، ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آبِ زمزم کی بابت آپ ﷺ کا یہ قول وارد ہے کہ: **(إِنَّهَا مُبَارَكَةٌ)** (253) وہ بابرکت ہے۔

امام **ابن قیم** رحمہ اللہ کا بیان ہے: **(مـاءُ زمـزم سيّدُ المياهِ، وأشرفُها وأجلُّها قدراً،**

---

۲۵۲. اسے امام طبرانی نے المعجم الأوسط (۱۷۹/۴)، اور المعجم الکبیر (۹۸/۱۱) (ح: ۱۱۱۶۷) میں ذکر کیا ہے اور امام البانی نے صحیح الترغیب والترہیب (۴۰/۲) (ح: ۱۱۶۱) میں حسن کہا ہے۔

۲۵۳. صحیح مسلم (۱۹۲۲/۴) (ح: ۲۴۷۳).

وأحبُّها إلى النفوس، وأغلاها ثمناً، وأنفسها عندالناس، وهوهَزمة جبريل، (254) وسُقيا الله إسماعيل"۔

یعنی آبِ زمزم تمام پانی میں افضل ہے، اعلیٰ مرتبت اور بلند و بالا منزلت والا ہے، دلوں کومحبوب ہے، نہایت قیمتی اورلوگوں کے نزدیک حد درجہ نفیس ہے، یہ جبرئیل علیہ السلام کے پاؤں کی رگڑ کا ثمرہ ہے، اسماعیل علیہ السلام کے لئے چشمۂ ربانی، شرابِ الٰہی اور مئے خداوندی ہے (255)۔

زمزم کا چشمہ واضح نشانیوں میں سے ہے:

زمزم ان عیاں وبیاں آیات میں سے ہے جو اللہ کی وحدانیت، عظیم ترین قدرت اور بندوں کے تئیں اس کی بے پناہ رحمت کی نمایاں دلیل ہیں، چنانچہ بیت اللہ کے اوپر (آسمان کی بلندی) میں ہدایت وراہ یابی ہے، اس کے نیچے شفایابی، غذائیت، اور ایسی سیرابی ہے جو تمام انسانوں کے لئے کافی ہے نیز اگر مشیت خداوندی ہوتو اس میں امراض واسقام سے آرام بھی ہے۔

اس کا اعجاز ہے کہ: وہ تمام پینے والوں کے لئے کافی ہے خواہ ان کی تعداد لاکھوں اورکڑوروں میں ہو، لوگ اگر اس کو پینا چھوڑ دیتے تو اس کا اُبال بھی بند ہو جاتا، اس کا پانی روئے زمین پر باقی نہیں رہتا اور نہ اس کے سوتے پھوٹتے۔

بعض پاکستانی محققین نے حج سے متعلق سعودی تحقیقاتی سنٹر کی مدد سے آبِ زمزم پر ریسرچ کرکے یہ انکشاف کیا ہے کہ وہ عجیب وغریب پانی ہے جو دیگر تمام پانی سے ترکیب میں مختلف ہے، جس قدر اس کو خرچ کیا جاتا ہے اس میں اتنا ہی اضافہ ہوتا ہے، وہ پاک وصاف پانی ہے، اس میں کسی بھی قسم کا کیڑا نو (Virus) نہیں پایا جاتا ہے (256)۔

۲۵۴۔ **(هزمة جبريل)**: یعنی پاؤں کی رگڑ سے زمین پھٹی اور چشمہ ابل پڑا، دیکھئے: معجم ما استعجم للبکری، (۲/۷۰۱)؛ النہایۃ (۵/۲۶۲)؛ تاج العروس: (۳۴/۹۷)

۲۵۵۔ زادالمعاد (۴/۳۹۲)۔

۲۵۶۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: محمد سامی محمد کی کتاب الاعجاز العلمی فی السنۃ النبویۃ الصحیحۃ (ص: ۱۳۴)۔

یہ بھی اس کا اعجاز ہے کہ: زمزم کا چشمہ ان شعلہ نما چٹانوں کے درمیان پھوٹ رہا ہے جو حد درجہ سخت و درشت، نہایت کیلے، خاردار و چبھن دار اور (اس قدر تہہ بتہ ہیں کہ) ان کو تراش کر زمین تک پہنچنا آسان نہیں، یہ قابل توجہ امر ہے، اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز تو یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ خشک علاقے میں واقع ہے جہاں بارش برائے نام ہی ہوتی ہے، اور ہر چند کہ مختلف ادوار میں متعدد بار اس کے آثار مٹ گئے اور از سر نو اس کی کھدائی ہوئی، پھر بھی ۴۰۰۰ سال سے زائد مدت سے اس کا آب شیریں مسلسل اُبلتا آرہا ہے، اس لئے کہ وہ بابرکت کنواں ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے بطور کرامت معرض وجود میں لایا (257).

۲۵۷. دیکھئے: اُ۔د۔زغلول النجار کی کتاب الاعجاز العلمی فی السنۃ النبویۃ (ص: ۸۷).

تیسرا مطلب

سَیر بخش غذا

یہ آبِ زمزم کی فضیلت ہے کہ وہ بابرکت وپاکیزہ غذا ہے، جو جسم کو طاقت وقوت اور غذا وغذائیت بہم پہنچانے میں خوراک کا درجہ رکھتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ زمزم نوش کھانے سے بے نیاز رہے، یہ خوبی دیگر کسی بھی پانی میں نہیں ہے، اس بابت کچھ احادیث ہیں، جو قارئین کرام کی نظر نواز ہیں:

ہزار ہا ہزار سالوں سے زمزم کی غذائیت:

۱۔حضرت ہاجرہ کے قصہ میں آیا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام انہیں اور اسماعیل کو لیکر آئے، جبکہ اسماعیل ابھی شیر خوار دودھ پیتا بچہ تھے، ابراہیم علیہ السلام نے انہیں بیت اللہ کے قریب، مسجدِ حرام کی بلندی پر زمزم کے پاس ایک سایہ دار درخت کے نیچے رکھا، اس وقت مکہ میں (دور دور تک) آدمی اور آدم زاد کا کوئی پتہ نہیں تھا اور نہ پانی کا کوئی نام ونشان، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے انہیں وہاں بسایا اور ان کے پاس ایک جراب (258) جس میں کھجوریں تھیں اور ایک مشکیزہ جس میں پانی تھا، چھوڑ کر وہاں سے رخصت ہوگئے...

ہاجرہ مشکیزہ کا پانی پیتی رہیں اور اسماعیل کو دودھ پلاتی رہیں تا آنکہ مشکیزہ کا پانی ختم ہوگیا، اور انہیں اور شیر خوار اسماعیل کو شدت پیاس ستانے لگی، (پانی کی تلاش میں دوڑتی ہوئی ہاجرہ) اپنے لختِ جگر کو پلٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھیں... اسی اثنا میں اچانک مقامِ زمزم پر فرشتہ نمودار ہوا، انہوں نے اپنی ایڑی یا پَر سے زمین پر مارا جس سے چشمۂ زمزم پھوٹ پڑا... (259) راوی کا بیان ہے: چشمۂ زمزم سے وہ سیراب ہونے لگیں جس سے ان کی چھاتی میں شیر خوار اسماعیل کے لئے خوب دودھ ہوا (260).

---

۲۵۸. **(جراب)**: یعنی چمڑے کا برتن.

۲۵۹. صحیح بخاری (۱۲۲۸-۱۲۲۷/۳) (ح: ۳۱۸۴).

۲۶۰. صحیح بخاری (۱۲۳۰/۳) (ح: ۳۱۸۵).

وجہ استدلال: اللہ نے فرشتہ بھیجا جس (کی ایڑی کی رگڑ سے) پانی ابل پڑا، اور اللہ تعالیٰ نے اس پانی کو سیر بخش غذا کا مقام عطا کیا (261)، نیز اس واقعہ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ: ہاجرہ آب زمزم سے غذا حاصل کرتی تھیں اور وہ دیگر تمام مطعومات و مشروبات سے انہیں بے نیاز کر دیتا تھا (262).

صحابۂ کرام کے لئے زمزم کی سیر بخش غذائیت:

۲۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ کی قبولیت اسلام کے واقعہ میں منقول ہے کہ وہ مکہ آئے، مسجد حرام میں داخل ہوئے اور وہاں ۳۰/دن اور ۳۰/رات قیام کیا، اس میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم یہاں کب آئے؟ ان کا بیان ہے کہ میں نے کہا: ۳۰/دن اور ۳۰/رات سے میں یہاں قیام پذیر ہوں، پھر آپ نے کہا: تمہیں کھانا کون کھلاتا تھا، وہ کہتے ہیں: میں نے کہا: سوائے زمزم کے میرے پاس کوئی کھانا نہیں تھا، زمزم پی کر میں فربہ ہو گیا اور میرے پیٹ کی سلوٹیں بھی ختم ہو گئیں (263)، اور مجھے بھوک کی کمزوری بھی محسوس نہیں ہوئی'' (264)، آپ ﷺ نے فرمایا: ''**إِنَّهَا مُبَارَكَةٌ، إِنَّهَا طَعَامُ طُعْمٍ** (265)'' (266) یعنی: آب زمزم بابرکت ہے، اور غذا بخش خوراک ہے، دوسرے الفاظ میں آپ نے یوں فرمایا: ''**زَمْـــزَمُ طَعَامُ طُعْمٍ وَشِفَاءُ سُقْمٍ**'' (267)، یعنی: زمزم سیر بخش غذا ہے اور بیماری کی شفا ہے.

۳۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**خَيْرُ مَاءٍ عَلَى وَجْهِ**

---

۲۶۱. أحکام القرآن، ابن العربی (۳/۹۷).

۲۶۲. فتح الباری (۶/۴۰۳).

۲۶۳. صحیح مسلم مع شرح النووی (۱۶/۲۸).

۲۶۴. صحیح مسلم مع شرح النووی (۱۶/۲۹).

۲۶۵. (**طَعَامُ طُعْمٍ**) یعنی شکم سیر غذا، مراد یہ ہے کہ انسان جب آب زمزم نوش کرتا ہے تو اسی طرح شکم سیر ہوتا ہے جس طرح کھانا کھانے سے ہوتا ہے، دیکھئے: التیسیر بشرح الجامع الصغیر (۱/۵۳۱).

۲۶۶. مسلم (۶/۱۹۲۱)، (ح: ۲۴۷۳).

۲۶۷. اسے امام بزار نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے (۹/۳۶۱)، (ح: ۳۹۲۹).

الأَرْضِ مَاءُ زَمْزَمَ، فِيهِ طَعَامٌ مِنَ الطُّعْمِ، وَ شِفَاءٌ مِنَ السُّقْمِ" روئے زمین کا سب سے بہتر پانی زمزم ہے، اس میں غذا بخش خوراک ہے، اور بیماری کی شفا ہے (268).

عرب کے نزدیک زمزم کے مختلف اسمء و اوصاف:

۱۔ شُبَاعة (سیر بخش):

عبداللہ بن عباس سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: (ہم زمزم کو شُباعة (سیر بخش) کہتے تھے، اور اپنے اہل وعیال (کو غذا بہم پہنچانے میں) اسے بہترین معاون پاتے تھے)(269).

زہری رحمہ اللہ کا بیان ہے: (زمزم کو زمانہ جاہلیت میں شُباعة (سیر بخش) کہا جاتا تھا؛ اس لئے کہ وہ بھوکے کو شکم سیر، اور پیاسے کو سیراب کرتا ہے)(270) چنانچہ جو بھی شکم سیری کی نیت سے آب زمزم نوش کرتا ہے تو وہ غذائیت اور سیر بخشی میں اس کے لئے مانند غذا ہوتا ہے۔

۲۔ مُغذية (غذا بخش)

زمزم کے مختلف ناموں میں سے ایک نام مُغذية (غذا بخش) بھی ہے، جو "غذا" سے ماخوذ ہے جس سے جسم کی نشو ونما ہوتی اور اسے قوت وطاقت ملتی ہے (271).

زمزم کی غذائیت کی بابت صالحین اور بزرگوں کے چند واقعات:

اللہ کے ان برگزیدہ اور نیک بندوں کے بہت سے واقعات وروایات ہیں جنہوں نے کئی کئی دنوں تک صرف آب زمزم پر گزر بسر کیا؛ چند واقعات درج ذیل ہیں:

---

۲۶۸. اسے امام طبرانی نے "الأوسط" (۱۷۹/۴) اور "الکبیر" (۹۸/۱۱) میں ذکر کیا ہے.

۲۶۹. اسے امام طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۲۷۱/۱۰)، (ح: ۱۰۶۳۷) میں روایت کیا ہے، اور امام البانی رحمہ اللہ نے "صحیح الترغیب والترہیب" (۴۱/۲)، (ح۱۱۶۳) میں "صحیح لغیرہ" کہا ہے.

۲۷۰. تہذیب اللغة (۲۸۴/۱) ؛ النہایة (۴۴۱/۲) ؛ المعجم البلدان (۳۱۷/۳).

۲۷۱. تفصیل کے لئے مراجعہ کیجئے: المحکم والمحیط الأعظم، ابن سیدہ (۴۷/۱۶) ؛ لسان العرب (۱۱۹/۱۵).

۱۔اس کا ذکر گزر چکا ہے کہ **ابوذر** رضی اللہ عنہ مکہ میں داخل ہوئے، وہاں تیس دن تک قیام کیا اور ان کے پاس آبِ زمزم کے سوا کوئی غذا، خوراک اور کھانا نہیں تھا۔

۲۔آبِ زمزم کے تعلق سے **ابن القیم** رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: (میں نے بچشم خویش ایسے شخص کو دیکھا ہے جو نصف ماہ اور اس سے بھی زیادہ دنوں تک محض آبِ زمزم پر گزر بسر کرتا تھا، انہیں بھوک کا احساس تک نہ ہوتا اور وہ عام انسان کی طرح لوگوں کے ساتھ طواف کرتا تھا، انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ بسا اوقات چالیس دنوں تک بھی وہ آبِ زمزم پی کر رہا ہے، (اس کے باوجود) اس کے پاس قوتِ مجامعت ہوتی، وہ روزہ رکھتا اور بار بار طواف کرتا تھا)(272)۔

۳۔**عبدالرشید** بن ابراہیم التاری رحمہ اللہ (متوفی: ۱۳۶۴ھ) جو عہدِ عثمانی کے ایک تاتاری عالم ہیں، وہ خود اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں: (میں نے ہفتوں زمزم پر اکتفا کر کے اپنی بھوک مٹائی ہے، یہ ایک ایسا قطعی اور عملی تجربہ ہے جس میں شک وشبہ کا ذرا بھی شائبہ نہیں)(273)۔

۲۷۲۔ زاد المعاد (۳۹۳/۴)۔

۲۷۳۔ عبدالرشید التتاری کی کتاب "العالم الإسلامی" (بزبان ترکی) ترجمہ: کمال خواجہ، بحوالہ: فضل ماء زمزم، (ص: ۱۰۵)۔

چوتھا مطلب:

بیماری کی شفا ودوا

یہ بھی زمزم کی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو شفا دینا چاہے،اس کے لئے آبِ زمزم کو بیماری سے شفایابی کا ذریعہ بنا دیتا ہے،اس سلسلے میں کچھ احادیث بھی آئی ہیں جن میں سے چند ذیل میں مذکور ہیں:

۱۔**ابن عباس** رضی اللہ عنہما سے مروی رسول اللہ ﷺ کی حدیث: "**خَيْرُ مَاءٍ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مَاءُ زَمْزَمَ، فِيهِ طَعَامٌ مِنَ الطُّعْمِ، وَ شِفَاءٌ مِنَ السُّقْمِ** (274)" روئے زمین کا سب سے بہتر پانی زمزم ہے،اس میں سیر بخش غذا ہے، بیماری کی شفا ہے (275).

۲۔**ابوذر** رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث رسول: "**زَمْزَمُ طَعَامُ طُعْمٍ وَشِفَاءُ سُقْمٍ** (276)" زمزم غذا بخش خوراک اور مرض کی دوا ہے.

آبِ زمزم سے شفایابی کے سلسلے میں نبوی ہدایت:

آبِ زمزم سے بیماری کا علاج اور معالجہ کرنا آپ کی سنت اور آپ کا طریقہ کار رہا ہے، آپ ﷺ سے آپ کے قول: "**زمزم بیماری کی شفا ہے**" کی عملی تطبیق ثابت ہے،اس بابت احادیث بھی وارد ہیں؛ چند آپ کی نظر نواز ہیں:

۱۔**عائشہ** رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: (آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشک وغیرہ میں آبِ زمزم بھر کر لاتے اور مریضوں پر اسے چھڑک کر ان کی شفایابی اور دوا داری کرتے تھے)(277).

۲۷۴.(**شِفَاءُ سُقْمٍ**) یعنی مرض کی دوا اور بیماری کی شفا ہے.

۲۷۵. اس حدیث کو امام طبرانی نے الکبیر (۹۸/۱۱) اور الأوسط (۱۷۹/۴) میں ذکر کیا ہے.

۲۷۶. اسے امام بزار نے اپنی مسند (۳۶۱/۹)،(ح:۳۹۲۹) میں نقل کیا ہے.

۲۷۷. امام بخاری نے "التاریخ الکبیر" (۱۸۹/۳)،(ح:۶۳۹) میں روایت کیا ہے.

۲۔ نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث کہ زمزم کے پانی میں بخار کی دوا و شفا ہے، چنانچہ **ابو جمرہ الضبعی** رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: (میں مکہ میں ابن عباس کی جانشینی میں رہتا تھا، (ایک مرتبہ) مجھے بخار آ گیا تو آپ نے کہا: آب زمزم سے بخار کو دور کرو، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: **"الحُمّٰی مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ** (278)**،فَأَبْرِدُوهَا بِالْمَاءِ" أَوقَالَ:" بِمَاءِ زَمْزَمَ" شَكَّ هَمَّامٌ "**(279) یعنی بخار جہنم کی تپش سے ہے، اسے پانی سے ٹھنڈا کرو، یا آپ نے فرمایا: زمزم کے پانی سے، ہمام کو الفاظ میں شک ہوا ہے۔

اس حدیث کے راوی (ہمام) کو الفاظِ حدیث میں شک ہوا ہے، اگر قطعیت کے ساتھ وہ حدیث روایت کرتے تو اہل مکہ کے لئے آب زمزم سے شفا حاصل کرنا مامور بہ ہوتا کیونکہ زمزم کا پانی ان کے یہاں بآسانی میسر و دستیاب ہے، اور ان کے علاوہ کے لئے عام پانی سے بخار کا علاج کرنا واجب ہوتا (280)۔

یہ حدیث دوسرے طرق سے بغیر لفظِ شک کے بھی وارد ہوا ہے؛ **ابو جمرہ** رحمہ اللہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں ابن عباس کے قریب، ان کا مصاحب و جان نشیں ہوا کرتا تھا؛ کچھ دنوں تک (ان کی قربت وصحبت سے) محروم رہا تو انہوں نے کہا: تمہیں کس چیز نے (اتنے دنوں تک میری مصاحبت سے) روکے رکھا؟ میں نے کہا: بخار نے، انہوں نے فرمایا: حدیثِ رسول ہے: "بخار جہنم کی تپش سے ہے، اس لئے تم آب زمزم سے اس کو ٹھنڈا کرو" (281)۔

۲۷۸۔ (**فَيْحِ جَهَنَّمَ**) فیح کا معنی عرب کے یہاں شدت گرمی اور سوزش حرارت ہوتا ہے، یعنی بخار جہنم کی تپش، سوزش اور ابال سے ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے: شرح صحیح البخاری لابن بطال (۹/۴۲۱)۔

۲۷۹۔ صحیح بخاری (۳/۱۱۹۰)، (ح: ۳۰۸۸)۔

۲۸۰۔ زاد المعاد (۴/۲۹)۔

۲۸۱۔ اسے امام احمد نے اپنے "مسند" (۱/۲۹۱) (حدیث: ۲۶۴۹) اور امام حاکم نے "مستدرک" (۴/۲۲۳) (ح: ۷۴۳۹) میں روایت کیا ہے اور امام حاکم نے کہا ہے: صحیح علی شرط الشیخین: لیکن اس سیاق کے ساتھ انہوں نے اسے روایت نہیں کیا ہے۔

یہ طبِ نبوی میں سے ہے جس کی شفایابی میں کوئی شک نہیں، اطباء وحکماء کا جو نسخہ اور تجویز اس کے مخالف ہے وہ نا قابل توجہ، نا قابل التفات اور کلام لغو ہے (282).

زمزم کا ایک نام "عافیة" ھے:

عرب کے نزدیک زمزم کا ایک وصف "عافیۃ" بھی ہے، اس لئے کہ جو شخص زمزم نوشی کے ذریعہ شفا حاصل کرتا ہے، اس کے اوپر امراض واسقام سے جسمانی ونفسانی عافیت وراحت ظاہر ہوتی ہے، اور مشیت الٰہی سے وہ شفایاب ہوجاتا ہے۔

امام قزوینی رحمہ اللہ (متوفی: ۶۸۲ھ) کا بیان ہے: "ماءِ زمزم تمام بیماریوں کے لئے موزوں ہے، لوگوں کا کہنا ہے کہ: ڈاکٹروں کے ذریعہ علاج کئے گئے لوگوں کا شمار کیا جائے تو ان کی تعداد ان لوگوں کا نصف بھی نہیں ہوسکتی جنھیں اللہ تعالی نے آب زمزم پینے سے شفا، تندرستی، صحت اور عافیت عطا کیا ہے" (283).

زمزم سے شفایابی کے چند نمایاں واقعات و روایات:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی نے بے شمار لوگوں کو خطرناک، ہلاکت خیز، جان لیوا بیماریوں سے آبِ زمزم کے ذریعے صحت و عافیت عطا کیا ہے، اور زمزم کے ذریعے شفایابی کا یہ سلسلہ ہزاروں سال قبل سے تا ہنوز جاری وساری ہے، اور ان شاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا، سیر وتاریخ کی کتابوں نے جن اخبار وواقعات کو اپنے اوراق میں محفوظ کر رکھا ہے اور جن کے مطابق اللہ نے زمزم نوشی کے ذریعے لوگوں کو شفا عطا کیا ہے، ان میں سے کچھ واقعات ضبطِ تحریر میں لانے کی کوشش کی جارہی ہے:

۱۔ امام احمد رحمہ اللہ: عبد اللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنے والد کے حالاتِ زندگی بیان کرتے ہوئے گویا ہیں: (بارہا میں نے اپنے والد کو آبِ زمزم سے شفا حاصل کرتے ہوئے دیکھا ہے، وہ

۲۸۲۔ عمدۃ القاری (۱۶۴/۱۵).

۲۸۳۔ زکریا بن محمد القزوینی کی کتاب "عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات" (ص: ۹۳).

زمزم سے اپنے ہاتھوں اور چہرہ کو پونچھتے تھے)(284).

۲۔امام ابن القیم رحمہ اللہ: وہ اپنے احوالِ زندگی کو ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:(میں نے زمزم سے شفایابی کے سلسلے میں خود اپنے اوپر اور دوسروں پر حیرت انگیز تجربات کئے مختلف امراض میں اس سے دوا اور شفا حاصل کیا، اور باذن اللہ مجھے شفایابی بھی حاصل ہوئی)(285).

وہ مزید بیان کرتے ہیں کہ: (ایک دفعہ میں مکّہ میں بیمار ہوگیا، نہ تو کوئی دوا میسر تھی اور نہ ہی کوئی ڈاکٹر مل پا رہا تھا، میں نے قرآن کی آیت: **اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ [الفاتحة:۵]** کے ذریعہ علاج کرنا شروع کردیا، میں ایک کلی پانی لیتا، متعدد بار اس آیت کو پڑھ کر اس میں پھونک مارتا پھر پی لیتا، اس طریقۂ علاج سے مجھے مکمل شفایابی ہوگئی، اور میں بیشتر تکلیفوں اور بیماریوں میں اسی طرز معالجہ کو اپنانے لگا جس سے مجھے حد درجہ فائدہ ہوا)(286).

۳۔زین الدین العراقی رحمہ اللہ: ان کے تعلق سے ان کے شاگرد رشید **الفاسی** رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ: (انہوں نے مختلف اغراض کے لئے زمزم نوش کیا، ان میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایک متعین بیماری میں جوان کو لاحق تھی، شفا و دوا کے لئے آپ زمزم کا استعمال کیا، اور بغیر کسی دوا کے اسی سے ان کو مکمل افاقہ حاصل ہوگیا)(287).

۴۔عبد الرشید التتاری رحمہ اللہ: عہد عثمانی کے ایک تاتاری عالم ہیں، اپنے بارے میں وہ رقم طراز ہیں :(زمزم کو جس مقصد سے پیا جائے (اس کی تکمیل) ایک قطعی تجربہ ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ نیت خالص، اور عقیدہ مضبوط ہو، میں نے خود بارہا زمزم کو مختلف امراض میں استعمال کیا ہے، بطور خاص

---

۲۸۴. مسائل احمد بن حنبل بروایت ابنہ عبداللہ (ص ۲۴۷).

۲۸۵. زادالمعاد (۳۹۳/۴).

۲۸۶. زادالمعاد (۱۷۸/۴).

۲۸۷. شفاء الغرام بأخبار بلد اللہ الحرام (۲۵۵/۱).

مثانہ (Bladder) کے امراض، داخلی بیماریوں، اور آنکھ کی تکلیف میں اس کا استعمال مفید ثابت ہوا ہے، یہ سب قطعی اور عملی تجربات ہیں)(288)۔

اور ہم نے بہت سے ایسے لوگوں کے بارے میں سنا ہے جنہوں نے خلوصِ نیت کے ساتھ مختلف عضوی اور غیر عضوی بیماریوں کی دوا وشفا کے لئے زمزم کا استعمال کیا اور اللہ نے اس پانی کی برکت سے انہیں شفا وتندرستی سے نوازا۔

آب زمزم جسم کے خلایا (Cells) کو حیات بخش حرکت و نشاط عطا کرتا ہے:

انسانی جسم کے خلایا (Cells) میں صحت مند و حیات بخش حرکت ونشاط پیدا کرنے اور ان میں ہونے والی کمی کو دور کرنے میں آبِ زمزم کے اندر پائے جانے والے عناصر کا بہت اہم کردار ہے۔

انسانی جسم کے اندر کیمیائی ترکیب کے بگاڑ اور مختلف امراض کے مابین نہایت گہرا ربط ہے، اور یہ معلوم ومعروف ہے کہ: مختلف امراض کی دوا وشفا کے لئے عرصہائے دراز سے قابلِ نوش اور نا قابلِ نوش ہر دو قسم کے معدنی پانی کا استعمال ہوتا آرہا ہے، تو بھلا آبِ زمزم جیسے مقدس، پاک، صاف اور شفاف پانی کا کیا کہنا؟ کہ جس کے ہر لیٹر میں 2000 ملی گرام کے بقدر مفید کیمیائی مرکبات اور عناصر بدرجۂ اولی موجود ہوتے ہیں، اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ اس میں (مختلف) بیماری کی دوا اور شفا ہے، نبی صادق و مصدوق ﷺ کی حدیث اس پر گواہ ہے، جو اپنی خواہش سے کوئی بھی بات نہیں کرتے، ان کی ہر بات وحیِ الٰہی ہوتی ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے (289)۔

آب زمزم سے شفایابی کی خصوصیت قیامت تک برقرار رہے گی:

مذکورہ دلائل، شواہد، تجربات اور شرعی فرمودات سے یہ بات متیقن ہو جاتی ہے کہ آبِ زمزم اسی

۲۸۸۔ دیکھئے: العالم الإسلامی، عبدالرشید التقاری (بزبان ترکی) ترجمہ: کمال خوجہ، بحوالہ: فضل ماء زمزم (ص ۱۱۸)۔

۲۸۹۔ دیکھئے: "الإعجاز العلمی فی السنۃ النبویۃ" أ.د. زغلول النجار (ص ۹۰)۔

وقت سے بیماری کی دوااور شفا ہے جس وقت اللہ تعالی نے اسے وجود بخشا، زمین پراتارااور باشندگانِ ارضی کواس کا وارث بنادیا، اوراس کی یہ خصوصیت زمان ومکان کی تخصیص وتحدید کے بغیراس وقت تک باقی رہنے والی ہے جب تک گردشِ لیل ونہار باقی رہے گی،**ابن العربی** رحمہ اللہ آبِ زمزم کی اس خصوصیت کے بارے میں رقمطراز ہیں: (زمزم کے اندرشفاودوا کی خصوصیت قیام قیامت تک کے لئے ودیعت کی ہوئی ہے،بشرطیکہ شارب زمزم خالص نیت اور سلیم طبیعت کا حامل ہو،زمزم کی اس خوبی کا منکر نہ ہو،اور نہ ہی زمزم نوشی سے اس کا مقصود محض تجربہ ہو؛اس لئے کہ اللہ توکل کرنے والوں کے ساتھ ہے،وہ تجربہ کرنے والوں کو ذلیل ورسوا کردیتا ہے 290.

آب زمزم سے استفادہ کی شرطیں:

ابن العربی رحمہ اللہ نے آبِ زمزم کے ذریعہ شفایابی کی خصوصیت سے لطف اندوز اور بہرہ ور ہونے کے لئے چند شرائط ذکر کئے ہیں،جس شخص کے اندر یہ شرطیں بدرجۂ اتم موجود ہوں گی،زمزم نوشی اس کے لئے باذن اللہ مفید اور شفابخش ثابت ہوگی اور جب ان میں کوئی کمی ہوگی تو زمزم اس کے لئے کارگر نہیں ہوسکتا،شرطیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کی صداقت پر مکمل اعتقاد اور یقین رکھنا کہ جو شخص شفا کے غرض سے زمزم نوش کرتا ہے،اللہ کی اجازت سے وہ اس کے لئے بیماری کی دوا وشفا ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ اچھی نیت،ایمان ویقین کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ شارب زمزم کی نیت درست ہو۔

۳۔ توکل علی اللہ،اسے یہ جاننا چاہئے کہ آبِ زمزم (شفایابی) کا ایک ذریعہ ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لئے بطورِ رحمت پیدا کیا ہے،اوراپنے نبی ﷺ کی زبانی انہیں یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس سبب اور ذریعہ کو اختیار کریں لیکن اس (پر توکل کی بنیاد کھڑی کر کے اسی) سے اپنا تعلق قائم نہ کرلیں،اور نہ اس

۲۹۰. أحكام القرآن،لابن العربي (۳/۹۸) ؛ تفسير القرطبي (۹/۳۷۰).

سے مربوط ہوکر رہ جائیں، اس لئے کہ ربط اور تعلق تو صرف ''مسبب الاسباب'' یعنی اسباب وذرائع کے خالق کے ساتھ ہی روا ہے، اور خالق اللہ سبحانہ وتعالی ہے، چنانچہ اسی ذاتِ واحد پر توکل اور اعتماد ہونا چاہئے ، اللہ کے اس فرمان کی بجا آوری کرتے ہوئے کہ: **وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ** [الطلاق:۳] جو اللہ پر توکل اور بھروسہ کرتا ہے، اللہ اس کے لئے کافی ہوتا ہے۔

۴۔ تجربہ کی فکرا سے دامن گیر نہ ہو، اس لئے کہ اللہ کو تجربہ (کی بنیاد پر کی گئی تصدیق) قبول نہیں ہے، کہ آبِ زمزم اس کے حق میں نفع بخش ثابت ہو تو وہ ایمان وتصدیق بجالائے، اور اگر اس کو فائدہ نہ پہنچے تو اس کا ایمان ڈاواں ڈول ہوجائے اور وہ شک وشبہ میں پڑکر اٹکل مارنے لگے، بلکہ بہرصورت اس کا یہ شعار ہونا چاہئے کہ وہ مکمل تصدیق بجالائے، اگر آبِ زمزم اس کے حق میں مفید ثابت ہو تو اسے اللہ کا فضل و احسان سمجھے، اور اگر زمزم نوشی سے اس کو فائدہ نہ ہو اور نہ ہی اسکو شفا حاصل ہو تو قضا وقدر پر ایمان رکھتے ہوئے اس حالت میں بھی وہ اپنے منہج مستقیم (راست روی) کا اعلان کرے، یہی مفہوم ہے اللہ رحمان کے اس فرمان کا : **وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئاً وَ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَ عَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئاً وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ** [البقرة :۲۱۶] یعنی: ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور وہ دراصل تمہارے لئے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھا سمجھو جب کہ وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ چنانچہ اللہ تعالی جس چیز کو اپنے بندوں کے لئے اختیار کرتا ہے وہی سراپا خیر ہوتا ہے۔

پانچواں مطلب

آبِ زمزم سے ہر وہ مقصد حاصل ہوتاہے جس کے لئے اسے پیا جائے

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "**مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ**"(291).

آبِ زمزم جس مقصد کے لئے پیا جائے وہ حاصل ہوتاہے:

حکیم الترمذی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (آبِ زمزم پینے والا اگر اس کو آسودگی کے لئے پیتا ہے تو اللہ تعالی اسے آسودہ کرتا ہے، اور اگر سیرابی کے لئے پیتا ہے تو اللہ تعالی اسے سیراب کردیتا ہے، اور اگر شفا کے لئے پیتا ہے تو اللہ تعالی اسے شفا عطا کرتا ہے، اور اگر اخلاقِ بد سے بچنے کے لئے پیتا ہے تو اللہ تعالی اس کو با اخلاق بنا دیتا ہے، اور اگر دل کی تنگی کو دور کرنے کے لئے پیتا ہے تو اللہ تعالی اس کے دل کو کشادہ کردیتا ہے، اور اگر دل کی تاریکیوں کے دفعیہ کے لئے پیتا ہے تو اللہ تعالی انہیں دور کردیتا ہے، اور اس کو نفس کی بے نیازی کے لئے پیتا ہے تو اللہ تعالی اس کے نفس کو بے نیاز کردیتا ہے، اور اگر کسی حاجت کے لئے پیتا ہے تو اللہ تعالی اس کی ضرورت کو پوری کردیتا ہے، اور اگر کسی مصیبت میں پیتا ہے تو اللہ تعالی اس کی مصیبت دور کردیتا ہے، اور اگر اللہ کی نصرت حاصل کرنے کے لئے پیتا ہے تو اللہ اس کی مدد کرتا ہے، گویا وہ خیر و بھلائی کے امور میں سے جس کے لئے بھی پیتا ہے اللہ تعالی اس کو اس سے نوازتا ہے اس لئے کہ وہ ایسی چیز کے ذریعہ مدد کا طالب ہوتا ہے جس کو اللہ تعالی نے اپنی رحمت سے ظاہر فرمایا ہے)(292).

وجہ دلالت: (اس میں اس بات کی دلیل پائی جاتی ہے کہ آبِ زمزم کو پینے والا جس

---

۲۹۱. ابن ماجہ، (۱۰۱۸/۲)، (ح ۳۰۶۲)، اور البانی نے (صحیح ابن ماجہ)، (۵۹/۳)، (ح ۲۵۰۲) میں صحیح قرار دیا ہے.

۲۹۲. نوادر الاصول فی احادیث الرسول، (۲۷۴/۳).

مقصد سے اس کو پیئے، خواہ دنیوی مقصد ہو یا اخروی، اس کے لئے وہ نفع بخش ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ "**لِمَا شُرِبَ لَهُ**" میں جو "**مَا**" ہے وہ عموم کے لئے ہے)(293).

اور آبِ زمزم کا یہ فائدہ کسی خاص زمانے یا کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ اس وقت تک قائم ودائم رہے گا جب تک دنیا اور اس پر پائی جانے والی موجودات کا قیام رہے گا، کیونکہ آبِ زمزم (ابراہیم خلیل علیہ السلام کے بیٹے کو اللہ کی طرف سے دیا جانے والا پانی اور مدد ہے، لہٰذا وہ ہر زمانے کے لوگوں کی پیاس بجھاتا رہے گا، اور جو بھی اس کو اخلاص کے ساتھ پیئے گا اس کے ذریعہ اس کی مدد کی جائے گی.

حکیم الترمذی بیان کرتے ہیں: بندوں کے مقاصد اور ان کے ارادوں اور نیتوں کی صداقت کے اعتبار سے اللہ کی طرف سے ان کی مدد کی جاتی رہے گی، اس لئے ایک موحد کی شان یہ کہ جب بھی اس کو کوئی مصیبت لاحق ہو تو فوراً اپنے رب کی طرف رجوع کرے، اور جب وہ رجوع کرے گا اور اس سے مدد کا طالب ہوگا تو اللہ کی مدد پائے گا، البتہ بندہ اپنی نیت کے مطابق ہی مدد پاتا ہے)(294).

زمزم نوش کرتے وقت نیک نیتی کی عمدہ مثالیں:

صحابہ وتابعین اور ان کے اتباع میں سے بہت سے اسلافِ کرام نے آبِ زمزم پیتے وقت نیک نیتی کا اظہار فرمایا ہے اور اپنی دینیوی واخروی ضروریات ومصالح کی تکمیل کے لئے دعا مانگی ہے، نبی صادق ومصدوق ﷺ کی اس حدیث پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہ: **آبِ زمزم جس مقصد کے لئے پیا جائے وہ حاصل ہوتا ہے.**

---

۲۹۳. نیل الأوطار (۵/۱۷۰).

۲۹۴. فتح القدیر، المناوی (۵/۴۰۴).

ذیل میں ہم اس قسم کی کچھ مبارک نیتوں اور بلند عزائم کا ذکر کر رہے ہیں (295):

۱۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ :

الزمزمی نے (نشر الآس) میں غسان واعظ الرومی کی کتاب (قرۃ العین) کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس نیت سے آبِ زمزم پیا کہ وہ علماء میں سب سے بڑے عالم بنیں، چنانچہ وہ ویسے ہی ہوئے، اور علم وصلاح وفضل میں بھی سب سے بڑھ کر ہوئے)(296).

۲۔ ابن المبارک رحمہ اللہ :

سوید بن سعید رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ: (میں نے عبداللہ بن مبارک کو مکّہ کے اندر دیکھا، وہ زمزم کے پاس آئے، اس سے پانی لے کر ایک بار پیا، پھر کعبہ رُخ ہوئے اور فرمایا: اے اللہ! ابن ابی الموالی نے مجھ سے محمد بن المنکدر کے حوالے سے بیان کیا ہے اور انہوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (**زمزم کا پانی جس مقصد کے لئے پیا جائے وہ حاصل ہوتا ہے**)، اور میں اس کو روزِ قیامت کی پیاس سے محفوظ رہنے کے لئے پی رہا ہوں، پھر انہوں نے آبِ زمزم نوش کیا)(297).

۳۔ ابن خزیمہ رحمہ اللہ :

ابوبکر محمد بن جعفر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن خزیمہ کو یہ کہتے ہوئے اس وقت سنا جب ان سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ کو اتنا سارا علم کہاں سے ملا؟ انہوں نے جواباً عرض کیا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (**زمزم کا پانی جس مقصد کے لئے پیا جائے وہ حاصل ہوتا ہے**)، اور میں نے جب بھی آبِ زمزم نوش کیا تو اللہ تعالی سے علمِ نافع کا سوال کیا (298).

۲۹۵۔ **گویا وہ ہے کہ:** ان ائمہ کرام واعاظم دین نے اس حدیث پر تکیہ کر کے طلبِ علم اور تفقہ فی الدین کو چھوڑ کر گھر میں نہیں بیٹھ گئے، اور نہ صرف آبِ زمزم نوش کرنے پر اکتفا کیا، بلکہ دن رات طلبِ علم کے لئے کوشاں رہے اور شب بیداری کیا۔

۲۹۶۔ بحوالہ: فضل ماء زمزم، (ص ۱۳۵).

۲۹۷۔ اس کو منذری نے (الترغیب والترھیب)، (۱۳۶/۲)، (رقم ۱۸۱۷) میں روایت کیا ہے۔ ابن القیم نے (زاد المعاد)، (۳۹۳/۴) میں حسن قرار دیا ہے، جب کہ البانی نے (ضعیف الترغیب والترھیب)، (۳۷۵/۱)، (رقم ۷۵۱) کے اندر ضعیف قرار دیا ہے۔

۲۹۸۔ سیر أعلام النبلاء (۳۷۰/۱۴) ؛ تاریخ الاسلام، (۴۲۳/۲۳).

۴۔ الخطيب البغدادي رحمه الله :

خطیب بغدادی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حج کے اندر تین بار آبِ زمزم نوش کیا اور حدیث: (**آبِ زمزم جس مقصد کے لئے پیا جائے وہ حاصل ہوتا ہے**) پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے اللہ تعالی سے تین حاجتوں کے بارے میں دعا مانگا:

پہلی حاجت: کہ وہ بغداد کے اندر اس کی تاریخ بیان کر سکیں۔

دوسری حاجت: جامع منصور میں حدیث املا کرا سکیں۔

تیسری حاجت: وہ **بشر الحافی** کے نزدیک دفن کئے جائیں۔ اور اللہ تعالی نے ان کی ساری باتوں کو پورا کردیا(299).

۵۔ ابن العربی رحمه الله :

ابن العربی بیان کرتے ہیں: (میں ماہ ذی الحجہ ۴۸۹ھ میں مکہ کے اندر مقیم تھا، اس دوران میں اکثر زمزم کا پانی پیتا رہتا تھا، اور جب بھی پیتا تو ایمان وعلم کی نیت کرتا، حتی کہ اس کی برکت سے اللہ تعالی نے مجھ پر علم کا دروازہ اس حد تک کھول دیا جس حد تک اس کو مجھے دینا تھا، مگر میں عمل کے لئے اسے نوش کرنا بھول گیا، کاش میں نے دونوں کی نیت سے اسے نوش کیا ہوتا تا کہ دونوں کے دروازے اللہ تعالی مجھ پر کھول دیتا، مگر ایسا نہیں ہوسکا اور میرا میلان عمل سے زیادہ علم کی طرف رہا، میں اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنی رحمت سے نوازتے ہوئے میری حفاظت فرمائے اور خیر کی توفیق دے)(300).

۶۔امام شافعی ، امام حاکم ، ابنِ حجر :

ابنِ حجر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (**امام شافعی** کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے نشانہ بازی

---

۲۹۹. تاریخ مدینۃ دمشق، (۳۴/۵) ؛ معجم الأدباء، (۴۹۸/۱) ؛ سیر أعلام النبلاء، (۲۷۹/۱۸).

۳۰۰. احکام القرآن، (۹۸/۳).

کی نیت سے آبِ زمزم نوش فرمایا جس کے نتیجے میں وہ دس میں سے نو کا ٹھیک نشانہ لگالیا کرتے تھے۔

اور **امام حاکم** نے حسنِ تصنیف وتالیف وغیرہ کے لئے آبِ زمزم نوش کیا تھا تو وہ اپنے زمانے کے سب سے اچھے مصنف بن گئے،

اور ان ائمہ کا شمار نہیں کیا جا سکتا جنہوں نے اسے خاص مقصد کے تحت پیا اور انہیں اپنے مقصد میں کامیابی بھی ملی۔

حافظ زین الدین العراقی نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک کام کے لئے اسے نوش کیا تو انہیں اس میں کامیابی حاصل ہوئی، اور میں [**ابنِ حجر**] نے ایک مرتبہ اسے نوش کیا۔ اس وقت میں حدیث کا مبتدی طالبِ علم تھا۔ اور اللہ تعالی سے دعا کیا کہ وہ مجھے حفظِ حدیث میں ذھبی کا مقام عطا کردے، پھر میں نے تقریباً بیس سال بعد حج ادا کیا، اس وقت میں اپنے دل میں اس سے بھی بڑا مقام حاصل کرنے کی خواہش رکھتا تھا، چنانچہ میں نے اس سے بھی بڑے مقام کے لئے اللہ تعالی سے دعا کیا، اور میں اللہ تعالی سے امید رکھتا ہوں کہ میں اسے حاصل کرلوں گا۔

حکیم الترمذی نے (نوادر الاصول) میں اپنے والد کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ انہوں یہ بتایا: وہ رات میں طواف کررہے تھے کہ شدت کے ساتھ انہیں پیشاب محسوس ہوا، مگر انہیں یہ اندیشہ تھا کہ اگر وہ مسجد سے باہر نکلے تو لوگوں کے پائخانہ سے ان کے پاؤں گندے ہوجائیں گے، اس لئے کہ حج کا موسم تھا، چنانچہ وہ زمزم کی طرف گئے اور پیشاب کے رُکنے کے لئے آبِ زمزم نوش کیا، پھر طواف کے لئے واپس آگئے، انہوں نے بتایا کہ اس کے بعد صبح تک میں نے پیشاب محسوس نہیں کیا)(301).

---

۳۰۱. ابن حجر نے ایک جزء تصنیف کیا ہے جس کے اندر مشہور حدیث (آبِ زمزم سے ہر وہ مقصد حاصل ہوتا ہے جس کے لئے اسے پیا جائے) کی حالت کا جواب ہے، دیکھئے: (ص ۱۵)، اور مواھب الجلیل شرح مختصر خلیل، ابن الحطاب، (۱۱۶/۳).

آٹھواں مبحث

کعبہ کے پاس نیکیوں میں اضافہ

خانۂ کعبہ کواللہ تعالی کی طرف سے عطا کئے جانے والے فضائل میں سے عظیم ترین فضیلت یہ ہے کہ اس کے پاس نیکیوں کو بڑھا دیا جاتا ہے، اور اس عظیم گھر کے آس پاس عمل کرنے والوں کے ثواب میں بھی اضافہ کردیا جاتا ہے۔ **وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ** [البقرة : ۲۶۱]. اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اور بڑھا دیتا ہے، اور اللہ بڑی کشائش والا اور علم والا ہے۔

بیت اللہ کے پاس جن اعمال کا ثواب بڑھا دیا جاتا ہے ان میں سے ایک نماز ہے، اس بارے میں متعدد حدیثیں وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**صَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ**'' (302) یعنی: مسجدِ حرام میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ گنا افضل ہے۔

۲۔ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ، وَصَلَاةٌ فِي ذَاكَ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ صَلَاةٍ فِي هَذَا**'' (303).

میری اس مسجد کی ایک نماز اس کے علاوہ کسی بھی مسجد کی ایک ہزار نماز سے افضل ہے، سوائے مسجدِ حرام کے، اور اُس کی ایک نماز اِس کی (یعنی: مسجدِ نبوی کی) سو نماز سے افضل ہے۔

وجہِ دلالت: مسجدِ حرام تمام مساجد سے افضل ہے، اس لئے کہ اس میں پڑھی جانے والی ایک نماز

---

۳۰۲. ابن ماجہ، (۴۵۱/۱)، (ح ۱۴۰۶)، اور البانی نے (صحیح سنن ابن ماجہ)، (۴۲۱/۱)، (ح ۱۱۶۳) میں صحیح قرار دیا ہے.

۳۰۳. صحیح ابن حبان، (۴۹۹/۴)، (ح ۱۶۲۰) اور البانی نے (صحیح موارد الظمآن)، (۴۲۹/۱)، (ح ۸۵۶) صحیح قرار دیا ہے.

کا ثواب اس کے علاوہ مساجد میں پڑھی جانے والی ایک لاکھ نماز سے افضل ہے، سوائے مسجدِ نبوی کے، کہ اس کی نماز سے مسجدِ حرام کی نماز سو گنا افضل ہے۔

اگر چہ حدیثِ رسول میں صرف نماز کے اجر کو بیان کیا گیا ہے کہ اس کی ایک نماز کے ثواب کو ایک لاکھ نماز کے ثواب تک بڑھا دیا گیا ہے، مگر اللہ تعالی کے اس فضل وعنایت میں نماز کے ساتھ دیگر اعمال و عبادات اور طاعات کو شامل کر دینے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے، مسجدِ حرام زمین کے اوپر اللہ تبارک وتعالی کا گھر ہے، اور اس کا زائر اللہ تعالی کا مہمان ہے، پس یہ اللہ تبارک وتعالی کے لئے لائق وزیبا ہے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت افزائی کرے، اس کی عمدہ ضیافت کرے اور اس پر اپنی نعمتوں کی بارش کرے، اور یہ اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے اپنے مہمان کی عزت افزائی اور حسنِ ضیافت ہے کہ اس نے اس کے اجر کو بڑھا دیا ہے اور اس کے ثواب میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے۔

چوتھی فصل

کعبہ کے خصائص

اس میں دس مباحث ہیں:

پہلا مبحث: اللہ تعالی کی عبادت کے لئے بنایا جانے والا پہلا گھر ہے.

دوسرا مبحث: اللہ تعالی نے اس کی تطہیر کا حکم فرمایا ہے.

تیسرا مبحث: اسے اللہ تعالی کی طرف نسبت رکھنے کا شرف حاصل ہے.

چوتھا مبحث: اس کے اندر مقامِ ابراہیم ہے.

پانچواں مبحث: لوگوں کے دل ہردم اس کا مشتاق ہوتے ہیں.

چھٹا مبحث: اس کا باضابطہ قصد کیا جاتا ہے.

ساتواں مبحث: کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہے.

آٹھواں مبحث: اس کا طواف کرنا مشروع ہے.

نواں مبحث: اس کے قریب ہی چاہِ زمزم ہے.

دسواں مبحث: کعبہ روئے زمین اور کائنات کا مرکز ہے.

پهلا مبحث

الله کی عبادت کے لئے بنایا جانے والا پهلا گهر هے

بیتِ عتیق کے اہم ترین فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ وہ زمین پر عام لوگوں کے لئے تعمیر کیا جانے والا اللہ کا پہلا گھر ہے تا کہ لوگ وہاں اللہ تعالی کی عبادت وبندگی کر سکیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَ هُدًى لِّلْعَالَمِينَ** [آل عمران: ۹۶] بیشک اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے، وہ ہے جو مکّہ میں ہے، اور تمام جہاں والوں کے لئے باعثِ برکت وہدایت ہے۔

آیت کے اندر اولیت کا معنی(304):

۱۔وہ پہلا گھر ہے جس میں برکت رکھی گئی ہے، اور جسے عبادت کے لئے بنایا گیا ہے، اور یہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ و دیگر لوگوں کا قول ہے۔

۲۔وہ مطلقاً زمین پر بنایا جانے والا پہلا گھر ہے، یہ سدّی کا قول ہے۔

۳۔اسے تمام زمینوں سے پہلے پیدا کیا گیا، پھر زمینوں کو اس کے نیچے پھیلا دیا گیا، یہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا قول ہے

۴۔کعبہ کی جگہ اس پہلے گھر کی جگہ ہے جس کو اللہ تعالی نے روئے زمین میں مقرر فرمایا، اس کے قائل قتادہ رحمہ اللہ ہیں۔

لیکن **صحیح قول** پہلا قول ہے جو کہ **علی** بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے اور ان کی طرف اس کی نسبت صحیح بھی ہے، اور چونکہ یہ مقام محلِ اجتہاد وقیاس نہیں ہے اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ **علی**

۳۰۴۔دیکھئے تفسیر الطبری، (۵/۵۹۲)؛ تفسیر البغوی، (۲/۷۷)؛ تفسیر ابن کثیر، (۱/۳۸۴)؛ تفسیر الرازی، (۸/۱۲۶)؛ التحریر والتنویر، (۳/۱۶۰)۔

رضی اللہ عنہ نے اسے نبی ﷺ سے سنے بغیر کہا ہوگا، اس طرح یہ مرفوع کے حکم میں ہے، یہی **ابن جریر الطبری، ابن کثیر** اور دیگر **محققین** کا اختیار کردہ قول ہے (305)۔

جہاں تک بقیہ اقوال ۔یعنی آخری تینوں اقوال ۔کی بات ہے تو وہ کتاب وسنت کی کسی دلیل اور نص پر قائم نہیں ہیں جب کہ ان کا تعلق غیبی امور سے ہے (306)۔

آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال :

۱۔**ابن کثیر** رحمہ اللہ آیتِ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (اللہ تعالی آگاہ فرما رہا ہے کہ لوگوں کے لئے بنایا جانے والا پہلا گھر، یعنی: عام لوگوں کے لئے بغرضِ عبادت وبندگی بنایا جانے والا گھر، تا کہ لوگ اس کا طواف کریں، اس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھیں، اور اس کے نزدیک اعتکاف کریں، (وہ گھر ہے جو مکّہ میں ہے، یعنی: جس کو ابراہیم خلیل علیہ السلام نے تعمیر کیا ہے)(307)۔

۲۔**رازی** رحمہ اللہ نے کہا ہے: (یہ جان لیں کہ آیتِ کریمہ کا فضل وشرف میں اولیت پر دلالت کرنا لابدی وضروری ہے، اس لئے کہ اس اولیت کو ذکر کرنے کا غرض اصلی بیان فضیلت ہی ہے، کیونکہ اصل مقصد خانۂ کعبہ کو بیت المقدس پر ترجیح دینا ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اسے فضل وشرف میں اولیت حاصل ہو...اور تمام قوموں کا اس پر اتفاق ہے کہ: اس گھر کو بنانے والے ابراہیم خلیل علیہ السلام ہیں ، جب کہ بیت المقدس کی تعمیر کرنے والے سلیمان علیہ السلام ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ خلیل علیہ السلام مرتبت ومنقبت کے اعتبار سے سلیمان علیہ السلام سے کافی آگے اور اوپر ہیں، اس اعتبار سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ کعبہ مشرفہ بیت المقدس سے افضل واعلی ہے) (308)۔

---

۳۰۵. دیکھئے: بیت اللہ الحرام الکعبۃ، (ص ۷۷)۔

۳۰۶. مرجع سابق، (ص ۷۶)۔

۳۰۷. تفسیر ابن کثیر، (۳۸۴/۱)۔

۳۰۸. التفسیر الکبیر، (۴۲۷/۸)۔

۴۔ **ابنِ عاشور** رحمہ اللہ نے کیا خوب تجزیہ پیش کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: (اس میں کوئی شک نہیں کہ کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا، قرآن کے اندر متعدد مقامات پر اس کا ذکر آیا ہے، اگر ان سے پہلے کے انبیاء کی طرف سے تعمیر کیا گیا ہوتا تو اس کی شان کے اظہار کے لئے ان کا بھی ذکر کیا جاتا، اور اگر ایسا ہوتا تو وہ روئے زمین کی پہلی تعمیر نہیں ہوتی جو ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں عمل میں آئی، اس لئے کہ ابراہیم سے قبل بھی ایسی قومیں اور ایسے زمانے پائے گئے ہیں جن میں عمارتیں پائی گئی ہیں، چنانچہ اس پر گفتگو کرنے کا مقصد اوائل تاریخ بیان کرنا نہیں ہے بلکہ اوائلِ اسبابِ ہدایت بیان کرنا ہے، پس آیت کے اندر اولیت اپنے حقیقی معنی میں ہے، یہی بات بیت کے اندر بھی پائی جاتی ہے، گویا آیت کا معنی یہ ہے: وہ برحق عبادت کا پہلا گھر ہے، جسے اعلانِ توحید کے لئے بنایا گیا ہے، اور اس کے لئے مقام قرینہ ہے، اور اللہ تعالی کا یہ قول بھی: **وُضِعَ لِلنَّاسِ**، جو اس بات کا مقتضی ہے کہ وہ کسی واضع کا وضع کردہ ہے جس کو اس نے لوگوں کی مصلحت کے لئے وضع کیا ہے، اور وہ کوئی رہائشی گھر ہوتا تو پھر یہ کہا جاتا کہ: جس کو لوگوں نے وضع کیا ہے، نیز اس کا ایک قرینہ بعد میں دو حالوں کا آنا ہے اور وہ دونوں حال ہیں: **مُبَارَكًا وَهُدًى لِلنَّاسِ** (309)

کعبہ اللہ کی وحدانیت کے اعلان کے لئے بنایا جانے والا پہلا عبادت خانہ ہے:

اس کو ثابت کرتے ہوئے **ابن عاشور** رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی کی وحدانیت اور اس کی پاکی بیان کرنے، پھر اس کا اعلان کرنے اور شرک کا ابطال کرنے کے لئے قائم کیا جانے والا پہلا عبادت خانہ کعبہ مشرفہ ہے، جس کو ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا، جنہوں نے دلائل کے ذریعہ سب سے پہلے بت پرستوں سے لوہا لیا، اور جنہوں نے سب سے پہلے اپنی قوت بازو سے بت پرستی کا قلع قمع کیا، اور بتوں کو پاش پاش کردیا، پھر اللہ کے ذکرِ دوام اور اس کی وحدانیت کے اثبات کے لئے اس عظیم عبادت گاہ کی تعمیر فرمائی، تاکہ ان کے بعد آنے والے ہر ایک شخص کو پتہ ہو کہ اس کی تعمیر پرستش

۳۰۹۔ التحریر والتنویر، (۱۶۰/۳)۔

بتاں کے ابطال کے لئے عمل میں آئی ہے، ویسے تو اس گھر کو وجود میں آئے صدیاں گذر گئیں مگر اس کی رؤیت اللہ تعالی کی یاد دلاتی رہتی ہے، اس گھر کی ایک خصوصیت تو اس کی اولیت ہے، اس کی دوسری خصوصیت اس کا خود ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں وجود میں آنا ہے جنہیں کسی اور شخص کی مدد حاصل نہیں تھی، اس اعتبار سے اس کا توحید اور رسالت دونوں سے، جو کہ مؤمنین کے ایمان کا مدار ہیں، گہرا رشتہ ظاہر ہوتا ہے، اور اس صفت کے اندر اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

پھر اللہ نے اس یادگار کی تجدید کے لئے اور دوسری قوموں تک اسے پھیلانے کے لئے اس کی طرف بقصدِ حج رُخ کرنے کا طریقہ رائج کیا، لہذا یہ ضروری تھا کہ اس شخص کے لئے جو ربوبیت حقہ کے جلال کو متحضر کرنا چاہتا ہو، اس کا استقبال تمام موجودات سے افضل قرار پائے، اور چونکہ اللہ کے دوسرے گھر مثلاً مسجد اقصی، اس کی تعمیر کے سیکڑوں سال بعد تعمیر ہوئے ہیں، لہذا وہی مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا) (310).

کعبہ نے توحید معنوی کو مادّی اور محسوس بنادیا:

کعبہ توحید کی علامت ہے، اور توحید قلب میں مستقر ہوتا ہے، اور یہ ایک معنوی شئی ہے، اور انسان ہمیشہ محسوس مادّی شئی کا محتاج ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے نفس کے اندر پائے جانے والے معنوی امور کی شناخت کرنا چاہتا ہے، اور لوگوں کی اس حاجت کی تکمیل کعبہ مشرفہ نے کردی، اور اس کے ساتھ روحوں کے گہرے تعلق اور دلوں کے اشتیاق کے پیچھے یہی راز کارفرما ہے۔

کعبہ مشرفہ اسی توحیدِ خالص سے اپنی عظمت وقداست حاصل کرتا ہے جس توحید نے اللہ تعالی پر ایمان رکھنے والے موحدین کے دلوں کو اس طرح آپس میں جوڑ رکھا ہے کہ ان سبھوں کو ایک ہی شخص کے دل میں سمو دیا ہے۔

اسی طرح کعبہ اس لئے بھی وجود میں آیا کہ ان موحدین کے رُخوں کو بھی یکجا کردے، اور ان کی

---

۳۱۰. التحریر والتنویر، (۳۲/۲).

نمازوں میں ان کا قبلہ بنے اوران کی توجہ کا اور حج کا مرکز ہو، گویا اس نے توحید کو محسوس معنوی شئی سے ملموس ماڈی شئی بنادیا، جس کا ادراک ہمیں تلبیہ سے ہوتا ہے جب وہ یہ کہتے ہیں: **لبیک الــــلھــــم لبیک، لبیک لا شـــــریک لک لبیک** (میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں ہے)، جس کے اندر وہ اللہ تعالی کے لئے توحیدِ خالص کا اعلان کرتے ہیں، جو شرک سے بالکل مبرّا اور ہر طرح کے شائبہ سے منزّہ ہوتا ہے، یہ تلبیہ اللہ تعالی کے محترم گھر کعبہ مشرفہ کی طرف متوجہ ہونے کے بعد ہی کہا جاتا ہے، جس کے ذریعہ اس رشتہ کو اور مضبوط بنایا جاتا ہے جو اللہ تعالی کی خالص وحدانیت کے درمیان اور اس کے قدیم گھر کعبہ مشرفہ کے درمیان پایا جاتا ہے۔

دوسرا مبحث

الله تعالی نے اس کی تطہیر کا حکم دیا ھے

بیت الحرام کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس کو حسّی اور معنوی طریقے سے پاک کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ ایسی جگہ بن کر رہے جہاں مختلف عبادتوں اور طاعتوں کے ذریعہ اللہ تعالی کی عبادت کی جاتی رہے، اور اس عظیم عمل کے لئے اللہ تعالی نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند اسماعیل علیہ السلام کا انتخاب فرمایا، اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے: **وَ عَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَ الْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ**[البقرة :١٢٥]

نیز اس کا ارشاد ہے: **وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئاً وَ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَ الْقَائِمِينَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُودِ**[الحج :٢٦].

تشریح عام:

اللہ تعالی کے قول: **وَ عَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمَاعِيلَ** ،یعنی: ہم نے ان دونوں کی طرف وحی کیا اور انہیں حکم دیا (311).

یہ بھی معنی بیان کیا گیا ہے: ہم نے ان دونوں پر اس کو لازم کر دیا، اور انہیں ایسا حکم دیا کہ ان پر اس کو ضروری ٹھہرا دیا (312).

اور اللہ تعالی کے قول: (**طَهِّرَا بَيْتِيَ**)یعنی: کعبہ کو پاک کرو، اور اس کو تخصیص وتفضیل کے لئے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے، یعنی: تم دونوں توحید وطہارت کی بنیاد پر اس کی تعمیر کرو)(313).

---

٣١١. دیکھئے تفسیر السعدی، (ص ٦٥).

٣١٢. التفسیر الکبیر، (١/٥٩٨).

٣١٣. تفسیر البغوی، (١/١١٤).

گویا اللہ تعالی نے ان دونوں کی طرف یہ وحی فرمایا کہ وہ اس کے محترم گھر کو معنوی طور پر کفر و شرک اور بتوں کی پرستش سے پاک وصاف کریں، اور حسّی طور پر نجاستوں، غلاظتوں اور گندگیوں سے پاک کریں۔ (نیز آیت کے اندر "**طـائـفيـن**" سے مراد: کعبہ کا طواف کرنے والے ہیں، اور "**الـرُّكَّعِ السُّـجُـود**" سے مراد: نماز پڑھنے والے ہیں، مطلب یہ کہ: میرے گھر کو طواف یا نماز کے ذریعہ عبادت کرنے والوں کے لئے پاک وصاف کریں، اور **الـرُّكَّع** : راکع کی جمع ہے، اور **السُّجُود**: ساجد کی جمع ہے)(314).

تطهيرِ كعبه كى صورتيں:

ابنِ عاشور رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (**خانہ کعبہ کی تطہیر سے مراد: ان محسوس نجاستوں سے پاک کرنا ہے جن پر خود لفظِ تطہیر دلالت کر رہا ہے،** یعنی اسے غلاظتوں اور گندگیوں سے محفوظ رکھا جائے تا کہ اس میں عبادت کرنے والا کسی پریشانی اور تکدر کے بغیر عبادت انجام دے سکے، **اور معنوی نجاستوں سے پاک کرنا ہے**، یعنی اسے ان چیزوں سے دور رکھا جائے جو اس کے مقصدِ تعمیر کے برخلاف ہیں، گویا اسے بتوں سے پاک رکھا جائے اور حق کے منافی اعمال، جیسے ظلم وعدوان اور فسق وفجور سے نیز مروءت کے منافی امور، جیسے مردوں اور عورتوں کا کپڑے کے بغیر ننگے طواف کرنے سے۔

اس بیان کے اندر اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مشرکین مسجدِ حرام کو آباد کرنے کے اہل نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے اسے ان چیزوں سے پاک نہیں رکھا جن سے اسے پاک رکھا جانا ضروری تھا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **وَ مَا لَهُـمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** [الأنفال:٣٤]

اور اللہ انہیں عذاب کیوں نہ دے گا، جب کہ وہ لوگوں کو مسجدِ حرام سے روکتے ہیں، اور وہ اس کے

٣١٤. أضواء البيان، (٤/٤٥٦).

متولی نہیں ہیں،اس کی ولایت کے حق دار تو صرف متقی لوگ ہیں،لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے

نیز اس کا ارشاد ہے: **يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا** [التوبة:٢٨](315).

اے ایمان والو! بلاشبہ مشرکین ناپاک ہوتے ہیں،اس لئے اس سال کے بعد وہ مسجدِ حرام کے قریب نہ آئیں.

مشرکین کے داخله پر پابندی کے بعد تطهیر مکمل هوگئی:

دین اسلامی کے ظہور اور اس کی قوت وشوکت میں اضافہ کے بعد نبی ﷺ نے مشرکین کو حج کرنے اور خانۂ کعبہ کا عریاں ہوکر طواف کرنے سے منع فرمادیا.

یہ روایت آتی ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع سے پہلے کے حج میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا،اور انہیں قربانی کے دن ایک جماعت کے ساتھ لوگوں میں یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ: (**أَلَا لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ**) (316).

خبردار! اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے،اور نہ کوئی ننگا آدمی خانۂ کعبہ کا طواف کرے.

نبی ﷺ کی طرف سے کعبه کی تطهیر ابراهیم علیه السلام کی تطهیر سے مقتبس هے:

اگر اللہ تعالی نے کعبہ کی تعمیر کرنے اور اسے پاک کرنے کا شرف ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کو بخشا ہے تو ہمارے نبی وحبیب محمد ﷺ کو اس سے بڑا وعظیم ومکمل شرف عطا کیا ہے،اور وہ شرف ہے خانۂ کعبہ کو شرک کی گندگیوں سے پاک کرنا اور ان بتوں کی پرستش سے بچانا جنہیں کفار ومشرکین نے کعبہ کے چاروں

---

٣١٥. التحرير والتنوير، (١١٤/١).

٣١٦. صحيح البخاري، (١٥٨/٤)، (ح ١٦٢٢).

طرف نصب کر رکھا تھا اور جن کی اللہ کے علاوہ پوجا کی جاتی تھی، اگر چہ ابراہیم علیہ السلام نے اسے ابتدا میں خالص اللہ تعالی کی عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا، جس میں شرک کی ادنی آمیزش نہیں تھی، مگر مرورِ زمانہ کے ساتھ مشرکین نے اسے بتوں سے بھر دیا، جن کی اللہ جل وعلا کے ساتھ پرستش کی جاتی تھی، ان بتوں سے کعبہ کی تطہیر بہت بڑا چیلنج اور بہت بڑی ذمہ داری تھی جسے ہمارے نبی ﷺ کی گردن پر ڈال دی گئی تھی، مگر اسے آپ نے بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیا، اور صرف یہی کارنامہ انجام نہیں دیا بلکہ یہ شرف اس وقت اپنی انتہا کو پہنچ گیا جب اللہ تعالی نے یہ حکم فرمایا کہ کوئی بھی مشرک یا کافر اس کے گھر کا طواف نہ کرے، اور اس میں خلافِ مروءت اور خلافِ اخلاقِ کریمانہ کوئی عمل انجام نہ دیا جائے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کیا کہ اللہ تعالی نے اس کے چاروں طرف مکانی باڑ قائم کردیا تاکہ اس میں کوئی کافر یا مشرک داخل نہ ہو سکے، اور ایسا حرم اور کعبہ مشرفہ کی حد درجہ تطہیر کے غرض سے کیا گیا، نیز اللہ تعالی نے قیامت تک کے لئے اس تطہیر کا ذمہ لے لیا، اس سے ہمارے نبی محمد ﷺ کا شرفِ عظیم ہویدا ہوتا ہے۔

تیسرا مبحث

کعبه کو الله تعالی کی طرف نسبت رکھنے کا شرف حاصل هے

بیت الحرام کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب کی متعدد آیات میں اسے اپنی ذاتِ شریفہ عالیہ کی طرف منسوب کر کے اس کے شرف کو دوبالا اور اس کے مقام ومرتبہ کو بلند وبالا کر دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک وہ کتنا عظیم بالشان ہے، اور وہ اس کے ذکر کی بلندی، اس کے شان وشوکت کی عظمت اور اس کے قدر ومنزلت کی رفعت کا کس قدر خواہاں ہے، ان آیات میں سے بعض آیتیں یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ** [البقرة:۱۲۵]

۲۔ نیز اس کا ارشاد ہے: **وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ** [الحج:۲۶].

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی کی طرف اس گھر کی نسبت کے اندر بیت الحرام کی عظمت و شرف پنہاں ہے، اور اس کے فضل وشرف کے لئے یہ اضافت کافی ووافی ہے (317).

اس اضافت کے فوائد :

اس اضافتِ مبارکہ کے فوائد میں سے کچھ وہ ہیں جنہیں **السعدی** رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے: (باری تعالی نے بیت الحرام کو اپنی طرف بعض فوائد کے تحت منسوب کیا ہے جن میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ: یہ نسبت اس بات کی مقتضی ہے کہ ابراہیم واسماعیل علیہما السلام اس کی تطہیر کا خوب سے خوب اہتمام کریں،

---

۳۱۷. دیکھئے: التحرير و التنوير، (۲۴۱/۱۷).

کیونکہ اسے اللہ کا گھر ہونے کا شرف حاصل ہے،اور وہ دونوں اپنی ساری طاقت **وقوت** اس میں جھونک دیں،نیز ایک **فائدہ** یہ ہے کہ: یہ نسبت **تشریف** وا کرام کا تقاضہ کررہی ہے جس کے دامن میں اللہ تعالی کا یہ حکم پوشیدہ ہے کہ اس کے بندے بھی اس کی تعظیم وتکریم میں کوئی کوتاہی نہ کریں،نیز ایک **فائدہ** یہ ہے کہ: یہی نسبت لوگوں کے قلوب کو کھینچنے والی ہے)(318).

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ(اسی اضافت نے دنیا والوں کے دلوں کو اس جانب متوجہ کیا ہے،اور ان کے نفوس کو اس کی محبت اور اس کے شوقِ دیدار سے معمور کیا ہے، جب محبت کرنے والے کسی چیز سے محبت کرتے ہیں تو ان کا یہی حال ہوتا ہے،ان کو کبھی آسودگی نہیں ملتی،وہ جتنی بار اس کا دیدار کرتے ہیں ان کی محبت واشتیاق میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہتا ہے) (319).

۳۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ** [قریش:۳] یعنی:انہیں چاہئے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں.

بیت سے مراد: کعبہ مشرفہ ہے،اور اشارہ تعظیم کا فائدہ دے رہا ہے (320)،اور اللہ تعالی نے ربوبیت کو بیت کے ساتھ خاص کیا ہے،تاکہ اس کے فضل وشرف کا بیان ہو سکے،ورنہ تو اللہ تعالی ہر چیز کا رب ہے (321).

(اور لوگوں کے سامنے اپنی تعریف اس طرح بیان کرنا کہ وہ اس گھر کا رب ہے،اس میں دو باتیں پائی جاتی ہیں؛ایک یہ کہ:ان کے یہاں بت پائے جاتے تھے چنانچہ خود کو ان سے الگ قرار دیا ہے،دوسری یہ کہ:اس بیت کی وجہ سے انہیں باقی عرب اقوام پر برتری حاصل تھی

---

۳۱۸. دیکھئے تفسیر السعدی،(ص ۶۵).

۳۱۹. مصدر سابق،(ص ۱۴۰)

۳۲۰. دیکھئے: تفسیر الرازی،(۳۲/۱۰۱).

۳۲۱. دیکھئے: تفسیر السعدی،(ص ۹۳۵).

چنانچہ اس کو بیان کر کے انہیں اپنی اس نعمت کی یاد دلائی ہے (322).

۴۔ اللہ کا ارشاد ہے: **إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَـٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ** [النمل: ۹۱]. اس کے اندر اللہ تعالی نے شہر کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جس شہر سے مراد مکّہ مکرّمہ ہے. (یعنی: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنی عبادت اور توحید کو اس اللہ کیلئے خاص کروں جو اس شہر کا رب ہے، یعنی مکّہ مکرّمہ کا، دیگر شہروں کے علاوہ اس کو خصوصیت کے ساتھ بیان کرنے کی وجہ یہ کہ وہ اس کی طرف منسوب ہے، اس کے نزدیک وہ سب سے محبوب ومحترم شہر ہے، اور اس کی طرف جو اشارہ ہے وہ اشارۂ تعظیم ہے، کیونکہ وہ اس کے نبی ﷺ کی جائے پیدائش اور اس کی وحی کا گہوارہ ہے)(323) نیز اس میں اس کا حرم اور اس کا گھر ہے.

کعبہ کے لئے مکّہ کو اختیار کئے جانے کی حکمت:

کوئی سائل یہ سوال کرسکتا ہے یا کسی کے دل میں یہ بات آسکتی ہے کہ جب اللہ تعالی نے بیت الحرام کو اپنی ذاتِ شریفہ کی طرف منسوب کیا ہے تو آخر مکّہ کو اس کے مستقر کے طور پر کیوں منتخب فرمایا؟ جب کہ وہ بے آب وگیاہ خشک علاقہ ہے، اور اس کے علاوہ بہت سے آباد وشاداب علاقے ہیں، جہاں نہریں بہتی ہیں، جہاں خوشنما باغیچے ہیں، جو اللہ تعالی سے نسبت رکھنے کے اس کے شرف کے عین مطابق علاقے تھے، تو اس سوال کے جواب کی ذمہ داری ہم امیر الشعراء: احمد شوقی پر ڈالتے ہیں جو اس سوال اور خیال کا جواب اپنے پرکشش الفاظ وانداز میں دیں گے، چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں:

(اگر اللہ تعالی چاہتا تو وہ اپنا گھر مصر کے کسی نہر فیاض کے کنارے یا باغ وبہار والے وادی میں بنا سکتا تھا، اگر اللہ چاہتا تو شام میں سایہ دار درختوں کے بیچ بہنے والی نہروں، دیدہ زیب وبارونق ٹیلوں، پھلوں سے لٹکی ہوئی شاخوں اور پھولوں وپھلوں سے لدی ہوئی ٹہنیوں کے درمیان اپنا گھر تعمیر کرسکتا تھا، اور

۳۲۲. دیکھئے: تفسیر الماوردی، (۶/۲۲۸).

۳۲۳. تفسیر الخازن، (۵/۱۹۱).

اگر اللہ ۔جلت قدرتہ۔چاہتا تو اپنے گھر کو ظالموں جابروں اور گذرے زمانہ کے شاہوں کی ناکوں پر کھڑا کرسکتا تھا، اور اگر وہ چاہتا تو ان کے بتوں اور معبودوں کو آراستہ کمروں اور عالی شان گنبدوں کے نیچے بچھا کر اور سجا کر ان کے سروں پر اپنے گھر کی تعمیر کرسکتا تھا، لیکن جب اس نے ام القری (مکّہ مکرمہ) کی طرف دیکھا تو اس کے اندر اپنی سلطنت کے ناموس کے لئے عاجزی وانکساری محسوس کیا، اور اپنے غنی و احسان کا اسے ہی ضرورت مند سمجھا، نیز وہاں ایسا خشوع دیکھا جس سے ایمان جلد مانوس ہوسکتا تھا، اور ایسی خاموشی دیکھا جس سے عبادت اطمینان محسوس کرسکتی تھی ، اور ایسی تنہائی دیکھا جس میں توحید کا معنی پایا جاتا تھا، چنانچہ اس نے اپنے حواری اور اپنے نبی اور اپنے خلیل اور صفی ابراہیم کو حکم دیا کہ وہ اسی وادی میں اس کے گھر کی بنیاد اٹھائیں، اور انہیں گھاٹیوں کے درمیان اس کی وحدانیت کا منار نصب کریں...گھر تعمیر ہوا تو جلال وعظمت اس کے پردے ہوئے، حق اس کا حائط ودیوار ہوا،توحید اس کا مظہر ومنار ہوا، انبیاء اس کے معمار ہوئے اور اللہ تعالی اس کا رب اور جار ہوا... اللہ تعالی نے اسے عظیم وجمیل ذکر اور بلند وبالا شان سے نوازا جیسا ذکر وشان کسی بھی منارۂ حق کو حاصل نہیں ہوا، نہ کسی قدیم کو اور نہ کسی جدید کو، عبادت کے صلہ، حج کی فضیلت، بانی کے شرف، قدامتی جمال اور تاریخی جلال میں کوئی بھی اس کا ہمسر نہ ہوا)(324).

---

۳۲۴. احمد شوقی، الأعمال النثرية، المجلس الأعلى للثقافة. مصر، (۲۰۰۷ء)، (ص ۲۳۱_۲۳۳).

چوتھا مبحث

اس کے اندر مقامِ ابراھیم ھے

بیتِ عتیق کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے اندر مقامِ ابراہیم ہے، اور یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام اس وقت کھڑے ہوئے تھے جب کعبہ کی عمارت بلند ہوگئی تھی اور پتھر اٹھانا مشکل ہوگیا تھا، چنانچہ وہ اس پر کھڑے ہوکر تعمیر کا کام کرتے اور اسماعیل علیہ السلام انہیں پتھر دیتے اور اس کو کعبہ کے چاروں طرف گھماتے رہتے یہاں تک کہ تعمیری کام انتہا کو پہنچ گیا (325).

مقامِ ابراھیم قرآن کریم میں:

اللہ تعالی نے قرآنِ کریم کے اندر دو جگہوں پر مقامِ ابراہیم کا ذکر فرمایا ہے:

پہلی جگہ: اپنے اس قول میں: **وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى** [البقرة :۱۲۵] یعنی: تم لوگ مقامِ ابراہیم کو مصلی بنالو.

اور **عمر** بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کاش ہم لوگ مقامِ ابراہیم کو مصلّی (جائے نماز) بنا لیتے تو اس کے جواب میں یہ آیت **وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى** نازل ہوئی (326).

اور **عبداللہ** بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: **(قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعاً، وَ صَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ)** (327).

نبی ﷺ مکہ تشریف لائے تو خانۂ کعبہ کا سات چکر لگائی، اور مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا فرمائی.

---

۳۲۵. دیکھئے تفسیر الطبری، (۲۳۲/۱۳).

۳۲۶. صحیح البخاری، (۱۵۷/۱)، (ح ۳۹۳).

۳۲۷. صحیح البخاری، (۵۸۸/۲)، (ح ۱۵۲۷).

دوسری جگہ: اللہ تعالی کے اس قول میں: **فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ**[آل عمران :۹۷]، یعنی: اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، مقامِ ابراہیم ہے۔

(مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ) مبتدا ہے، اور خبر محذوف ہے، یعنی: **ومنها مقام ابراهيم** (328)، اور یہ بھی کہا گیا ہے: **(مقام إبراهيم)** اللہ تعالی کے قول: **(آيات بينات)** کا عطفِ بیان ہے (329).

زمخشری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (اگر تم یہ کہو کہ: جمع کا بیان واحد کے ذریعہ کیونکر صحیح ہے؟ تو میں کہوں گا کہ: اس کی دو وجہیں ہیں: **پہلی وجہ یہ کہ:** اس ایک آیت کو کئی آیات کی جگہ پر رکھ دیا جائے، اس کے ظہورِ شان، اور اللہ تعالی کی قدرت اور ابراہیم علیہ السلام کی نبوت پر اس کی قوت دلالت کی بنا پر کہ ان کے قدمِ مبارک کا اثر ایک مضبوط چٹان پر ظاہر ہو گیا، جیسے کہ اللہ تعالی یہ قول ہے: **إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتاً لِلَّهِ حَنِيفاً** [النحل :۱۲۰]، بیشک ابراہیم ایک امت (تمام خوبیوں کے مالک تھے)، اللہ کے فرمانبردار تھے، سب سے کٹ کر اللہ کے ہو گئے تھے۔

دوسری وجہ یہ کہ: وہ کئی آیات پر مشتمل ہے، چکنے چٹان پر قدم کا اثر ہونا ایک آیت ہے، پھر اس کے اندر ٹخنوں تک پاؤں کا دھنس جانا ایک آیت ہے، چٹان کے بعض حصے کا نرم ہو جانا اور بعض کا نہیں، ایک آیت ہے، دوسرے انبیا علیہم السلام کی آیات کے برخلاف اس آیت کا باقی رہنا خاص ابراہیم علیہ السلام کی آیت ہے، اور مشرکین و اہل کتاب و ملاحدہ جیسے اس کے بیشمار دشمنوں کے ہوتے ہوئے اس کا ہزاروں سال سے محفوظ چلا آنا بھی ایک آیت ہے)(330).

(اور مقامِ ابراہیم میں یہ آیت ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہوئے تو ان کے

۳۲۸. دیکھئے: التبیان فی علوم القرآن، ابوالبقا العکبری، (۲۸۱/۱).

۳۲۹. دیکھئے: الکشاف، (۴۱۵/۱).

۳۳۰. مصدر سابق، وہی جز ء اور وہی صفحہ

دونوں قدم کا اس پر اثر ظاہر ہو گیا، اور یہ اللہ تعالی کی قدرت اور ابراہیم علیہ السلام کی صداقت کی دلیل بن گیا)(331).

مقامِ ابراهیم کی شرکیه رسوم و رواج سے حفاظت:

مقامِ ابراہیم کے اندر پائے جانے والے مذکورہ خصائص وآیات کے علاوہ اس کا شرف اس وقت انتہا کو پہنچ جاتا ہے، اور اس کا اعجاز اس وقت آخری حد کو پار کر جاتا ہے جب اللہ تعالی اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے اس نشان کی حفاظت فرماتا ہے، حالانکہ لوگ ان سے بے انتہا محبت کرتے ہیں، اور ان کی شریعت وطریقہائے عبادت کے باقیات شرک وبت پرستی کے زمانوں میں کافی حد تک متاثر ہو جاتے ہیں، مگر اللہ سبحانہ وتعالی مقامِ ابراہیم کو بُت بنا لئے جانے یا عبادت کے لئے وثن قرار دیئے جانے سے بچا لیتا ہے، جب کہ اس قسم کی شرکیہ عبادت اس زمانے میں زور وشور سے رائج تھی، لیکن آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ مشرکین میں سے کسی نے مقامِ ابراہیم یا حجرِ اسود کی پرستش کی ہے، اور اس کے پیچھے یہ حکمت کارفرما رہی ہے (کہ اگر جاہلیت میں ان دونوں کی پرستش کی گئی ہوتی، پھر اسلام حجرِ اسود کے استلام اور مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے کے حکم کے ذریعہ ان کی تعظیم کا حکم دیتا تو منافقین اور دشمنانِ اسلام یہ کہتے کہ: اسلام بعض بتوں کے احترام کو تسلیم کرتا ہے، اور وہ شرک کے اثرات سے محفوظ نہیں ہے، اور ان دونوں میں سے کسی ایک کی عبادت کرنے والے کو دونوں کی عبادت کرنے کی دلیل مل جاتی)(332).

اور دنیا کی کسی قوم کے پاس اس طرح کی کوئی نشانی نہیں ہے جس کو اللہ تعالی نے اتنا لمبا عرصہ گزرنے کے بعد بھی محفوظ رکھا ہو جس طرح اس نے مسلمانوں کے لئے مقامِ ابراہیم اور حجرِ اسود کو محفوظ رکھا ہے، اور جو قیامت تک محفوظ رہیں گے.

---

۳۳۱. زاد المسیر، ابن الجوزی، (۱/۴۲۷).

۳۳۲. مقام ابراہیم محمد طاہر الکردی المکی (ص ۱۰۷).

لوگوں کی پیدا کردہ بدعت:

بعض لوگوں کی طرف سے مقامِ ابراہیم کے نزدیک عمل میں لائی جانے والی بدعتوں میں سے ایک: **اس کو چھونا اور اس کا بوسہ لینا** ہے، جس کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے، اس بارے میں قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

(لوگوں کو اس کے پاس نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، اسے چھونے کا نہیں، مگر اس امت نے کچھ ایسی چیزوں کا التزام کرلیا ہے جن کا ماضی میں کسی نے التزام نہیں کیا تھا)(333).

اس بدعت کی لاکھ برائی کے باوجود وہ مظاہرِ شرک کا کوئی مظہر بننے کی پوزیشن میں نہیں ہے، کیونکہ اس کا صدور ان بعض جاہلوں کی طرف سے ہوتا ہے جن کے اندر جذباتیت مستحکم ہوتی ہے، اور ان کی اسی جذباتیت کے نتیجے میں ان سے اس بدعت کا صدور ہوتا ہے، یہ ان کے عقیدہ وایمان کی عکاس نہیں ہے۔

---

۳۳۳. المناسک، ابن ابی عروبہ، (ص ۳۵).

پانچواں مبحث

لوگوں کے دل ہر دم اس کا مشتاق ہوتے ہیں

بیتِ عتیق کی نمائندہ صفات میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کے دل اس کا مشتاق، اوران کی روحیں اس کے لئے بےچین ہوتی ہیں، اسی پر اللہ تعالی کا یہ قول دلالت کررہا ہے: **وَ إِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَ أَمْنًا** [البقرة:١٢٥]

(اس کے ذریعہ اللہ تعالی اپنے بندوں کو اپنے فضل سے آگاہ فرمارہا ہے، اوراپنی نعمتوں کا شمار کرارہا ہے جن میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ اس نے اسے عربوں کے لئے عموماً اور قریش کے لئے خصوصاً بار بار لوٹ کرآنے کا مقام بنادیا، یعنی ہر سال لوگ وہاں آتے رہیں گے، کہا جاتا ہے: ثاب الی کذا، یعنی: اس کی طرف رجوع کیا اور دوبارہ آیا)(334).

مثابة کا لغوی معنی:

رازی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (**اہلِ لغت نے کہا ہے**: اس کا اصل ثاب یثوب مثابة وثوباً سے ہے، جب واپس آئے، کہا جاتا ہے **ثاب الماء**، جب پانی منقطع ہونے کے بعد نہر کی طرف واپس آئے، **وثاب إلى فلان عقلُه**: جب اس کی عقل واپس آجائے، اور کہتے ہیں: **تفرّق عنه الناس ثمّ ثابوا**، یعنی: لوگ اس سے متفرق ہونے کے بعد واپس آگئے)(335).

آیت کا معنی: (ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لوٹنے اور واپس آنے کا مقام بنادیا ہے، جہاں وہ ہر سال آئیں گے، اوراس کی طرف واپسی کرتے رہیں گے، اورکبھی آسودگی حاصل نہیں کریں گے)(336).

---

٣٣٤. احکام القرآن، ابن العربی، (١/٧٥).

٣٣٥. التفسیر الکبیر، (٤/٥٧).

٣٣٦. تفسیر الطبری، (١/٥٣٢).

آیت کی تفسیر کا خلاصہ:

ابن کثیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (اس آیت کی تفسیر میں واردان ائمہ کی تشریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ: اللہ تبارک وتعالی اپنے گھر کے شرف کو بیان کررہا ہے اوراس صفت کوجس سے اسے شرعی وتعظیمی طور پر متصف کیا ہے، اوروہ یہ کہ وہ لوگوں کے لئے مثابہ ہے، یعنی: اس نے اسے ایسا مقام بنایا ہے جس کے لئے روحیں مضطرب اور بے چین ہوں گی، انہیں کبھی سیرابی حاصل نہیں ہوں گی، اگر چہ (ہر سال اس کی زیارت سے مشرف ہوں) اللہ تعالی کی جانب سے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کوشرفِ قبولیت سے نوازے جانے کے نتیجے میں: (**رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ**)إلى أن قال: (**رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاء**)[ابراھیم:۳۷۔۴۰](337).

اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد کوتمہارے محترم گھر کے پاس بے آب وگیاہ وادی میں ٹھہرایا ہے ...اے ہمارے رب!تو میری دعا کوقبول فرمالے.

خانۂ کعبہ کو مثابہ بنائے جانے کی حکمت:

اللہ تعالی نے ایسا اس کےاندر پائے جانے والے دینی ودنیوی منافع کی بنیاد پر کیا ہے،
دنیوی منافع اس طرح ہے کہ: وہاں مشرق ومغرب کےلوگ جمع ہوں گے، جس کی وجہ سے انہیں خرید و فروخت اور نفع بخش کاروبار کرنے کےمواقع دستیاب ہوں گے جن سے وہ خاطر خواہ طور پر مستفید ہوسکیں گے، نیز سفرِ حج کے سبب راستوں اورشہروں کوآباد اوردنیا کےمختلف حالات کا مشاہدہ کیا جاسکے گا، جہاں تک **دینی منافع** کی بات ہے تو یہ اس طرح پائے جاتے ہیں کہ جوشخص اس خواہش کے ساتھ خانۂ کعبہ کا قصد کرتا ہے کہ وہ اعمالِ حج وعمرہ ادا کریگا، اللہ تعالی کا تقرب حاصل کریگا، اپنی عبدیت کا اظہار اورطواف وعمرہ کی ادائیگی کرے گا اور مسجدِ حرام کے اندرنماز پڑھے گا، اس میں اعتکاف کریگا تو وہ اپنے ان اعمال کی وجہ سے

۳۳۷۔ تفسیر ابن کثیر، (۱۶۹/۱).

اللہ تعالی کے نزدیک ثواب عظیم کا مستحق ہوتا ہے)(338).

کعبہ اور دینی و دنیوی منافع:

بے نظیر و بے مثال عالمی کانفرنس کی صورت میں تمام مسلمانوں کا ہر سال ایک جگہ جمع ہونا، آپس میں ایک دوسرے کے حالات سے مطلع ہونا اور مسلمانوں کے مسائل پر غور وفکر کرنا، دینی و دنیوی اعتبار سے بڑے فائدے کی چیز ہے، چنانچہ بیت اللہ الحرام کے حج کے علاوہ دنیا کی دوسری چیز کے اندر اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کو، ان کے رنگ و نسل کے اختلاف اور ان کے نقطہائے نظر و طریقہائے فکر کے تنوع کے باوجود یکجا کرلے، جہاں سب کے سب بیک آواز توحید کا اعلان کررہے ہوں، اسلام کی عزت و سطوت اور قوت کا برسرِ عام اظہار کررہے ہوں، اور جو ان مناسک کی طرف ساری انسانیت کی نظروں کو مبذول کرارہے ہوں جن کی ادائیگی کے لئے وہ جمع ہوئے ہیں اور جن کی عظمت و قداست مسلمانوں کے دلوں کی گہرائیوں میں پیوست ہیں، جس خوش کن نظارہ کو دیکھ کر ہزاروں غیر مسلم شرف بہ اسلام ہوچکے ہیں، اور ضلالت کی راہوں پر بھٹک رہے کتنے ہی ابنائے مسلمین اس کا مشاہدہ کرکے تائب و فائز ہوچکے ہیں.

خانۂ کعبہ کا دلوں کو کھینچنا مقناطیس کا لوہے کو کھینچنے سے زیادہ عظیم ہے:

اس بارے میں **ابن القیم** رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (اس تفضیل و اختصاص کا راز دلوں کو اپنی طرف کھینچنے اور قلوب کا اس شہرِ امین کی محبت و عقیدت کی طرف میلان رکھنے میں پوشیدہ ہے، چنانچہ اس کا دلوں کو اپنی طرف کھینچنا مقناطیس کا لوہے کو کھینچنے سے بڑھ کر ہے.

اسی بنا پر اللہ تعالی نے یہ بیان فرمایا ہے کہ کعبہ لوگوں کے لئے مثابہ ہے، یعنی: لوگ سال بہ سال

---

۳۳۸. التفسیر الکبیر، (۵۷/۴).

تمام اقطار و بلاد سے اس کی طرف آتے رہیں گے مگر اس سے ان کو سیرابی حاصل نہ ہوگی، بلکہ جتنی زیادہ اس کی زیارت کریں گے اتنی ہی زیادہ اس کا اشتیاق بڑھتا جائے گا۔

واللہ! اس کی محبت نے کتنوں کو قتل کیا، لوٹا اور گھائل کیا، اور اس کی چاہت میں کتنے پیسوں اور جانوں کا نذرانہ پیش کیا گیا، اس کے دیوانوں نے خود کو خوف و ہلاکت اور الجھن و پریشانی کے سامنے پیش کر کے اپنے جگر گوشوں، اہلِ خانہ، ملک و وطن اور دوست و احباب سے بچھڑنا گوارا کر لیا، پھر وہ اس سے مسرور و محظوظ بھی ہوتے رہے، اور اس کو۔ اگر اس کے دل میں سلطانِ محبت ظاہر ہو۔ وہ آسودہ حال لوگوں کی نعمتوں اور ان کی لذت و فراوانی سے زیادہ قیمتی شئی سمجھتا ہے)(339).

۳۳۹۔ زاد المعاد، (۵۱/۱) معمولی تصرف کے ساتھ

چھٹا مطلب

اس کے لئے بالقصد سفر کیا جاسکتاہے

مسجدِ کعبہ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ وہ ان تین مساجد میں سے ایک ہے جن کا ثواب کی نیت سے سفر کیا جاسکتا ہے، البتہ یہ ان تینوں میں سب سے افضل مسجد ہے۔

دلائل :

۱۔**ابو سعید** خدری اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: **لا تشــــــــد الرِّحَال** (340)**إِلَّا إِلَـى ثَلاثَةِ مَسَـاجِـدَ: مَسْـجِـدِ الْـحَـرَامِ، وَ مَسْـجِـدِى ، وَ مَسْجِدِ الأَقصى**"(341)(342)۔

ثواب کی نیت سے صرف تین مساجد کی طرف سفر کیا جاسکتا ہے: مسجدِ حرام، میری مسجد (مسجدِ نبوی)، اور مسجدِ اقصیٰ کی طرف۔

۲۔**ابو ہریرہ** رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**إِنَّـمَـا يُسَـافَرُ إِلَى ثَلاثَةِ مَسَاجِدَ : مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ ، وَ مَسْجِدِى ، وَ مَسْجِدِ إِيلِيَاء**(343)(344)۔

صرف تین مساجد کی طرف سفر کیا جاسکتا ہے: کعبہ کی مسجد، میری مسجد، اور ایلیاء کی مسجد کی طرف۔

---

۳۴۰. (**الرِّحَالُ**): جمع ہے رحل (کجاوہ) کی، اور یہ اونٹ کے لئے ہے، جس طرح زین گھوڑے کے لئے ہے، اور شد رحال (کجاوہ باندھنا) کنایہ ہے سفر سے، اس لئے کہ یہ سفر کے لئے لازمی شئی ہے، دیکھئے: فتح الباری ، (۶۴/۳)۔

۳۴۱. (**مَسْجِدِ الأَقْصَى**): مسجد حرام سے دور ہونے کی وجہ سے اسے اقصیٰ نام دیا گیا ہے دیکھئے: شرح النووی علی صحیح مسلم ، (۱۶۸/۹)۔

۳۴۲. صحیح البخاری، (۷۰۳/۲)، (ح ۱۸۹۳) ؛ صحیح مسلم، (۱۰۱۴/۲)، (۱۳۹۷)۔

۳۴۳. (**وَمَسْجِدِ إِيلِيَاء**): اس سے مراد بیت المقدس ہے، دیکھئے: شرح النووی علی صحیح مسلم، (۱۶۸/۹)۔

۳۴۴. صحیح مسلم، (۱۰۱۵/۲)، (ح ۱۳۹۷)۔

۳۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں جبلِ طور کے پاس آیا، اس کے بعد میری ملاقات بصرہ بن ابی بصرہ الغفاری سے ہوئی، انہوں نے پوچھا: آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ میں نے کہا: طور سے آرہا ہوں، انہوں نے کہا: اگر وہاں جانے سے پہلے آپ سے ملاقات ہوگئی ہوتی تو آپ وہاں نہیں جاتے، میں نے کہا: ایسا کیوں؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

(لَا تُعْمَلُ (345) **الْمَطِي**(346)**إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَ مَسْجِدِي، وَ مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ)**(347).

اونٹنی کو نہیں ہنکایا جائے گا مگر تین مساجد کی طرف: مسجدِ حرام، میری مسجد، اور بیت المقدس کی مسجد کی طرف۔

۴۔جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(إِنَّ خَيْرَ مَا رُكِبَتْ إِلَيْهِ الرَّوَاحِلُ مَسْجِدِي هَذَا ، وَ الْبَيْتِ الْعَتِيقِ)**(348).

جن کی طرف سفر کرنا بہتر ہے، ان میں سے ایک میری یہ مسجد اور دوسرا بیتِ عتیق (کعبہ مشرفہ) ہے۔

وجہ دلالت: مذکورہ بالا احادیث سے ان تینوں مساجد کی فضیلت، دیگر مساجد پر ان کی برتری، اور ان کی طرف سفر کرنے کی منقبت ثابت ہوتی ہے۔

ان کی طرف شدّ رحال کا سبب:

اللہ تعالی کے دوسرے گھروں کے بجائے ان تین مساجد کی طرف شدّ رحال کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی مساجد ہیں، مسجدِ حرام مسلمانوں کا قبلہ اور ان کا مقامِ حج ہے اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد وہ مسجد ہے جس کی تاسیس تقوی پر ہوئی ہے، اور مسجدِ اقصی اقوامِ سابقہ کا قبلہ رہی ہے (349)،

۳۴۵۔ (**لَا تُعْمَلُ**): یعنی نہیں بھگایا اور ہنکایا جائے گا، دیکھئے: النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر، (۳۰۱/۳).

۳۴۶۔ (**الْمَطِي**): جمع ہے مطیّۃ کی، وہ اونٹ جس کی پیٹھ پر سواری کی جائے۔ دیکھئے: مرجع سابق، (۳۴۰/۴).

۳۴۷۔ سنن النسائی، (۱۱۴/۳)، (ح ۱۴۳۰) اور البانی نے (صحیح سنن النسائی)، (۴۶۱/۱)، (ح ۱۳۴۹) میں صحیح ٹھہرایا ہے۔

۳۴۸۔ مسند احمد، (۳۵۰/۳)، (ح ۱۴۸۴۴) اور البانی نے (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ)، (۳۹۴/۲)، (ح ۱۶۴۸) میں صحیح قرار دیا ہے۔

۳۴۹۔ دیکھئے: عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، العینی، (۲۵۴/۷).

اور مسجدِ حرام کو ان دونوں پر فضیلت رکھنے کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے: (جس نے کسی ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی جہاں وہ سواری کے ذریعہ ہی پہنچ سکتا ہے، تو وہ اپنے شہر میں نماز پڑھ لے گا، الا یہ کہ وہ مکہ کی مسجد (مسجدِ حرام) یا مدینہ کی مسجد (مسجدِ نبوی) یا مسجدِ اقصی میں نماز پڑھنے کی نذر مانا ہو، تو وہ وہاں کا سفر ضرور کریگا) (350).

اور (جاہلیت کے لوگ بزعمِ خویش محترم مقامات کی زیارت اور ان سے تبرک حاصل کرنے کے لئے سفر کیا کرتے تھے، اور اس کے اندر جو تحریف وفساد موجود ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے فساد کی راہ کو بند فرما دیا، تا کہ شعائر غیر شعائر سے نہ مل جائیں اور یہ غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ نہ بن جائے) (351).

ابن حجر رحمہ اللہ نے **سبکی** رحمہ اللہ سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے: (روئے زمین کے کسی خطے کے اندر بذاتِ خود کوئی ایسی فضیلت نہیں ہے کہ اس کی طرف شدّ رحال کیا جائے بجز تین شہروں کے، اور فضیلت سے میری مراد: وہ فضیلت ہے جس کے اعتبار کی شریعت نے اجازت دی ہے اور جس پر کسی شرعی حکم کو مرتب کیا ہے، ان تین شہروں کے علاوہ بحیثیت شہر کسی اور کی طرف سفر نہیں کیا جائے گا، البتہ کسی کی زیارت یا جہاد یا حصولِ علم یا دیگر مندوب ومباح امور کے غرض سے سفر کیا جا سکتا ہے) (352).

مسجد کعبہ سفر کے لحاظ سے تینوں مساجد میں سب سے افضل ہے:

مسجدِ کعبہ کو مسجدِ مدینہ اور مسجدِ اقصی پر اس لئے مقدم کیا گیا ہے کیونکہ اس کے اندر مزیتیں اور فضائل وخصائص پائے جاتے ہیں جو بقیہ دونوں مساجد کے اندر نہیں پائے جاتے، اس لئے ان دونوں کے مقابلے میں اس کے لئے سفر کرنا زیادہ اولی ہے (353).

---

۳۵۰. شرح صحیح البخاری، ابن بطال، (۱۰۱۵/۳) ؛ الاستذکار، ابن عبد البر، (۴۱/۲).

۳۵۱. حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ الدھلوی، (ص ۴۰۸).

۳۵۲. فتح الباری شرح صحیح البخاری، (۶۶/۳).

۳۵۳. دیکھئے: شرح معانی الآثار، (۱۲۵/۳) ؛ شرح فتح القدیر، (۱۴۸/۳) ؛ بدایۃ المجتھد، (۳۱۲/۱)؛ المغنی، (۸۴/۳).

نذر کی صورت میں مسجدِحرام دونوں مساجد کے قائم مقام ہوتی ہے:

مسجدِ حرام کو مسجدِ رسول ﷺ اور مسجدِ اقصیٰ پر برتری حاصل ہونے کی جو ایک باریک وجہ بیان کی گئی ہے وہ یہ کہ: اگر کوئی مسلمان مسجدِ نبوی یا مسجدِ اقصیٰ میں اعتکاف کرنے یا نماز پڑھنے کی نذر مانتا ہے تو اس وقت مسجدِ حرام ان دونوں مساجد کے قائم مقام ہوتی ہے، اور اس میں نذر مکمل کر لینے کے بعد جمہور علماء کے نزدیک ان دونوں مساجد کا قصد کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، البتہ امام مالک اپنے مشہور مذہب کے مطابق مسجدِ مدینہ کو افضل قرار دیتے ہیں (354).

مسجدِ حرام کی افضیلت کا سبب:

نذر ماننے والا مسجدِ حرام میں نماز پڑھ کر واجب سے زیادہ ادا کر دیتا ہے، جبکہ وہ دونوں مسجدِ حرام کے قائم مقام نہیں ہوتے اور نہ وہ اس سے بے نیاز کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ فضل و مقام میں اس سے کم تر ہیں، اور کم تر اپنے سے برتر کا قائم مقام نہیں بن سکتا (355).

دلائل:

۱۔ **ابن عمر** رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے جاہلیت میں یہ نذر مانا تھا کہ میں مسجدِ حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا، نبی ﷺ نے فرمایا: (**أَوْفِ بِنَذْرِكَ**) (356) تم اپنی نذر پوری کرو.

۲۔ **جابر بن عبد اللہ** رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: فتحِ مکّہ کے دن ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اللہ کے لئے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالی نے آپ کو فتحِ مکّہ سے ہمکنار کیا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز پڑھوں گا، آپ نے فرمایا: ''اس کو یہیں ادا کر لو'' پھر اس نے اپنے سوال کو دہرایا، پھر

---

۳۵۴. دیکھئے: شرح فتح القدیر، (۱۲۸/۳) ؛ بدایۃ المجتہد، (۳۱۲/۱)؛ المغنی، (۸۳/۳).

۳۵۵. دیکھئے: مصادر سابقہ.

۳۵۶. صحیح البخاری، (۲۴۶۴/۶)، (ح۶۳۱۹).

آپ نے فرمایا: ''یہیں پڑھ لو'' ، پھر اس نے اپنی بات دہرائی، آپ نے فرمایا: ''جو چاہو کرو'' (357).

۳۔ یہ روایت آئی ہے کہ ایک عورت بیمار ہوگئی (358)، اس نے یہ نذر مانا کہ اگر اللہ تعالی نے مجھے شفا دے دیا تو میں بیت المقدس جا کر وہاں نماز پڑھوں گی، وہ صحت یاب ہوگئی، وہ سفر کے لئے تیار ہو رہی تھی کہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سلام کرنے اس کے پاس آگئیں، اس نے ان سے سفر کا مقصد بیان کیا، ام المومنین نے اس سے کہا: بیٹھ جاؤ اور جو تم نے پکایا ہے اسے کھا جاؤ، اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھ لو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اس کی ایک نماز دوسری مساجد کی ایک ہزار نماز سے **افضل** ہے، سوائے مسجد کعبہ کے'' (359).

وجہ دلالت: مسجدِ کعبہ ان تینوں مساجد سے **افضل** ہے جن کی طرف بغرضِ ثواب سفر کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس کو جو مزیتیں اور فضائل وخصائص حاصل ہیں وہ مسجدِ نبوی اور بیت المقدس کو حاصل نہیں ہیں۔

سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے کہا ہے: (جس نے مسجدِ ایلیا (بیت المقدس) میں اعتکاف کرنے کی نذر مانا اور اس نے مسجدِ نبوی میں اعتکاف کرلیا تو یہ اس کے لئے کافی ہے، اور جس نے مسجدِ نبوی میں اعتکاف کرنے کی نذر مانا اور اس نے مسجدِ حرام میں اعتکاف کرلیا تو یہ اس کے لئے کافی ہے) (360).

---

۳۵۷. ابوداود، (۳/۲۳۲)، (ح ۳۳۰۵)، اور البانی نے (صحیح سنن ابی داود)، (۲/۳۲۶)، (ح ۳۳۰۵) میں صحیح قرار دیا ہے.

۳۵۸. (**اشتکت شکوی**) یعنی کسی بیماری میں مبتلا ہوگئی.

۳۵۹. صحیح مسلم، (۲/۱۰۱۴)، (ح: ۵۱۰).

۳۶۰. شرح صحیح البخاری، ابن بطال، (۳/۱۷۹).

ساتواں مبحث

کعبہ مشرفہ مسلمانوں کا قبلہ ہے

اس میں تین مطالب ہیں:

پہلا مطلب: نماز میں مسلمانوں کا قبلہ ہے.

دوسرا مطلب: تحویلِ قبلہ کی حکمت.

تیسرا مطلب: استقبالِ کعبہ کے حکم میں تکرار.

پہلا مطلب

نماز میں مسلمانوں کا قبلہ ہے

یہ بیت اللہ کے خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالی نے اسے مسلمانوں کے لئے قبلہ (361) مقرر فرمایا ہے، جس کا وہ قیامت تک ہر روز اپنی نمازوں میں استقبال کرتے رہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ میں رہتے ہوئے مسلسل تین سالوں تک بیک وقت بیت المقدس اور کعبہ مشرفہ کا استقبال فرماتے رہے (362)، مدینہ ہجرت کے بعد آپ اپنی تمام نمازوں کے اندر بیت المقدس کا استقبال فرماتے تھے، اسی حال میں آپ نے سولہ مہینے گزارے، اور یہ استقبال اللہ تعالی کے حکم سے تھا (363)، پھر قبلہ کو کعبہ کی طرف موڑ دیا گیا، جس کا تمام خطہ ارض کے مسلمان اپنی نمازوں میں استقبال کرتے ہیں اور تا روز قیامت کرتے رہیں گے۔

دلائل:

۱۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: (**كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي وَهُوَ بِمَكَّةَ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ، وَالْكَعْبَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ ، وَبَعْدَ مَا هَاجَرَ إِلَى الْمَدِينَةِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْراً ، ثُمَّ صُرِفَ إِلَى الْكَعْبَةِ**) (364)

رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں تھے تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے اور کعبہ سامنے ہوتا تھا، جب

---

۳۶۱. اہل لغت نے کہا ہے: قبلہ کا اصل معنی جہت ہے، اور کعبہ کو قبلہ اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ نمازی اس کے سامنے ہوتا ہے اور وہ نمازی کے سامنے، دیکھئے: المجموع، (۳/۱۹۱).

۳۶۲. دیکھئے تفسیر ابن کثیر، (۱/۱۵۸)؛ فتح الباری، (۱/۵۰۲).

۳۶۳. دیکھئے: فتح الباری، (۱/۵۰۲).

۳۶۴. مسند احمد، (۱/۳۲۵)، (ح ۲۹۹۳)، اور محققین مسند (۵/۱۳۶)، (ح ۲۹۹۱) نے کہا ہے: اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے.

آپ مدینہ ہجرت کر گئے تو اسی پر سولہ ماہ تک قائم رہے، پھر کعبہ کی طرف پھیر دیئے گئے۔

حدیث کے اندر اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ: جب رسول اللہ ﷺ مکہ کے اندر تھے تو آپ کے لئے اپنی دلی خواہش۔یعنی کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کی۔اور اپنے رب کے حکم۔یعنی بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کے حکم۔کے درمیان جمع کر لینا ممکن تھا، چنانچہ آپ بیک وقت کعبہ اور بیت المقدس دونوں کا استقبال فرماتے تھے، جب آپ مدینہ ہجرت کر گئے جو کہ مکہ کے شمال میں واقع ہے تو آپ کے لئے دونوں کے درمیان جمع کرنا ممکن نہ رہا چنانچہ آپ اپنے رب کے حکم کے مطابق بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، اور آپ نے اپنی ذاتی خواہش پر اپنے رب کے حکم کو ترجیح دی، حتی کہ آپ کو اپنے رب کی طرف سے خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا پروانہ مل گیا۔

۲۔**براء بن عازب** رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (**كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْراً، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُحِبُّ أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ: فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ [البقرة:١٤٤]، فَتَوَجَّهَ نَحْوَ الْكَعْبَةِ** (365).

رسول اللہ ﷺ نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی، اس دوران نبی ﷺ کی خواہش تھی کہ انہیں کعبہ کی طرف پھیر دیا جائے، چنانچہ اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: (**فول وجھک شطر المسجد الحرام**)۔یعنی آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اس کے بعد آپ ﷺ کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

دونوں روایتوں کے درمیان جمع و تطبیق:

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث بتاتی ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب مدینہ میں رہتے

۳٦۵۔ صحیح البخاری، (۱/۱۵۵)، (ح۳۹۰)۔

ہوئے سولہ مہینوں تک بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے رہے، جب کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے اندر سولہ یا سترہ ماہ کا ذکر ہے، اور یہ شک براء رضی اللہ عنہ کو ہوا ہے، اور اسی بنا پر علماء کے درمیان اختلاف بھی ہے، چنانچہ **نووی** رحمہ اللہ نے سولہ ماہ کو راجح قرار دیا ہے (366)، جب کہ **قاضی عیاض** نے سترہ ماہ کو صحیح ودرست قرار دیا ہے (367)، اور بعض علماء نے دونوں کے درمیان جمع کیا ہے، اس سلسلے میں **حافظ ابن حجر** رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (دونوں روایتوں کے درمیان جمع کرنا آسان ہے: اس طرح کہ جس نے سولہ ماہ کو یقینی بتایا ہے اس نے مدینہ تشریف آوری والے مہینہ کے ایام کو اور تحویل قبلہ والے مہینہ کے کچھ ایام کو ایک ماہ جوڑلیا ہے، اور زائد ایام کو الگ کر دیا ہے، اور جس نے سترہ ماہ کو یقینی قرار دیا ہے اس نے دونوں کو شمار کیا ہے، اور جس نے شک ظاہر کیا ہے اس نے شمار کرنے یا نہ کرنے میں تردد کی وجہ سے کیا ہے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مدینہ تشریف آوری ماہ ربیع الاول میں ہوئی تھی، اور تحویل قبلہ صحیح قول کے مطابق ہجرت کے دوسرے سال ماہ رجب کے نصف میں، اسی پر جمہور نے مہر تصدیق ثبت کیا ہے)(368).

---

٣٦٦. دیکھئے: المجموع، (٣/١٩٠).

٣٦٧. دیکھئے: اکمال المعلم شرح صحیح مسلم، قاضی عیاض (٢/٢٥٠).

٣٦٨. فتح الباری، (١/٩٦-٩٧).

دوسرا مطلب

تحویل قبلہ کی حکمت

بیت المقدس سے بیت اللہ الحرام کی طرف قبلہ کی تحویل اسلامی تاریخ کا بہت بڑا واقعہ ہے، کیونکہ یہ بلیغ حکمتوں اور عظیم فوائد پر مشتمل ہے، جن کو میں ذیل میں پیش کرنے جارہا ہوں:

۱۔ اللہ کے حکم کو تسلیم کرنے والوں اور اس سے اعراض کرنے والوں کی شناخت:

جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: **وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ** [البقرة: ۱۴۳]

اور وہ قبلہ جس کی طرف آپ پہلے سے متوجہ ہوتے تھے، ہم نے اس لئے بنایا تھا تاکہ دیکھیں کہ کون ہمارے رسول کی اتباع کرتا ہے، اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔

چنانچہ مومنین نے اس کو تسلیم کرلیا اور بے وقوفوں نے اس سے اعراض کیا جن کے متعلق اللہ تعالی نے فرمایا ہے: **سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا** [البقرة: ۱۴۲]۔

عنقریب بے وقوف لوگ کہیں گے کہ ان مسلمانوں کو کس چیز نے ان کے اس قبلہ (بیت المقدس) سے پھیر دیا، جس پر وہ پہلے سے تھے۔

اور یہاں "سُفَهَاء" سے مراد کم عقل لوگ ہیں جن میں مشرکین بھی شامل ہیں، اور علمائے یہود اور منافقین بھی (369)۔

گویا یہ واقعہ آخری امتحان واختبار تھا، تاکہ اس کے ذریعہ نبی ﷺ کو معلوم ہوجائے کہ کون ان کے ساتھ دل وزبان سے ہے اور کون صرف زبان سے ہے، خاص کر اس وقت جب کہ مسلمانوں کو اس کے بعد

۳۶۹۔ دیکھئے تفسیر الطبری، (۲/۲۳۰)؛ الکشاف، (۱/۲۲۳)؛ تفسیر ابن کثیر، (۱/۱۹۰)۔

بڑے بڑے مہمات سر کرنے ہیں اور بڑے مقاصد تک پہنچنا ہے، اور یہ اس بات کے متقاضی ہیں کہ اس وقت منافقین، بزدل اور پست ہمت لوگوں سے صف یکسر خالی ہو، تا کہ یہ صف ان بڑے مہمات اور عظیم واقعات سے نبرد آزما ہونے کے مکمل لائق ہو، اور امت نئے مرحلے میں پوری شان وشوکت کے ساتھ بے خوف وخطر داخل ہو سکے۔

۲۔ نبی ﷺ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کی اس لئے چاہت رکھتے تھے کہ وہ آپ کے باپ ابراہیم کا قبلہ تھا۔

اوراللہ تعالی نے آپ کی اس خواہش کو یوں بیان فرمایا ہے: **قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ**[البقرۃ:۱۴۴]۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اٹھ رہا ہے، اس لئے ہم اس قبلہ کی طرف آپ کو ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پس آپ اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجئے۔

تا کہ لوگوں کے قلوب وخواطر کا تعلق اس سے اور گہرا ہو، کیونکہ اللہ تعالی نے اس کے اندر وہ خوبی رکھی ہے جو اسے دوسروں سے ممتاز بناتی ہے، اور وہ خوبی ہے اس کی طرف روحوں کا اشتیاق، اور اس کے لئے دلوں کی بے قراری، اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کا دل بھی کعبہ سے معلق اور اس کا مشتاق رہتا تھا، لہذا اللہ تعالی نے آپ کی فریاد کو سن لیا، اور آپ کی خواہش کی تکمیل فرما دیا۔

اس کا ایک اور فائدہ بھی ہے اور وہ ہے، اللہ تعالی کی طرف سے نبی ﷺ کے مقام ومرتبہ کا بیان، اس طرح سے کہ اس نے آپ کے خیال میں آنے والی بات اور آپ کے دل میں پیدا ہونے والی چاہت کو نافذ کر کے آپ کی تعظیم وتکریم کا اظہار فرمایا، حالانکہ یہ سبب واحد سبب نہیں ہے، جیسا کہ آگے بیان آ رہا ہے

تا کہ لوگوں کے قلوب وخواطر کا تعلق اس سے اور گہرا ہو، کیونکہ اللہ تعالی نے اس کے اندر وہ خوبی رکھی ہے جو اسے دوسروں سے ممتاز بناتی ہے، اور وہ خوبی ہے اس کی طرف روحوں کا اشتیاق، اور اس کے

لئے دلوں کی بے قراری، اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کا دل بھی کعبہ سے معلق اور اس کا مشتاق رہتا تھا، لہٰذا اللہ تعالی نے آپ کی فریاد کو سن لیا، اور آپ کی خواہش کی تکمیل فرمادیا۔

اس کا ایک اور فائدہ بھی ہے اور وہ ہے، اللہ تعالی کی طرف سے نبی ﷺ کے مقام ومرتبہ کا بیان، اس طرح سے کہ اس نے آپ کے خیال میں آنے والی بات اور آپ کے دل میں پیدا ہونے والی چاہت کو نافذ کر کے آپ کی تعظیم وتکریم کا اظہار فرمایا، حالانکہ یہ سبب واحد سبب نہیں ہے، جیسا کہ آگے بیان آرہا ہے

۳۔ مسلمانوں کی مشرکین اور یہودیوں سے تمیز:

(چنانچہ جب مسلمان مکہ میں تھے تو انہیں بیت المقدس کی طرف سے رخ کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ مشرکین سے ممتاز نظر آئیں۔ لیکن جب انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی جہاں یہود آباد تھے، تو انہیں کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا گیا تا کہ یہود ممتاز ہوسکیں)(370)

۴۔ مسلمانوں کو ہر طرح کے نعرہ اور عصبیت سے پاک کرنا، اور تمام امور میں اللہ تعالی کے لئے مخلص ہونے کی تعلیم دینا۔ عرب کے لوگ جاہلیت میں بیت الحرام کی تعظیم کیا کرتے تھے، اور اسے قومی برتری کا عنوان قرار دیتے تھے، اس درمیان اللہ تعالی نے پہلے بیت المقدس کی طرف قبلہ تحویل کر کے اپنے بندوں کا امتحان لیا، اس کے بعد کعبہ کی طرف پھیر کر، تا کہ ان کے دل وجاں جاہلیت کے آثار سے پاک اور غیر اللہ کے تعلق سے دور ہوجائیں، اسی طرح وہ ہر قسم کے نسلی نعروں، علاقائی عصبیتوں اور تاریخی تعلقات سے بھی بالکلیہ پاک ہوجائیں(371)۔

۵۔ مسلمانوں کو جدل ومناقشہ کے بغیر اللہ تعالی کے احکامات کی بجاآوری کا عادی بنانا؛ اگر کوئی حکم اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے صادر ہو تو مسلمانوں پر اس کی بجا آوری واجب ہے، بغیر اس کے کہ وہ اس کے

۳۷۰۔ التفسیر الکبیر، (۴/۸۷)۔

۳۷۱۔ دیکھئے: فی ظلال القرآن، سید قطب (۱/۱۲۶)۔

حکم کے پیچھے کارفرما علت وحکمت کی جستجو کریں، کیونکہ اللہ تعالی کی طرف سے اس کے بندوں کے لئے صادر ہونے والا حکم بذات خود حکمت ہے۔

۶۔ نبی ﷺ کی رسالت قبول کرنے کے لئے لوگوں کو تیار کرنا: اور انہیں یہ بات باور کرانا کہ آپ اسی کے ساتھ مبعوث کئے گئے ہیں جس کے ساتھ آپ سے پہلے کے انبیاء مبعوث کئے گئے تھے، اور یہ کہ آپ کوئی اچھوتے رسول نہیں تھے۔

اس سلسلے میں **ابن القیم** رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (آپ پہلے بیت المقدس کی طرف نماز شروع کئے جانے کی حکمت باہرہ کے اندر غور کریں، جو کہ انبیاء علیہم السلام کا قبلہ تھا، گویا آپ اسی کے ساتھ مبعوث کئے گئے جس کے ساتھ دیگر رسولوں کو مبعوث کیا گیا تھا، اور جس سے اہل کتاب آشنا تھے، چنانچہ بیت المقدس کا استقبال آپ کی نبوت کی تائید کے لئے تھا، اور یہ باور کرانے کے لئے کہ آپ اسی چیز کے ساتھ بھیجے گئے ہیں جس کے ساتھ دوسرے انبیاء بھیجے گئے تھے، اور آپ کی دعوت بعینہ پہلے کے انبیاء کی دعوت ہے، اور آپ کوئی اچھوتے رسول نہیں ہیں، اور نہ آپ ان رسولوں کے مخالف ہیں، بلکہ ان کی تصدیق کرنے والے اور ان پر ایمان لانے والے ہیں، پھر جب آپ کی نبوت کے نشانات قلوب پر ثبت ہو گئے، ہر طرف سے آپ کی صداقت کے شواہد قائم ہو گئے، اور دلوں نے آپ کو برحق رسول تسلیم کرلیا، اگر چہ کچھ لوگوں نے سرکشی وعناد وظلم کی بنا پر آپ کی رسالت کا انکار کیا، تو پھر اللہ تعالی نے یہ فیصلہ کرلیا کہ بیت الحرام کے استقبال میں ہی آپ کی اور آپ کی امت کی بھلائی ہے، کیونکہ وہ روئے زمین کا سب سے افضل اور اللہ تعالی کا سب سے محبوب مقام ہے، اور وہ گھر تمام گھروں میں عظیم ترین، اشرف تر اور قدیم ترین گھر ہے)(372)۔

۷۔ کعبہ کی طرف قبلہ کو پھیرے جانے کے اندر اللہ تعالی نے کئی اور باتیں چھپا رکھی ہے، ان میں

۳۷۲۔ مفتاح دار السعادہ، (۲/۳۰)۔

سے بعض درج ذیل ہیں:

أ۔شجرۂ مبارکہ سے نبوت منتقل ہوچکی ہے ؛یعنی اسحاق بن ابراہیم علیہما السلام کی ذریت سے منتقل ہوکر اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی ذریت کی طرف آ گئی ہے جو کعبہ کی تعمیر میں اپنے والد بزرگوار کے شریک عمل رہے،اور جن کا نام کعبہ کی بنیاد سے جڑا ہوا ہے۔

ب۔امانت منتقل ہوچکی ہے؛یعنی:دعوت و رسالت کی امانت محمد ﷺ کی امت کی طرف منتقل ہو چکی ہے،اس کے ساتھ وہ خیریت بھی اس کی طرف منتقل ہو چکی ہے جس سے بنی اسرائیل کو اس سے قبل نوازا گیا تھا،ساتھ ہی ساتھ امت محمدیہ پر یہ ذمہ داری بھی آ گئی ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں اور اللہ تعالی پر ایمان رکھیں۔

ج۔ تا کہ امت محمدیہ امت وسط بن جائے؛صرف اقدار و کردار، اصول ونظریات اور احکام و اعتقادات میں ہی نہیں، بلکہ مقام کے اعتبار سے بھی، کیونکہ درمیانی شئی افضل واشرف شئی ہوتی ہے،اور روئے زمین پر بیت اللہ الحرام سے بڑھ کر اشرف وافضل مقام کوئی نہیں ہے۔

تیسرا مطلب

استقبالِ کعبہ کے حکم میں تکرار

تحویلِ قبلہ کی آیات:

نبی ﷺ ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کے استقبال کی خواہش رکھتے تھے، اس خواہش کے ساتھ آپ مسلسل سولہ یا سترہ ماہ تک اپنے رب سے دعا کرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالی نے آپ کو استقبالِ کعبہ کا حکم دے دیا، اس سلسلے میں اللہ تعالی نے قرآن نازل فرمایا جس کی تلاوت قیامت تک کی جاتی رہے گی:

۱۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ** [البقرۃ:۱۴۴]۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اٹھ رہا ہے، اس لئے ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پس آپ اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجئے، اور (اے مسلمانوں!) تم جہاں کہیں بھی رہو (نماز میں) اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف کر لیجئے۔

۲۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ** [البقرۃ:۱۴۹]۔

اور آپ جہاں کہیں بھی نکل کر جائیں (نماز میں) اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف کریں، اور بیشک آپ کے رب کی طرف سے یہی حکم ہے۔

نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُمَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ** [البقرۃ:۱۵۰]۔

اور آپ جہاں کہیں بھی نکل کر جائیے، وہاں سے (نماز میں) اپنا منھ مسجدِ حرام کی طرف کیجیے، اور (اے مسلمانوں!) تم جہاں کہیں بھی رہو (نماز میں) اپنا منھ مسجدِ حرام کی طرف کرو۔

استقبالِ قبلہ کے حکم میں تکرار کے متعلق علماء کے آراء:

استقبالِ قبلہ کے حکم میں تکرار، اور اس سے متعلق مصالح وفوائد کے بارے میں علماء کے متعدد آراء ہیں جن کا بیان کچھ اس طرح ہے:

۱۔ یہ تکرار نسخ کی تاکید کے لیے ہے، اس لیے کہ قبلے کا نسخ اسلام میں واقع پہلا نسخ ہے، اور اس قدر تاکید لانے کا مطلب اہل کتاب کی اس امید پر پانی پھیرنا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ مسلمان ان کے قبلے کی طرف واپس آجائیں (373)۔

قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن میں سے سب پہلے منسوخ ہونے والا حکم قبلہ کا حکم ہے) (374)۔

۲۔ پہلا حکم اس شخص کے لیے ہے جو کعبہ کو دیکھ رہا ہو، اور دوسرا حکم اس شخص کے لیے ہے جو مکہ میں ہو مگر کعبہ کو نہیں دیکھ رہا ہو، جب کہ تیسرا حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو دیگر شہروں میں ہوں (375)۔

۳۔ پہلا حکم اس شخص کے لیے ہے جو مکہ میں ہو، دوسرا حکم اس شخص کے لیے ہے جو دیگر شہروں میں ہوں، جب کہ تیسرا حکم اس شخص کے لیے ہے جو سفر میں ہو، اور **قرطبی** نے اسی کو راجح ٹھہرایا ہے (376)۔

۳۷۳۔ دیکھیے: الناسخ والمنسوخ، قاسم بن سلام (ص ۲۰) ؛ تفسیر الطبری، (۱/۵۰۲)۔

۳۷۴۔ تفسیر القرطبی، (۲/۱۵۱)۔

۳۷۵۔ دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، (۱/۱۹۶)۔

۳۷۶۔ دیکھیے: تفسیر القرطبی، (۲/۱۶۸)۔

آٹھواں مبحث

کعبہ کے گرد طواف کرنے کی مشروعیت

طواف کی تعریف:

طواف لغت میں دوران کو کہتے ہیں (377).

اور اس کا اصطلاحی معنی ہے: اللہ تعالی کی اطاعت کے جذبے سے کعبہ کے گرد چکر لگانا (378)

.اور یہ اسی مفہوم میں اللہ تعالی کے اس قول میں مستعمل ہے: **وَ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَ الْقَائِمِينَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُودِ** [الحج:۲۶].

میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں، اور قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک کرو.

اور اسی معنی میں اس قول کے اندر مستعمل ہے: **وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ** (الحج:۲۹).

اور انہیں چاہیئے کہ وہ بیت عتیق (خانہ کعبہ) کا طواف کریں .

طواف بیت عتیق کے ساتھ خاص ہے:

اللہ تعالی نے سارے خطہ ارض میں صرف اپنے محترم گھر کو اس شعیرہ کے ساتھ خاص کیا ہے جسے صرف اسی کے اندر ادا کیا جا سکتا ہے، اور وہ طواف ہے، جو معنوی اور صوری اعتبار سے بالکل منفرد عبادت ہے ،اس طواف کو بیت اللہ کے علاوہ اور کہیں ادا نہیں کیا جا سکتا، اور جس نے بیت عتیق کے بجائے کسی شجر یا حجر یا قبر یا مسجد کا طواف کیا وہ گمراہ ہے، بلکہ جو آدمی ثواب اور تقرب الہی کے غرض سے خانہ کعبہ کے علاوہ کسی اور شئی کے طواف کا عقیدہ رکھتا ہے وہ مشرک وکافر ہے، اللہ تعالی سے ہم عفو وعافیت کے طلبگار ہیں (379).

---

۳۷۷. دیکھئے: لسان العرب، (۹/ ۲۲۵)؛ معجم لغۃ الفقھاء، د محمد رواس قلعہ (ص ۲۹۳).

۳۷۸. فتح الباری، (۳/ ۴۷۰).

۳۷۹. دیکھئے: الطّواف واھم احکامہ، د شرف بن علی الشریف، مجلۃ البحوث الاسلامیۃ، ریاض، (عدد: ۴۴)، (ص ۱۷۸).

بیت اللہ کے طواف اور غیر بیت اللہ کے طواف کے درمیان یہی فرق کرنے والی چیز ہے، خانہ کعبہ کے طواف کی خاص شکل اور اس کا شریعت غراء کی طرف سے متعین کردہ خاص طریقہ ہے جسے اس لیے متعین کیا گیا ہے تاکہ وہ اللہ تعالی کی عبادت پر مشتمل شعیرہ قرار پائے جو کہ معنوی طور سے اللہ تعالی کے لیے خود سپردگی، تابعداری اور انقیاد پر دلالت کرتا ہے، جس نے طواف کی دیگر تمام شکلوں کو حرام ٹھہرا دیا ہے، بلکہ۔ والعیاذ باللہ۔ اسے شرک قرار دے دیا ہے، صرف کعبہ کے طواف کو جائز ٹھہرایا ہے تاکہ ایک مومن کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں سے جس قسم کی عبادت کرانا چاہے کرا سکتا ہے، اور بندے کے سامنے اپنی عقل وفکر کا گھوڑا دوڑانے کے بجائے اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے، جیسے ہی اللہ تعالی کی طرف سے کوئی حکم صادر ہو بندے پر اس کی تعمیل واجب ہو جاتی ہے، اور بیت عتیق کے اندر پنہا معانی میں سے ایک معنی یہی ہے۔

نیز بیت عتیق کے طواف کی مشروعیت نے اسے ایسی خوبی وخصوصیت عطا کر دیا ہے جس کی بنا پر اس کے مقام وعزت میں اتنی عظمت ورفعت آ گئی ہے کہ اس تک کسی اور مقام ومحل کی رسائی ممکن نہیں ہے۔

طواف سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا حکم:

بیت عتیق کا طواف ایک موقع ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا حکم فرمایا ہے، قبل اس کے کہ ہم اس سے محروم کر دیئے جائیں، چونکہ وہ طویل عرصہ باقی رہنے والا نہیں ہے، لہذا نبی ﷺ نے وقت نکلنے سے پہلے اس سے خوب خوب فائدہ اٹھانے کی بات فرمائی ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**اسْتَمْتِعُوا مِنْ هَذَا الْبَيْتِ، فَإِنَّهُ قَدْ هُدِمَ مَرَّتَيْنِ، وَ يُرْفَعُ فِي الثَّالِثَةِ**''(380)۔

اس گھر سے خوب خوب فائدہ اٹھالو، اس لیے کہ اسے دو بار منہدم کیا جا چکا ہے اور تیسری بار کے بعد اسے اٹھالیا جائے گا۔

۳۸۰۔ صحیح ابن خزیمہ، (۴/ ۱۲۸)، (ح ۲۵۰۶)، اور البانی نے (صحیح موارد الظمآن)، (۱/ ۳۱۰)، (ح ۸۰۴) میں صحیح قرار دیا ہے

طواف کی قسمیں:

طواف کی چھ قسمیں ہیں (381)، جو اس طرح ہیں:

ا۔ مکہ میں داخل ہونے کا طواف؛ اس طواف کے کئی نام ہیں: طوافِ قدوم، طوافِ اولِ عہد، طوافِ دخول، طوافِ لقاء، طوافِ وارد، طوافِ ورود، طوافِ قادم، طوافِ تحیہ، ان ناموں میں سب سے مشہور نام طوافِ قدوم ہے۔

۲۔ طوافِ افاضہ (382)؛ اسے طوافِ زیارہ، طوافِ رکن، طوافِ فرض، اور طوافِ صدر کہا جاتا ہے۔

۳۔ طوافِ وداع؛ اسے طوافِ صدر (383) اور طوافِ آخر عہد کہا جاتا ہے، اور اس کا محل: جملہ مناسک حج کی ادائیگی کے بعد مکہ سے روانگی کا وقت ہے۔

یہ تینوں طرح کے طواف حج کے اندر مشروع ہیں، اور ہم ان شاء اللہ ان کے متعلق آگے تفصیلا گفتگو کریں گے۔

۴۔ وہ طواف جس کے ذریعہ حج کے فوت ہونے کی صورت میں حلال ہوا جاتا ہے۔

۵۔ طوافِ نذر۔

۶۔ طوافِ تطوع (384)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ طواف کی بڑی فضیلت ہے کیونکہ اللہ تعالی نے اپنی کتابِ عزیز میں اس کا حکم دیا ہے، اور نبی ﷺ نے بالفعل اسے انجام دیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے، اور اللہ تعالی اسی کام کا حکم

۳۸۱۔ دیکھئے: قوانین الاحکام، ابن جزی (ص ۱۵۰)؛ المبسوط، (۴/۳۴)؛ المجموع، (۸/۲۲۰)؛ المغنی والشرح الکبیر، (۳/۳۶۹)۔
دیکھئے: لسان العرب، (۴/۴۴۸)۔

۳۸۲۔ افاضہ: اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے لیے حجاج عرفات سے واپس آتے ہیں۔

۳۸۳۔ صدر: اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے بعد مسافر اپنا مقصد حاصل کر کے رجوع ہوتے ہیں، دیکھئے: لسان العرب، (۴/۴۴۸)۔

۳۸۴۔ الطواف واھم احکامہ، (ص ۱۸۸)۔

فرماتا ہے جس کی فضیلت ہو، نیز اس میں لوگوں کے لیے دینی ودنیوی فائدے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اسی عمل کو اختیار کرتے تھے جو دنیا وآخرت میں نفع بخش ہو، ویسے اس کے فضل کے لیے یہی کافی ہے کہ اس میں اللہ تعالی کی اطاعت اور اس کے حکم کی فرمانبرداری پائی جاتی ہے۔

نواں مبحث

چاہ زمزم اس کے بغل میں ہے

اور اس میں پانچ مطالب ہیں:

پہلا مطلب: زمزم خلیل کی دعا اور ہاجرہ کے توکل کا ثمرہ ہے.

دوسرا مطلب: جبریل کے ذریعے چاہ زمزم کا پھوٹنا.

تیسرا مطلب: زمزم بہت بڑی نعمت اور نہایت نفع بخش چیز ہے.

چوتھا مطلب: زمزم کے ذریعے سب سے پاک انسان کا قلب دھویا گیا.

پانچواں مطلب: چشمہ زمزم کبھی خشک ہونے والا نہیں ہے.

پہلا مطلب

زمزم خلیل کی دعا اور ہاجرہ کے توکل کا ثمرہ ہے

جب ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل کو بیت محرم کے پاس چھوڑ کر چلے تو (ام اسماعیل ان کے پیچھے آئیں اور انہوں نے کہا: اے ابراہیم ! آپ اس وادی میں جہاں نہ کوئی انسان ہے اور نہ کوئی چیز، ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے بار بار اپنی یہ بات دہرائی ، مگر ابراہیم ان کی طرف متوجہ نہیں ہو رہے تھے، بالآخر انہوں نے کہا: کیا اللہ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ ابراہیم نے جواب دیا: ہاں، ہاجرہ علیہا السلام نے کہا: تب اللہ تعالی ہمیں ضائع نہیں کرے گا، اس کے بعد وہ لوٹ آئیں ، اور ابراہیم آگے بڑھ گئے، یہاں تک کہ جب وہ ایک ٹیلے کے پاس آئے جہاں سے انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے، تو کعبہ کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہو گئے، پھر ان کلمات کے ذریعے دعا کی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا : **رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ**

[ابراھیم:۳۷]۔

اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو تیرے محترم گھر کے پاس ایک وادی میں بسایا ہے جہاں کوئی کھیتی نہیں ہے، اے ہمارے رب! میں نے ایسا اس لئے کیا ہے تا کہ وہ نماز قائم کریں، چنانچہ تو لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف پھیر دے، اور انہیں انواع واقسام کے پھل روزی میں عطا کر، تا کہ وہ تیرا شکریہ ادا کریں۔

انہوں نے اسی وقت زمزم کے پاس ایک فرشتہ دیکھا جس نے اپنی ایڑی سے ۔یا اپنے پر سے۔ مٹی کو کھودا حتی کہ پانی ابل پڑا، ہاجرہ رحمہا اللہ اسے حوض کی طرح بنانے لگیں اور اپنے ہاتھوں سے گھیرنے لگیں، پھر چلو سے پانی لے لے کر مشکیزہ بھرنے لگیں، جب وہ چلو سے پانی لیتیں تو اس کے بعد جوش سے پانی نکل آتا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "**يَرْحَمُ اللَّهُ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ، لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ ۔ أو قال : لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ ۔ لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْناً مَعِيناً**" (385).

یعنی: اللہ تعالی ام اسماعیل پر رحم فرمائے! اگر وہ زمزم کو بہتا ہوا چھوڑ دیتیں ۔ یا یہ فرمایا: اگر وہ اپنے لئے پانی محفوظ نہیں کرتیں ۔ تو زمزم ایک بہتا ہوا چشمہ بن جاتا۔

زمزم اس شخص کے لئے روشن دلیل ہے جو توکل کی مثال کا متلاشی ہو:

زمزم ہاجرہ رحمہا اللہ کا اپنے رب پر توکل کرنے اور اس سے حسنِ ظن رکھنے کی علامت بن کر باقی رہے گا، اس لئے کہ انہوں نے اپنے رب کے حکم کی فرمانبرداری کی اور اس کی مشیئت کی یہ کہتے ہوئے تابعداری کی کہ: (تب تو اللہ تعالی ہمیں ضائع نہیں کرے گا)، اور اللہ تعالی کے فضل سے پر امید ہو کر اور اس کی طرف سے اپنے اور اپنے دودھ پیتے بچے کی حفاظت وصیانت کئے جانے پر یقین رکھتے ہوئے واپس ہو گئیں۔

گویا زمزم کی کہانی فقط یہ نہیں ہے کہ اس کے چشمے سے پانی نکلتا آرہا ہے، بلکہ اس کی کہانی حقیقی ایمان کی کہانی ہے، جسے زمزم اپنے دیکھنے والوں اور زیارت کرنے والوں کو سناتا اور بتاتا ہے، نیز یہ کنواں اس مومنہ عورت کی دائمی یادگار ہے جو اپنے رب کی رحمت پر یقین رکھنے والی اور اس کے فضل پر اعتماد کرنے والی تھی۔

نیز یہ ہر شخص کے لئے مادی محسوس دلیل ہے جو عبرت حاصل کرنے کا خواہاں اور اللہ تعالی پر توکل کرنے اور اس سے حسنِ ظن رکھنے کی اعلی مثال کا متلاشی ہو، اللہ تعالی نے اس کی کوئی تحریری یا سمعی مثال پیش نہیں کیا ہے بلکہ مرئی مثال پیش کیا ہے تاکہ دل میں گڑ جائے اور عقل وفہم میں فوراً سما جائے، لیکن یہ اس کے لئے ممکن ہے جس کے پاس دل ہو، اور جس کے پاس عقل ہو۔

۳۸۵۔ صحیح البخاری، (۳/۱۲۲۷)، (ح ۳۱۸۴)۔

دوسرا مطلب

جبریل کے ذریعے چاہ زمزم کا جاری ہونا

آب زمزم کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کے حکم سے جبریل امین علیہ السلام کے واسطے جاری ہوا ہے، اگر اللہ چاہتا تو عام پانی کی طرح اسے بھی حکم دے سکتا تھا کہ وہ از خود جاری ہو جائے، لیکن اللہ تعالی نے اس مبارک پانی کی برتری وعظمت کو بیان کرنا چاہا، اور واقعی اس کی برتری اور عظمت وبرکت دوبالا ہوگئی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما۔چاہ زمزم کے ابل پڑنے کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: (جب وہ (ہاجرہ) ساتویں چکر میں مروہ پر چڑھیں تو ان کو ایک آواز سنائی دی، انہوں نے خود سے کہا: خاموش رہو، پھر کان لگایا تو وہی آواز سنائی دی، کہنے لگیں: میں نے تیری آواز سن لی، کیا تم ہماری کچھ مدد کر سکتے ہو؟ انہوں نے اسی وقت زمزم کے پاس ایک فرشتہ دیکھا جس نے اپنی ایڑی۔یا یہ کہا: اپنا پر۔زمین پر مار کر اسے کھود ڈالا حتی کہ پانی بہ پڑا، ہاجرہ اسے حوض کی طرح بنانے لگیں اور اپنے ہاتھوں سے گھیرنے لگیں، پھر چلو سے پانی لے کر مشکیزہ بھرنے لگیں، جب وہ چلو سے پانی بھرتیں تو اس کے بعد جوش سے پانی ابلنے لگتا) (386).

اور ایک روایت میں ہے: (اسی وقت انہیں (ہاجرہ کو) ایک آواز سنائی دی، انہوں نے کہا: اگر آپ کے پاس کوئی خیر ہے تو میری مدد کریں، اچانک جبریل علیہ السلام سامنے آگئے، راوی بیان کرتے ہیں: جبریل نے اپنی ایڑی سے اس طرح کیا، اور انہوں نے اپنی ایڑی کو زمین پر رگڑ کر دکھایا، اس کے بعد پانی بہ پڑا، ام اسماعیل گھبرا گئیں اور گڈھا کھودنے لگیں، ابن عباس بیان کرتے ہیں: ابوالقاسم ﷺ نے بیان فرمایا: اگر ہاجرہ اسے بہتا ہوا چھوڑ دیتیں تو پانی پھیل جاتا) (387).

---

۳۸۶. صحیح البخاری، (۳/۱۲۲۷)، (ح۳۱۸۴) .

۳۸۷ صحیح البخاری، (۳/۱۲۳۰)، (ح۳۱۸۵).

زمزم کے اسمائے گرامی:

جبریل علیہ السلام کے ذریعے آبِ زمزم کے جاری ہونے کی بنا پر عرب والے ایسے مختلف اسماء و اوصاف سے اس کو موسوم کرتے تھے جو اس عظیم واقعہ سے میل رکھتے ہوں اور ان اسماء میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ رکضۃ جبریل: یعنی: جبریل کے پاؤں کی رگڑ اور ان کے پر کا ضرب، رکض کا اصل معنی: پاؤں سے مارنا، اس سے ضرب پہنچانا اور پر پھڑ پھڑانا ہے، چاہ زمزم کو اس نام سے موسوم کئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اپنے پر سے زمین پر مارا جس کی وجہ سے آب، زمزم بہ پڑا تھا (388).

۲۔ ھزمۃ جبریل: یعنی: جبریل نے اپنے پاؤں سے مارا جس کی وجہ سے زمین دب گئی اور وہاں سے پانی نکل پڑا (389). ھزمہ: یعنی: زمین کو ایڑی سے دبانا (390). یہ بھی کہا گیا ہے کہ: وہ ھزم الارض کے معنی میں ہے، یعنی: اس کے چشمے سے پرت کو توڑا جس سے خوشگوار پانی بہ پڑا (391).

۳۔ ھمزۃ جبریل: (زا پر میم کی تقدیم کے ساتھ)، اس سے موسوم کئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام نے مقامِ زمزم کے پاس اپنی ایڑی سے زمین کو دبایا جس کی وجہ سے پانی بہ پڑا تھا (392).

سہیلی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (اس کو ہاتھ یا دیگر اعضاء کے علاوہ عقب یعنی ایڑی سے جاری کئے جانے کے اندر یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ اس کی وراثت اسماعیل علیہ السلام کے عقب یعنی اولاد میں رہے گی، اور وہ محمد ﷺ اور ان کی امت کے لوگ ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: **وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً**

---

۳۸۸. النھایۃ، (۲/۲۵۹)؛ لسان العرب، (۷/۱۶۰).

۳۸۹. دیکھئے: معجم ما استعجم، (۲/۷۰۱)؛ النھایۃ، (۵/۲۶۲)؛ تاج العروس، (۳۴/۹۷).

۳۹۰. دیکھئے: اخبار مکہ للفاکہی (۲/۱۰).

۳۹۱. دیکھئے: لسان العرب، (۱۲/۶۰۸).

۳۹۲. دیکھئے: الروض الانف، ابن ھشام (۱/۲۱۳).

فِی عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ [الزخرف : ۲۸]

یعنی: وہ (ابراہیم) اس کلمہ (لا الہ الا اللہ) کی وصیت اپنے عقب (اولاد) کو کر گئے تا کہ لوگ (شرک سے) باز آتے رہیں. یہاں فی عقبہ سے مراد امت محمد یہ ہے (393).

۴۔وطأة جبریل: ان کے بازو کی رگڑ (394).

زمزم کا چشمہ سب سے پاک سر زمین پر جاری ہوا :

آپ زمزم کے خصائص و برکات میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اسے دنیا کی سب سے پاک سرزمین، اپنے بیت معظم کے نزدیک اور تمام مظاہر حیات سے عاری وادی کے اندر جاری فرمایا تا کہ اس کے ذریعے اس کی عظیم قدرت کا اظہار ہو سکے، کیونکہ اس نے اس کے لئے اس محترم مقام کا انتخاب فرمایا، اسے نادر خصوصیات سے سرفراز فرمایا اور بیت عتیق کے حجاج و معتمرین کے لئے بلکہ پورے عالم کے لئے اس کو شراب مبارک بنا دیا.

---

۳۹۳. الروض الانف، (۱/ ۲۵۷)، اور دیکھئے: سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، صالحی (۱/ ۱۸۷).

۳۹۴. دیکھئے: اخبار مکہ، الفاکھی (۲/ ۹).

تیسرا مطلب

آب زمزم بہت بڑی نعمت اور نہایت نفع بخش ہے

اللہ تعالی نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو قبول کرتے ہوئے انہیں جو عظیم نعمتیں اور متبرک ونفع بخش چیزیں عطا فرمائیں، ان میں زمزم خاص اہمیت کا حامل ہے، جو آب مبارک مکہ کے آباد ہونے، اس میں جان آنے اور تعمیر وترقی کے منازل طے کرنے کا سبب اولیں بن گیا، اس کے آباد ہونے کا سلسلہ بیت الحرام کے آباد ہونے سے شروع ہوتا ہے، جس کا قصد کر کے لوگ دور دراز کے علاقوں سے آتے تھے، تاکہ وہ وہاں دین ودنیا کے منافع کا مشاہدہ کر سکیں، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: **وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالاً وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ**[الحج: ۲۷-۲۸]

اور لوگوں میں حج کی منادی کر دیں، لوگ آپ کے پاس پا پیادہ آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی، دور دراز کے تمام راستوں سے آئیں گے، تاکہ وہ اپنے نفع کے سامانوں کا مشاہدہ کر سکیں اور چند متعین دنوں میں ان چوپایوں کو اللہ کے نام سے ذبح کریں جو اللہ نے بطور روزی انہیں دیئے ہیں۔

گویا زمزم مسجد حرام کے لئے پہلی اینٹ اور اس کی تعمیر کی تکمیل کا پہلا وسیلہ، اور لوگوں کے اس مقام کی طرف کھنچ آنے کا پہلا سگنل تھا، تاکہ اس کی تعمیر مکمل ہو سکے، اور وہ اس مقام تک پہنچ جائے جہاں اسے ساری دنیا کے شہر ودیہات سے آنے والے لوگ دیکھا کرتے ہیں۔

(اور حجاج ومعتمرین اللہ کے حرم میں جن عظیم منفعتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں ان میں آب زمزم بہت زیادہ منفعت کا حامل ہے جسے وہ نوش کرتے ہیں، اس سے قوت وطاقت حاصل کرتے ہیں، اس کے خیرات وبرکات سے اپنے دامنِ مراد کو بھرتے، اور اس کو پیتے وقت دعائے مستجاب حاصل کرتے ہیں، پھر آب زمزم سے دنیا وآخرت کی وہ تمام ضرورتیں حاصل ہوتی ہیں جن کے لئے اسے پیا جائے، چنانچہ زمزم

بلا شک اللہ تعالی کی ان عظیم نعمتوں میں سے ایک عظیم ترین نعمت ہے جنہیں اللہ تعالی نے اپنے مومن بندوں کے لئے اپنے محترم گھر کے پاس، اس پاک مقام پر تیار کر رکھا ہے۔

اور ایسے کتنے ہی بیمار ہیں جنہیں اللہ تعالی نے آبِ زمزم کی برکت سے مہلک وخطرناک بیماریوں سے شفا عطا کیا ہے، جن کے علاج وتشخیص سے تمام کے تمام حکماء واطباء عاجز ودرماندہ ہو گئے تھے)(395).

فضائل زمزم بے شمار ہیں:

آبِ زمزم آبِ مبارک ہے، وہ بیت الحرام کے دامن میں سب سے اعلی واشرف قطعہ ارض میں واقع ہے، اللہ تعالی کے حکم سے جاری ہونے والا پانی ہے، جسے اللہ تعالی نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے اہل بیت کی مدد کی خاطر جبریل علیہ السلام کے واسطے سے جاری فرمایا، جسے اللہ تعالی نے بیشمار خصائص و فضائل سے مشرف کیا ہے، (اس کے فضائل کو کون شمار کرسکتا ہے؟ جب کہ کتنے مریضانِ عالم اس سے قریب ہو کر، اسے تناول کر کے، اور اس آبِ مبارک سے غسل کر کے نعمتِ صحت سے محظوظ ومستفید ہوئے ہیں، حالانکہ وہ اس سے پہلے روئے زمین کے تمام چشموں کو دیکھ چکے اور اپنے لبوں کو ان سے تر کر چکے تھے، دور دراز کے ممالک وبلاد میں رہنے والے کتنے لوگ دواء کے طور پر اسے بوتلوں میں بھر کر لے جاتے رہے ہیں، اور کتنے اس آبِ مبارک کی برکت وحسن فائدہ کے مدنظر اس سے اپنے کپڑے تر کرتے رہے ہیں)(396).

چشمۂ زمزم آیات بینات میں سے ہے:

چشمۂ زمزم بیت اللہ الحرام کے پاس پائی جانے والی آیاتِ بینات میں سے عظیم ترین آیت ہے(397).

---

٣٩٥. فضل ماء زمزم، د سائد بکداش، (ص ٩٠).

٣٩٦. ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب، الثعالبی (ص ٥٥٩)، اور دیکھئے: تھذیب اللغۃ (٩٢/٤).

٣٩٧. دیکھئے تفسیر القرطبی، (١٣٩/٤).

وہ مقام ابراہیم، حجرِ اسود، رکنِ یمانی اور حطیم جیسی آیات کے زمرے میں ہے، اللہ تعالی نے فرمایا ہے: **إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَ هُدًى لِلْعَالَمِينَ ۔ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَ مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا**[آل عمران:۹۶-۹۷]۔

بے شک اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے، وہ ہے جو مکہ میں ہے،اور تمام جہاں والوں کے لئے باعث برکت وہدایت ،اس میں کئی کھلی نشانیاں ہیں،مقام ابراہیم ہے،اور جو اس میں داخل ہو جاتا ہے امن میں آجاتا ہے۔

چوتھا مطلب

بذریعہ زمزم سب سے پاک انسان کا قلب دھویا گیا

آبِ زمزم کی خصوصیات وبرکات میں سے ایک یہ ہے کہ دیگر پانیوں کے بجائے اللہ تعالی نے اسے اپنے حبیب ومصطفی محمد ﷺ کے قلبِ اطہر کو دھونے کے لئے منتخب فرمایا، تاکہ آپ کے قلبِ اطہر سے حصۂ شیطان کو نکال باہر کرے، اور آپ کے دل کو وحی قبول کرنے کے لائق وقابل بنایا جاسکے، چنانچہ آپ کے صدرِ پاک کو چار بار چاک کیا گیا اور ہر بار اسے آبِ زمزم سے دھویا گیا (398)، اور اس سلسلے کی احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: **(أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَتَاهُ جِبْرِيلُ عليه السلام وَ هُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ، فَأَخَذَهُ فَصَرَعَهُ فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهِ، فَاسْتَخْرَجَ الْقَلْبَ، فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً، فَقَالَ: هَذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ ثُمَّ غَسَلَهُ فِي طَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ لأَمَهُ (399)، ثُمَّ أَعَادَهُ فِي مَكَانِهِ، وَ جَاءَ الْغِلْمَانُ يَسْعَوْنَ إِلَى أُمِّهِ، [يعني ظئره (400)] فَقَالُوا: إِنَّ مُحَمَّداً قَدْ قُتِلَ فَاسْتَقْبَلُوهُ، وَ هُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ (401)، قَالَ أَنَسٌ رضي الله عنه: وَقَدْ كُنْتُ أَرَى أَثَرَ ذَلِكَ الْمِخْيَطِ (402)، فِي صَدْرِهِ)**(403)۔

رسول اللہ ﷺ کچھ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے،

۳۹۸۔ دیکھئے: فتح الباری، (۱/۴۶۰)؛ (۱۳/۴۸۱)۔

۳۹۹۔ **(لأَمَهُ)** یعنی: اس کو جمع کردیا اور ایک کو دوسرے سے ملا دیا۔ دیکھئے: صحیح مسلم بشرح النووی، (۲/۲۱۶)۔

۴۰۰۔ **(ظِئْرَهُ)** یعنی: دودھ پلانے والی عورت کے پاس، مرضعہ کے شوہر کو ظئر کہا جاتا ہے۔ دیکھئے: صحیح مسلم بشرح النووی، (۲/۲۱۷)

۴۰۱۔ **(مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ)**، یعنی: متغير اللون۔

۴۰۲۔ **(الْمِخْيَطِ)**، سوئی کو کہتے ہیں۔

۴۰۳۔ صحیح مسلم، (۱/۱۴۷)، (ح ۱۶۲)۔

انہوں نے آپ کو پکڑ کر لٹا دیا پھر آپ کا قلب چاک کر دیا، اس میں سے آپ کا دل نکالا، اور آپ سے کہا: یہ آپ کے اندر شیطان کا حصہ تھا، پھر آپ کے دل کو سونے کے ایک طشت میں آب زمزم سے دھویا، پھر اسے صاف کر کے اس کی جگہ پر لوٹا دیا، بچے دوڑتے ہوئے آپ کی ماں [یعنی رضاعی ماں] کے پاس آئے، اور کہنے لگے: محمد قتل کر دیئے گئے، لوگ آپ کے پاس پہنچے تو اس وقت آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا، **انس** بیان کرتے ہیں: میں اس زخم کا نشان آپ کے صدر مبارک پر دیکھا کرتا تھا)۔

۲۔ **انس** بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِي وَ أَنَا بِمَكَّةَ ، فَنَزَلَ جِبْرِيلُ عليه السلام ، فَفَرَجَ صَدْرِي ، ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ ، ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ ، مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَ إِيمَانًا ، فَأَفْرَغَهُ فِي صَدْرِي ، ثُمَّ أَطْبَقَهُ ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَعَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا...**'' (404).

میں مکہ مکرمہ میں اپنے گھر کے اندر سویا ہوا تھا کہ میرے گھر کی چھت کو کھولا گیا، جبریل علیہ السلام نازل ہوئے، اس کے بعد انہوں نے میرے سینے کو کھولا، پھر اسے آب زمزم سے دھویا، پھر ایمان و حکمت سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت لائے اور اسے میرے سینے میں اونڈیل دیا، پھر اسے بند کر دیا، پھر میرے ہاتھ کو پکڑا اور مجھے لئے ہوئے نچلے آسمان پر چڑھ گئے...

آپ کے قلب اطہر کو آب زمزم سے دھوئے جانے کی حکمت:

نبی ﷺ کے قلبِ اطہر کو آبِ زمزم سے دھوئے جانے کی حکمت کے بارے میں حافظ **ابن حجر** رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (اس سے تمام قسم کے پانی پر آبِ زمزم کی فضیلت و برتری ثابت ہوتی ہے، **ابن ابی جمرہ** نے بیان کیا ہے: اسے آبِ جنت سے اس لئے نہیں دھویا گیا کہ آبِ زمزم بھی اصلا جنت کا ہی پانی ہے، پھر اسے زمین میں اس لئے ثابت کر دیا گیا تا کہ زمین پر نبی ﷺ کی برکت باقی رہے، اور **سہیلی** نے کہا

۴۰۴۔ صحیح البخاری، (۱/۱۳۵)، (ح۳۴۲)۔

ہے: چونکہ زمزم روح القدس جبریل علیہ السلام کے پاؤں کی رگڑ سے جاری ہوا ہے جسے نبی ﷺ کے دادا اسماعیل علیہ السلام کی ماں کے لئے جاری کیا گیا تھا چنانچہ یہ مناسب تھا کہ دربار قدس میں حاضری اوران سے مناجات کے وقت انہیں زمزم سے دھویا جائے)405.

نبی ﷺ کا اپنے لعاب مبارک سے چشمئہ زمزم کو نوازنا:

اللہ تعالی نے ہمارے نبی ﷺ کے لعاب مبارک کو بہت سے نمایاں خصائص ومعجزات سے بہرہ ور کیا ہے، چنانچہ آپ کے لعاب شریف کو بیماروں کے لئے شفا اور پیاسوں کے لئے باعث سیرابی بنایا، نیز اسے غذائیت، قوت، برکت اور افزائش ونمو کی خصوصیتیں عطا فرمائیں، چنانچہ آپ نے کتنے مریضوں کو اپنے لعاب مبارک سے علاج فرمایا اور وہ اللہ تعالی کے حکم سے اسی وقت صحت یاب ہو گئے(406)، اس قسم کی احادیث میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔غزوہ خیبر میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آنے والے واقعے میں آیا ہے: (جب نبی ﷺ نے ان کی دونوں آنکھوں میں اپنا لعاب لگایا اوران کے لئے دعا فرمائی، تو وہ اس طرح ٹھیک ہو گئے جیسے انہیں کچھ ہوا ہی نہیں تھا، پھر انہیں آپ نے جھنڈا تھمایا...)(407).

۲۔غزوۂ حدیبیہ کے اندر پانی میں کافی زیادہ اضافہ ہونے کا واقعہ پیش آیا تھا جو پانی ہزاروں لوگوں کے لئے کافی ہو گیا تھا، براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (ہم لوگ حدیبیہ کے دن چودہ سو کی تعداد میں تھے، حدیبیا یک کنواں تھا، ہم لوگوں نے اس کا ایک ایک قطرہ پانی نکال لیا تھا، نبی ﷺ اس کنواں کے پاس تشریف لائے اوراس کی منڈیر پر بیٹھ گئے، آپ نے پانی منگایا، کلی کی اور منھ کے پانی کو کنواں میں ڈال دیا، کچھ ہی دیر کے بعد اس کا پانی اس طرح ابلنے لگا کہ ہم تمام لوگوں نے اور ہماری سواری

---

۴۰۵. فتح الباری، (۷/ ۴۰۵).

۴۰٦. فضل ماء زمزم، (ص ۹۹).

۴۰۷. صحیح البخاری، (۳/ ۱۳۵۷)، (ح ۳۴۹۸).

کے جانوروں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا)(408).

۳۔ جہاں تک نبی ﷺ کا چشمۂ زمزم کو اپنے لعاب شریف سے نوازنے کی بات ہے تو اس سلسلے میں **ابن عباس** رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ زمزم کے پاس تشریف لائے، ہم لوگوں نے آپ کے لئے ایک ڈول پانی نکالا، آپ نے نوش فرمایا، پھر آپ نے اپنے منھ کے بقیہ پانی کو اس ڈول میں ڈال دیا (409)، پھر ہم لوگوں نے ڈول کے پانی کو زمزم میں اونڈیل دیا، پھر آپ نے فرمایا: (اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے [یعنی تم سے پانی پلانے کا یہ شرف چھین لیں گے] تو میں تمہارے ساتھ اپنے ہاتھوں سے ڈول کھینچتا) (410).

۴۔ **عبد الجبار** بن وائل اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں: (نبی ﷺ کے پاس ایک ڈول زمزم کا پانی لایا گیا، آپ نے کلی کیا، پھر اپنے منھ کے پانی کو اس ڈول میں ڈال دیا جو کہ مسک سے زیادہ معطر تھا۔ یا یہ کہا: بالکل مسک کی طرح تھا۔ جو خوشبو ڈول سے باہر پھیل گئی تھی)(411).

---

۴۰۸. صحیح البخاری، (۳/۱۳۱۱)، (ح۳۳۸۴).

۴۰۹. حدیث کا لفظ ہے **(ثُمَّ مَجَّ فِيهَا)**، یعنی: آپ کے دہان مبارک میں جو پانی تھا اسے اس میں ڈال دیا.

۴۱۰. مسند احمد(۱/۳۷۲)، (ح۳۵۲۷)، اور احمد شاکر نے (شرح المسند)، (۵/۱۷۷) میں صحیح قرار دیا ہے. اور محققین مسند نے بھی، (۵/۴۶۷)، (ح۳۵۲۷).

۴۱۱. مسند احمد(۴/۳۱۸)، (ح۱۸۸۹۴) اور محققین مسند نے اسے حسن قرار دیا ہے، (۳۱/۱۶۷)، (ح۱۸۸۷۴).

پانچواں مطلب

چشمۂ زمزم کبھی خشک نہ ہوگا

آب زمزم کے خصائص ومیّزات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ایسا چشمہ ہے جو کبھی خشک ہوگا نہ اس کا پانی کبھی ختم ہوگا، حالانکہ تقریبا پانچ ہزار سالوں سے پانی نکالا جا رہا ہے اور اسے **کثرت** کے ساتھ استعمال کیا جا رہا ہے **زمزم کے اسماء:**

چاہِ زمزم کے اسماء واوصاف کے سلسلے میں عربوں سے منقول ہے کہ: **أنّها لا تنْزَفُ أبداً، وَ لاَ تُذَمّ** (412) یعنی: زمزم کا پانی نہ کبھی ختم ہوگا اور نہ اس میں کوئی کمی آئے گی.

اور **(لا تُـنْـزَف)** کا معنی ہے: (اس کا پانی کثرتِ شرب واستعمال کے باوجود فنا نہیں ہوگا) (413) اور **(لا تُذَمّ)** کے معنی کے بارے میں تین اقوال وارد ہوئے ہیں:

پہلا: لا تـعـاب (اس کو معیوب قرار نہیں دیا جاسکتا) کے معنی میں ہے، جیسے کہا جاتا ہے: ذممتہ، یعنی تم نے اس کی عیب جوئی کی .

دوسرا: اسے مذموم نہیں دیکھا جاسکتا، کہا جاتا ہے: اذممتہ، جب تم اسے مذموم حالت میں پاؤ.

تیسرا: اس کے پانی کو کبھی کم نہیں دیکھا جاسکتا، جیسے آپ کہتے ہیں: بئر ذمة، جب کنواں تھوڑے پانی والا ہو) (414).

تیسرے قول کو **الاصمعی اور السہیلی** نے راجح قرار دیا ہے (415).

---

۴۱۲. دیکھئے: سیرت ابن اسحاق، (۴/۱)؛ مصنف عبدالرزاق، (۵/ ۱۱۵)، (۹۱۱۷)؛ اخبار مکہ، الازرق، (۴۴/۲)؛ اخبار مکہ، الفاکھی، (۱۲/۲).

۴۱۳. النھایہ، (۴۱/۵)؛ لسان العرب، (۳۲۶/۹)؛ تاج العروس، (۳۹۶/۲۴).

۴۱۴. تھذیب اللغہ، الازھری، (۳۰۰/۱۴)؛ النھایہ، (۱۶۹/۲)؛ تاج العروس، (۲۰۹/۳۲).

۴۱۵. دیکھئے: الروض الانف، (۴۸۶/۱).

ابوعبید نے کہا ہے: (الاصمعی کا کہنا ہے: الذمۃ، بمعنی قلیل الماء ہے، کہا جاتا ہے: بئر ذمۃ، کم پانی والا کنواں، اور اس کی جمع ذمام ہے) (416)۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ (**لا تــذم**) سے تیسرا معنی ہی مراد ہے، اس لئے کہ آب زمزم کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ایسا پانی ہے جس کو معیوب یا مذموم نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ وہ منافقین کے نزدیک ہی مذموم ہوسکتا ہے۔

اور ایسی روایتیں بھی ہیں جو تیسرے معنی کی تائید کرتی ہیں، اور جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسرا معنی ہی مراد ہے، ان روایتوں میں سے بعض یہ ہیں:

زمزم کے پھوٹ پڑنے کے واقعہ میں آیا ہے جسے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "**يَرْحَمَ اللّٰهُ أُمَّ اسْمَاعِيلَ ، لَو تَرَكَتْ زَمْزَمَ - أو قَالَ: لَولَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ - لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَعِينًا**" (417)۔

اللہ تعالی ام اسماعیل پر رحم فرمائے، اگر وہ زمزم کو چھوڑ دیتیں ۔ یا یہ فرمایا: اگر وہ چلو سے پانی نہیں لیتیں تو زمزم بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔

اور ایک روایت میں ہے: "**لَوْ تَرَكَتْهُ كَانَ الْمَاءُ ظَاهِراً**" (418)۔ یعنی اگر وہ اسے چھوڑ دیتیں تو پانی پھیل جاتا۔

وہ بیان کرتے ہیں: اس میں سے انہوں نے خود پیا اور اپنے بچے کو پلایا، فرشتہ نے ان سے کہا: "**لَا تَخَافُوا الضَّيْعَةَ**" یعنی: آپ لوگ اس کے ختم ہوجانے سے نہ ڈریں (419)۔

۴۱۶۔ تھذیب اللغۃ، للأزھری، (۱۴/۲۹۹)۔

۴۱۷۔ صحیح البخاري، (۳/۱۲۲۸)، (ح ۳۱۸۴)۔

۴۱۸۔ صحیح البخاري، (۳/۱۲۳۰)، (ح ۳۱۸۵)۔

۴۱۹۔ صحیح البخاري، (۳/۱۲۲۸)، (ح ۳۱۸۴)۔

ابن حجر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (ان کے اس قول: [**لاتخافوالضیعۃ**] میں الضیعۃ ضاد کے فتحہ اور یاء کے کسرہ کے ساتھ، ہلاکت کے معنی میں ہے، اور ابوجہم کی حدیث میں ہے: **"لا تَخَافِي أَنْ يَنْفَدَ الْمَاءُ"** یعنی آپ اس سے نہ ڈریں کہ پانی ختم ہو جائے گا، اور **الفاکھی** کے نزدیک **علی** بن الوازع نے بواسطہ **ایوب** روایت کیا ہے: [**لَاتَخَافِي عَلَى أَهْلِ هَذَا الْوَادِي ظَمَأً، فَإِنَّهَا عَيْنٌ يَشْرَبُ بِهَا ضِيْفَانُ اللّٰهِ**](420) یعنی آپ اس وادی والوں کے پیاسے رہ جانے سے نہ ڈریں، یہ ایسا چشمہ ہے جس سے اللہ کے مہمان سیراب ہوتے رہیں گے، ابوجہم کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: ہاجرہ نے کہا: اللہ آپ کو خیر سے نوازے(421).

آب زمزم کے حق میں تاریخی شہادت:

آبِ زمزم کے فنا نہ ہونے کی سب سے بڑی حسی دلیل خود اس کا تاریخی وجود ہے، اس کا چشمہ جس دن سے اسماعیل علیہ السلام کے لئے جاری ہوا اس دن سے آج تک اس سے بکثرت پانی نکالے جانے کے باوجود کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی منقطع نہیں ہوا، خاص کر موجودہ زمانے میں رمضان اور حج کے دنوں میں بہت بڑی مقدار میں اس سے پانی نکالا جاتا ہے۔

چاہِ زمزم کا مشاہدہ کرنے والا خوب جانتا ہے کہ اس کے پانی کا لیول کبھی متغیر نہیں ہوتا، بلکہ ہمیشہ ایک ہی لیول پر رہتا ہے، اس سے خواہ جتنا بھی پانی کھینچ لیا جائے اس میں نہ کوئی کمی ہوتی ہے اور نہ اضافہ، ایسا کبھی نہ ہوا کہ اس کا لیول اتنا اونچا ہو جائے کہ وہ زمین پر پھیل جائے، اور نہ کبھی اتنا کم ہوا کہ اس میں کچھ باقی ہی نہ رہے (422).

---

۴۲۰. اخبار مکۃ، الفاکھی (۲/۶)، (ح ۱۰۵۱).

۴۲۱. فتح الباری، (۶/۴۰۲).

۴۲۲. فضل ماء زمزم، (ص ۱۷۵)، معمولی تصرف کے ساتھ.

دسواں مبحث

کعبہ کرۂ ارضی اور پوری دنیا کا مرکز ہے

اس مبحث میں چار مطالب ہیں:

پہلا مطلب: کعبہ کا رُخ بیتِ معمور کی طرف ہے.

دوسرا مطلب: قدیم علماء وفلاسفہ کے مطابق کعبہ خشکی کے وسط میں واقع ہے.

تیسرا مطلب: قدیم وجدید ہر دو دنیا کا مرکز کعبہ ہے.

چوتھا مطلب: کعبہ کے ارکان (اربعہ) دنیا کے مختلف سمت کی طرف اشارہ کرتے ہیں.

پهلا مطلب

کعبه کا رُخ بیتِ معمور کی طرف هے

بیتِ معمور: یہ ساتویں آسمان پر ایک گھر ہے جسے (الضراح) کہا جاتا ہے، اس کا وجود قرآن و حدیث کے نصوص سے ثابت ہے، خود اللہ نے قرآنِ مقدس میں اس کی قسم کھایا ہے، اللہ کا فرمان ہے: **وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ** [الطور:۴] یعنی قسم ہے بیتِ معمور کی۔

یہ (ایک عبادت خانہ ہے جو) ہمہ وقت آباد رہتا ہے، ہر روز ستر ہزار فرشتے اس میں داخل ہوتے ہیں، اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، پھر دوبارہ قیامت تک وہ اس کی طرف واپس نہیں آئیں گے (423)۔

دلائل:

۱۔**مالک** بن صعصعہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "**فَرُفِعَ لِيَ الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ، فَسَأَلْتُ جِبْرِيلَ، فَقَالَ: هَذَا الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ، يُصَلِّي فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ، إِذَا خَرَجُوا لَمْ يَعُودُوا إِلَيْهِ آخِرَ مَا عَلَيْهِمْ**" (424)۔

یعنی: میرے لئے بیتِ معمور کو بلند کیا گیا، میں نے جبریل سے اس بابت پوچھا، انہوں نے کہا: یہ بیتِ معمور (آباد عبادت خانہ) ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز ادا کرتے ہیں، جب وہ لوٹ جاتے ہیں تو قیامت تک دوبارہ انہیں آنے کا موقع نہیں ملتا۔

۲۔**انس** بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ**۔ یعنی پھر ہمیں لے کر ساتویں آسمان پر چڑھے، جبریل نے

۴۲۳۔ تفسیر السعدی، (۸۱۳/۱)۔

۴۲۴۔ صحیح البخاری، (۱۱۷۳/۳)، (ح ۳۰۳۵)؛ صحیح مسلم، (۱۵۰/۱)، (ح ۱۴۹)۔

دروازہ کھلوایا، اندر سے سوال ہوا: کون ہے؟ جواب دیا گیا: جبرئیل، پھر سوال ہوا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا گیا: محمد ﷺ، پوچھا گیا: انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے کہا: جی ہاں بلایا گیا ہے، نبی ﷺ فرماتے ہیں: " **فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِإِبْرَاهِيمَ عليه السلام مُسْنِداً ظَهْرَهُ إِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ، وَ إِذْ هُوَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ ، لَا يَعُودُونَ إِلَيْهِ** "(425)۔

یعنی: ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا، داخل ہوتے ہی ہماری نظر ابراہیم علیہ السلام پر پڑی، آپ بیتِ معمور پر اپنی پیٹھ ٹکائے ہوئے بیٹھے تھے، جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور وہ اس میں دوبارہ واپس نہیں آتے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (یعنی یہ فرشتے اس میں عبادت وریاضت کرتے ہیں، اس کا طواف کرتے ہیں، جس طرح کہ زمین کے باشندے کعبہ کا طواف کرتے ہیں، بالکل اسی طرح بیتِ معمور بھی ہے کہ ساتویں آسمان پر رہنے والوں کا وہی کعبہ ہے، اسی وجہ سے ابراہیم خلیل اللہ کو اس کی طرف پشت کئے ہوئے دیکھا گیا، چونکہ آپ زمین پر موجود کعبہ کے بانی ہیں، اور جیسا عمل ہوتا ہے ویسا ہی بدلہ ملتا ہے(426)۔

بعض اہلِ علم کا یہ بھی کہنا ہے کہ بیتِ معمور سے مراد کعبہ شرفہ ہی ہے، جیسا کہ امام **زمخشری** رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ: (بیتِ معمور کو کعبہ بھی کہا گیا ہے اس لئے کہ کعبہ بھی حجاج، معتمرین، مجاورین اور معتکفین سے ہمیشہ آباد رہتا ہے)(427) **سعدی** رحمہ اللہ کا بیان ہے: (کہا جاتا ہے: بیتِ معمور عین بیتِ حرام ہے، جو طواف کرنے والوں، نمازیوں، اذکار واوراد میں مشغول لوگوں اور حجاج ومعتمرین سے ہمیشہ آباد رہتا ہے)(428)۔

۴۲۵۔ صحیح مسلم، (۱/۱۴۶)، (ح ۱۶۲)

۴۲۶۔ تفسیر ابن کثیر، (۴/۲۴۰)۔

۴۲۷۔ تفسیر کشاف، (۴/۴۱۱)۔

۴۲۸۔ تفسیر سعدی، (۱/۸۱۳)

امام **شوکانی** رحمہ اللہ نے بیتِ معمور سے متعلق دونوں اقوال کے درمیان جمع وتطبیق کی صورت پیدا کرتے ہوئے لکھا ہے: (بیتِ معمور کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں: وہ آسمان دنیا پر ہے، اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے: وہ عین کعبہ ہے، چنانچہ اول الذکر دو اقوال کے مطابق وہ فرشتوں کے دخول اور وہاں ان کی عبادت وریاضت سے آباد رہتا ہے، اور تیسرے قول کے بموجب کعبہ بنی نوع آدم کی بکثرت عبادت، طواف، حج اور عمرہ سے سدا معمور رہتا ہے)(429).

گویا دونوں اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ بیتِ معمور آسمان میں فرشتوں سے معمور ہے، اور کعبہ زمین پر انسانوں کی عبادات سے آباد ہے۔

بیت معمور کعبہ کے عین اوپر ہے:

بہت سی ایسی روایتیں ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیتِ معمور کعبہ کے عین اوپر ہے، اور کعبہ کا رُخ اسی کی طرف ہے، اس سلسلے کی چند احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔خالد بن عرعرہ سے مروی ہے کہ: (ایک شخص نے علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: بیتِ معمور کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: آسمان میں ایک گھر ہے جس کو "الضراح" کہا جاتا ہے، وہ کعبہ کے بالکل سامنے بلندی پر ہے، آسمان میں اس کی حرمت اسی طرح ہے جس طرح زمین میں کعبہ کی حرمت ہے، اس میں ہر دن ستر ہزار فرشتے نماز ادا کرتے ہیں، پھر دوبارہ کبھی انہیں اس کا موقع نہیں ملے گا)(430).

۲۔قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ: (ہم سے بیان کیا گیا کہ نبی ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہ سے کہا: "**هل تدرون ماالبيت المعمور** ؟" کیا تمہیں معلوم ہے کہ بیت معمور کیا ہے؟ صحابہ نے عرض

---

۴۲۹ . فتح القدیر، (۵/۹۴)

۴۳۰ . تفسیر ابن جریر، (۲۷/۱۶) البانی نے (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ) میں جزء اول (۲/۸۵۹) کے اندر حدیث نمبر: ۴۷۷، کے تحت کہا ہے: (اس کے رجال ثقہ ہیں، سوائے خالد بن عرعرہ کے، وہ مستور الحال ہے)۔

کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: " **فَإِنَّهُ مَسْجِدٌ فِي السَّمَاءِ ، تَحْتَهُ الْكَعْبَةُ ، لَوْ خَرَّ لَخَرَّ عَلَيْهَا** "

یعنی وہ آسمان میں ایک مسجد ہے، جس کے نیچے (زمین پر) کعبہ ہے، اگر وہ آسمان سے گرے تو کعبہ ہی پر گرے گی (431).

بہت سے اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ بیتِ معمور کعبہ ہی کے اوپر (آسمان میں) ہے، اس قول کے حامی علماء اور ان کے اقوال ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں:

۱۔ اس کے قائلین میں **طبری** رحمہ اللہ ہیں، وہ بیان کرتے ہیں: (کہا جاتا ہے کہ وہ آسمان پر ایک گھر ہے جو زمین پر کعبہ کے بالکل سامنے ہے)(432)

۲۔ امام **بغوی** رحمہ اللہ، وہ بیان کرتے ہیں: (وہ ساتویں آسمان پر ایک گھر ہے، جو عرش کے سامنے کعبہ کے عین اوپر واقع ہے، اسے الضراح کہا جاتا ہے، آسمان میں اس کی حرمت وہی ہے جو زمین میں کعبہ کی حرمت ہے)(433).

۳۔ **ابن کثیر** رحمہ اللہ، وہ بیت معمور کے تعلق بیان کرتے ہیں: (وہ کعبہ کے بالکل سامنے ہے)(434).

۴۳۱۔ تفسیر ابن جریر، (۲۷/۱۷) اور البانی نے (**سلسلة الاحاديث الصحيحة**) میں، جزء اول (۲/۸۵۹۔۸۶۰) کے اندر حدیث نمبر: ۴۷۷، پر تعلیق کے ضمن میں کہا ہے: (یہ سند مرسل صحیح ہے، اس کے تمام رجال ثقہ اور صحیحین کے ہیں، سوائے بشر ابن ہلال الصواف کے، وہ فقط مسلم کے رجال میں سے ہیں، خلاصہ یہ کہ: مجموعہ طرق سے (**حيال الكعبة**، یعنی کعبہ کے سامنے) کا اضافہ ثابت ہے، اور اصل حدیث واضح ہے).

۴۳۲۔ تفسیر الطبری، (۲۷/۱۶).

۴۳۳۔ تفسیر البغوی، (۴/۲۳۷).

۴۳۴۔ تفسیر ابن کثیر، (۴/۲۴۰).

اللہ تعالی کی عبادت دونوں گھروں کے درمیان ربط و وصل کا کام کرتی ہے :

آسمان میں موجود بیتِ معمور کے بالکل کعبہ کے اوپر ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ اور اس کیمھا فات اللہ تعالی کے نزدیک حد درجہ مکرم، مشرف، اور محترم ہیں، گویا کوئی مضبوط بندھن اور رسی ہو جوان دونوں گھروں کے ذریعے آسمان و زمین کو باہم مربوط کرتی ہو، آسمان و زمین کے ان دونوں عبادت خانوں کے مابین صرف ایک ہی چیز باعث ربط و وصل ہے، وہ ہے صرف اللہ کی عبادت و بندگی بیتِ معمور جس کا فرشتے حج کرتے ہیں، اور بیت حرام، جس کا انسان حج کرتے ہیں، کے مابین باہمی مشابہت جس طرح اس بات کی دلیل ہے اور اس میں اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ سبھوں کا دین ایک ہے، اس کا مصدر اور اصل بھی ایک ہے، اسی طرح اس سے ان لوگوں کی عزت وعظمت کا اندازہ ہوتا ہے جن لوگوں نے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اس لئے کہ انہیں ملائکہ کرام سے تشبیہ دیا گیا ہے، اور وہ ایک خاص عمل اور ایک خاص عبادت میں ان کے شریک ہیں، اور وہ عمل حج بیت ہے، آسمان میں بیتِ معمور کا حج، اور زمین میں بیت اللہ کا حج.

دوسرا مطلب

قدیم علماء و فلاسفہ کے مطابق کعبہ خشکی کے وسط میں واقع ہے

اولین مسلم علماء نے یہ انکشاف کیا ہے کہ کعبہ اور بلدِ حرام زمین کا مرکز اور اس کا وسط ہے، اس بابت علماء لغویین اور مفسرین کے کچھ اقوال و آراء ہیں جو ذیل کے سطور میں پیش کئے جا رہے ہیں:

۱۔ (**ابن عطیہ الاندلسی** رحمہ اللہ (متوفی: ۵۴۶) نے ام القری کی وجہ تسمیہ ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: (اُمُّ القری کو اس نام سے موسوم کئے جانے کے چار وجوہ ہیں: **اول** یہ کہ: وہ دین و شریعت کا منبع و مصدر ہے، **دوسری** وجہ یہ کہ: زمین اسی سے پھیلائی گئی ہے، **تیسری** وجہ یہ کہ: وہ کرۂ ارضی کا درمیان ہے اور گویا تمام بستیوں کا نقطۂ ارتکاز ہے، **چوتھی** وجہ یہ کہ: یہ شریعت سے ثابت شدہ بات ہے کہ وہ تمام بستیوں اور (ممالک) کا قبلہ ہے، چنانچہ وہ ان تمام (ممالک) کی ماں ہے، اور تمام بستیاں (اور ممالک) اس کی بیٹیاں ہیں)(435).

۲۔ **یاقوت الحموی** رحمہ اللہ (متوفی: ۶۲۶ھ) کا قول ہے: (روایات میں آیا ہے کہ: روئے زمین پر اللہ نے سب سے پہلے مکانِ کعبہ کو پیدا کیا، پھر اس کے نیچے زمین کو پھیلایا، گویا وہ زمین کا درمیان اور کائنات کا وسط ہے، تمام بستیوں کی ماں ہے، ان سب میں (تخلیق کے اعتبار سے) کعبہ اول ہے، کعبہ کے گرد مکہ ہے، مکہ کے گرد حرم ہے، اور حرم کے چہار جانب دنیا آباد ہے۔)(436).

۳۔ **امام قرطبی** رحمہ اللہ (متوفی: ۶۷۱ھ) سورۂ بقرہ کی ۱۴۳ ویں آیت: "**وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا**" کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: (جس طرح کعبہ وسطِ ارض ہے اسی طرح ہم نے تمھیں بھی وسط امت بنایا ہے، یعنی انبیاء سے کم درجہ اور تمام امتوں پر فائق بنایا ہے، وسط کا معنی ہوتا ہے"

۴۳۵. المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، (۳۲۲/۲).

۴۳۶. معجم البلدان، (۴۶۳/۴).

عدل''،اس کی اصلیت یہ ہے کہ: ''**أحمد الأشیاء أوسطها**'' قابل ستائش شئی اوسط شئی ہے)(437).

۴۔امام نسفی رحمہ اللہ (متوفی:۷۱۰ھ) لکھتے ہیں: (مکہ کو امّ القریٰ کا نام اس لئے دیا گیا کہ وہ روئے زمین کا وسط ہے، تمام جہاں والوں کے لئے قبلہ ہے، سب سے زیادہ عظیم الشان ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ لوگ (حج وعمرہ کی نیت سے) اس کا قصد کرتے ہیں (438).

۵۔ابو حیان الاندلسی رحمہ اللہ (متوفی:۷۴۵ھ) ذکر کرتے ہیں کہ: (اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ دین کا ماخذ ومنبع ہے، زمین کو اسی سے پھیلایا گیا ہے، وہ پوری کائنات کا وسط ہے، دنیا والوں کے لئے قبلۂ عبادت ہے، مقامِ حج ہے اور وہ اللہ کا پہلا گھر ہے جو لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے)(439).

۶۔حافظ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی:۷۵۱ھ) بیان کرتے ہیں: (...اللہ تعالی نے لوگوں کو یہ بتلایا ہے کہ جس طرح انہیں سب سے بہتر اور امتِ وسط بنایا ہے اسی طرح ان کے استقبال کے لئے بھی سب سے بہتر، مناسب اور وسط جہت کا انتخاب فرمایا ہے، نیز ان کے لئے سب سے بہتر نبی کو منتخب کیا، سب سے بہتر دین ان کے لئے مشروع فرمایا، ان پر سب سے بہتر کتاب نازل کی اور ان کے کمالِ علم وفضل اور کمالِ عدالت کے سبب انہیں تمام لوگوں پر گواہ مقرر فرمایا، اللہ کی حکمت اس امر میں پوری طرح کھل کر سامنے آتی ہے کہ اللہ نے مسلمانوں کے لئے افضل ترین اور اشرف ترین قبلہ کو اختیار فرمایا، تا کہ قبلہ، رسول، کتاب اور شریعت ہر ایک کے ذریعے ان کے اندر فضل وکمال کی صورتیں درجۂ تمام کو پہنچ سکیں)(440).

ایک دوسری جگہ پر آپ رقمطراز ہیں: (انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ وہ ذات جو اپنی مشیئت سے جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا کرتا ہے، اسی ذات نے انہیں (مسلمانوں کو) اس قبلہ کی رہنمائی کی ہے، یہی قبلہ ان کے

---

۴۳۷. الجامع لاحکام القرآن، (۱۵۳/۲).

۴۳۸. تفسیر نسفی، (۳۳۴/۱).

۴۳۹. البحر المحیط، (۱۸۳/۴).

۴۴۰. مفتاح دار السعادۃ، (۳۱/۲).

لئے موزوں اور عین مناسب ہے، اور وہ اس قبلہ کے پاسبان ونگہبان ہیں، اس لئے کہ یہی متوسط اور افضل قبلہ ہے، اور انہیں کی امت بہتر ومتوسط امت ہے، چنانچہ اللہ نے افضل امت کے لئے افضل قبلہ کو منتخب فرمایا، جیسا کہ اس ذات واحد نے ان کے لئے افضل ترین کتاب اور افضل ترین رسول کو منتخب فرمایا، نیز انہیں سب سے بہتر صدی میں منصۂ وجود پر جلوہ افروز کیا، ان کے لئے افضل ترین شریعت کو خاص فرمایا، انہیں بہترین اخلاق واقدار سے نوازا، پھر انہیں سب سے افضل وبرتر سرزمین پر بسایا اور آباد کیا)(441).

اوّلین علماء کے مذکورہ بالا اقوال وآراء سے یہ پوری طرح واضح ہوگیا کہ کعبہ اور بلد حرام روئے زمین کے بالکل وسط میں واقع ہے، ان علماء کو اس حقیقت کا ادراک یا تو مکہ کے لغوی معنی سے ہوا ہے، یا پھر قرآن کے اس بیان سے کہ وہ امّ القری ہے، یا پھر مکہ اور کعبہ کے تعلق سے وارد آیات کے معنی ومفہوم سے.

کعبه کی وسطیت میں روحانی اور مادی دو نوں فائدیے پنهاں هیں:

قدیم اور اولین علماء نے امت مسلمہ کی وسطیت، عدالت، شرافت اور مکانِ کعبہ کی وسطیت کے مابین جو ربط وتعلق پیدا کیا ہے، وہ اوپر بیان ہو چکا ہے، اور اس وسطیت میں دو فائدے پنہاں ہیں؛

روحانی اور معنوی فائدے، جو کہ اس امر کے اندر شامل ہیں کہ اللہ نے امتِ مسلمہ کو تمام دیگر اقوام وامم پر بدرجہا برتری اور فضیلت عطا کیا ہے، اور انہیں بلندترین مقام ومرتبہ سے سرفراز فرمایا ہے، دوسرا فائدہ مادّی ہے، جو مکانِ کعبہ کی وسطیت میں موجود ہے؛ تاکہ اس جگہ سے امت آسمانی رسالت کی تبلیغ بآسانی کر سکے، اور آسمانی رسالت کے نور کو تمام گوشۂ عالم میں متوازن اور مساوی طریقے سے عام کر سکیں، اس مہتم بالشان ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کعبہ کا وسطِ عالم اور مرکزِ دنیا میں ہونا ناگزیر تھا.

یہ اللہ تعالی کی توفیق ومدد ہی ہے کہ پہلے علماءِ اقدمین نے امت کی مرتبتِ وسطیت اور کعبہ کے مقامِ وسطیت کے مابین جمع وتطبیق کی صورت اختیار کیا، اس کے بعد جدید سائنس نے (عرصۂ دراز کے بعد) ان کے موقف کی تائید وتوثیق کی.

---

۴۴۱. زاد المعاد، (۳/۶۸).

کعبہ، قدیم و جدید ہر دو دنیا کی خشکی کا مرکز ہے:

جدید سائنسی تحقیقات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ کعبہ اور بلدِ حرام قدیم دنیا (ایشیا، افریقہ، یورپ) اور جدید دنیا (جنوبی امریکہ، شمالی امریکہ، آسٹریلیا، انٹارکٹک ANTARKTIK) دونوں کی خشکی کے مرکز میں واقع ہے، یعنی کہ کرۂ ارضی کا خشکی اور بری حصہ ملّہ مکرمہ کے گرد (چاروں جہات میں) منظم طریقے سے منقسم ہے، جسے ذیل کے سطور سے سمجھا جاسکتا ہے:

اوّل: قدیم دنیا (OLDWORLD) کی خشکی کے وسط میں کعبہ کا وقوع:

قدیم دنیا کے حدود کے طور پر ۹ شہروں اور جزیروں کو متعین کیا گیا ہے، ان کے محلِ وقوع اور ملّہ مکرمہ سے ان کی دوری کی بھی تحدید کی گئی ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوگیا ہے کہ ان شہروں، جزیروں اور ملّہ مکرمہ کے مابین گولائی کی مسافت (THE ARCH DISTANCE) تقریباً ۸۰۳۹ کیلومیٹر کے اوسط سے ہے، اس کا مطلب ہے کہ ملّہ مکرمہ اس سرکل (CIRCLE) کے مرکز (CENTRE) پر واقع ہے جس کا دائرہ تین براعظم (ایشیا، افریقہ اور یورپ) سے ہوکر گزرتا ہے، یہی وہ براعظم ہیں جو جنوبی امریکہ اور شمالی امریکہ کے انکشاف سے پہلے قدیم دنیا (OLD WORLD) کہے جاتے تھے۔

دوم: جدید دنیا (NEW) کی خشکی کے وسط میں کعبہ کا وقوع:

ملّہ مکرمہ اور درج ذیل شہروں کے مابین مسافت کی پیائش کی گئی ہے:

۱۔ براعظم آسٹریلیا کے مشرقی ملک نیوزی لینڈ میں واقع شہر ویلنگٹن؛ اس کے نتیجے میں معلوم ہوا کہ ملّہ مکرمہ اور اس شہر کے سرمیان ۱۳۰۴۰ کیلومیٹر کی دوری ہے۔

۲۔ جنوبی امریکہ کا دور افتادہ شہر کورن ہورن؛ پیائش سے پتہ چلا ہے کہ اس کے اور ملّہ کے مابین ۱۳۱۲۰ کیلومیٹر کی مسافت ہے۔

۳۔ شمالی امریکہ کا دور افتادہ شہر الاسکا؛ اس کے اور ملّہ کے درمیان ۱۳۶۰۰ کیلومیٹر کا بعد ہے۔

مذکورہ تحقیق سے یہ آشکارہ ہوتا ہے کہ جدید دنیا کے دور دراز خطے اور مکّہ مکرّمہ کے درمیان کی دوری تقریباً ۱۳۲۵۳ کیلومیٹر ہے، اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ مکّہ مکرّمہ ایسے سرکل (CIRCLE) کے مرکز پر واقع ہے جو جدید دنیا (NEW WORLD) کے براعظم کے حدود سے ہوکر گزرتا ہے، نیز یہ دائرہ قطب جنوبی کے شرقی اور مغربی حدود سے ہوکر بھی گزرتا ہے (442).

جائے کعبہ کے انتخاب میں سربستہ عظیم حکمتیں:

یہ وسیع وعریض دنیا، اس میں منتشر مختلف مخلوقات، اور اس کے محیّر العقول، ہوش ربا، خیرہ چشم مظاہر اور جلوے، یہ سب کے سب کسی اتفاقیہ عمل کے نتائج نہیں ہیں، اور نہ ہی فطرت (NATURE) کی کاریگری (سے یکلخت وقوع پذیر ہوگئے) ہیں، بلکہ یہ سب صرف اور صرف اس ذاتِ مقدس کی صنّاعی ہے جس نے ہر چیز کو تخلیق بخشا اور نہایت دقیقہ رسی اور باریک بینی کے ساتھ محکم طریقے سے ان کا اندازہ کیا، خود کے قائم کئے ہوئے دقیق نظام کے عین مطابق وموافق، جس میں نہ ادنی سا خلل ہے اور نہ ذرا سا نقص، قدرت کی اس عظیم صنّاعی میں ایسی حکمتیں اور اسرار پوشیدہ ہیں جن کا شمار اللہ تعالی ہی کرسکتا ہے، اللہ اپنے بعض (برگزیدہ) بندوں کو بسا اوقات بعض راز ہائے سربستہ سے مطلع فرماتا ہے تاکہ وہ خالق وباری کی عظمت وبرتری سے آگاہ ہوسکیں.

انہیں امور میں سے جو ہمیں عظمتِ خالق سے روشناس کراتے ہیں یہ بھی ہے کہ اللہ نے

---

۴۴۲. ڈاکٹر یحیی محمد وزیری جو فن تعمیر (ARCHITECTURE) کے استاد اور جامعۃ القاھرۃ ،کلیۃ الآثار میں محاضر (LECTURER) کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں؛ ان کی کتاب (**اثبات توسط مکۃ للیابسۃ**) ان تفصیلات کے لئے قابل مراجعہ ومطالعہ ہے، دراصل یہ کتاب **تحقیقی بحث** (THESIS) ہے جو اپریل ۲۰۰۸ء کو دوحہ۔ قطر میں "**ساعۃ مکۃ العالمیۃ**" کے زیر اشراف منعقدہ پہلی تحقیقی کانفرنس میں پیش کیا گیا، کانفرنس کا موضوع تھا: مکۃ المکرمۃ مرکز الیابسۃ بین النظریۃ والتطبیق.

مسلمانوں کے قبلہ کعبہ مشرّ فہ کے لئے مکّہ مکرّ مہ (جیسی موزوں ومناسب) جگہ کا انتخاب فر مایا، یہ الٰہی انتخاب ہے،اس میں بڑی حکمتیں مخفی ہیں،جنہیں جدید سائنسی انکشافات اورتحقیقات کے بعد سمجھنا آسان ہوگیا ہے، چنانچہ مسلمانانِ عالم جب اپنی نمازوں میں کعبہ رُو ہوتے ہیں تو دراصل وہ ایسی جگہ کی طرف رُخ کئے ہوتے ہیں جس کو پوری خشک دنیا کا مرکز تسلیم کیا جاتا ہے،ایسی صورت میں انکی نگاہیں اوران کے دل گویا کسی ایک ذات کو دیکھ رہے ہوتے ہیں،اس کو سمجھنا ہوتو آپ اس مرکز (POLE) کو چشم تصور میں لایئے جس کے گرد سرکل (CIRCLE) یعنی دائرہ ہو جو اسے ہر چہار جانب سے گھیرے ہوا ہو۔

کعبہ اوربلدِ حرام کے دنیا کا مرکز ہونے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یہ حکمت پنہاں ہے کہ کعبہ کے مرکزِ عالم ہونے کےسبب روئے زمین کے کسی بھی گوشے سے وہاں تک پہنچ جانا آسان ہے،کعبہ کے متوسط محلِ وقوع نے بڑی، بحری اورفضائی ہر طریقے سے دیگر تمام برّ اعظموں کی بنسبت وہاں تک پہنچنے کوزیادہ آسان کردیا ہے،اس طورپر کہ مکّہ کا سفر کرنے میں بہت معمولی ہی مشقت اورکلفت اٹھانی پڑتی ہے،آپ بالخصوص اس نظریہ سے سوچئے کہ حج اورعمرہ جیسا عظیم دینی فریضہ اس مکان سے جڑا ہوا ہے،پھر غور کیجئے کہ کعبہ اگر دنیا کے کسی دوردراز کنارے پر واقع ہوتا تو دوسرے کنارے پر بسنے والے ایک مسلمان کے لئے مکّہ مکرّمہ کا سفر کرنا کس قدر دشوارگزار اورمشقت انگیز ہوتا؛ان حکمتوں کےعلاوہ ایک دوسری حکمت یہ ہے کہ دنیا کے دومختلف کناروں پر بسنے والوں کےحق میں اس کے اندر معتدل ومساوی جغرافیائی تقسیم ہے؛ چنانچہ کعبہ کے کسی سمت اگرایک کنارہ ہےتو عین اس کے بالمقابل اتنی ہی مسافت پرایک دوسرا کنارہ بھی موجود ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے دومختلف کناروں پر بسنے والوں کےحق میں سفر کی مشقت اور دشواری میں بھی مکمل عدل اورمساوات کوقائم رکھا گیا ہے۔وماذلک علی اللہ بعزیز۔

مکہ کا (خط) طول بلد گرینچ (GREENWICH) کے طول بلد سے بہتر ہے:

بالیقین مکّہ مکرّمہ کے منفرد وممتاز محلِ وقوع نے ایک مغربی اسکالر جس کا نام آرنالڈ کیسر لنگ

(ARNOLD KEYSERLING) ہے، کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ مکّہ مکرّمہ کے طول بلد جو ۳۹ ڈگری اور ۴۹ منٹ مشرقی مین ٹائم (MEAN TIME) ہے، کو بنیادی (خطّ) طول بلد تسلیم کئے جانے کا مطالبہ کرے، بجائے اس کے کہ انگلینڈ (INGLAND) کے گرینچ طول بلد (GREENWICH MEAN TIME) یعنی انگریزی وقت کا اعتبار کیا جائے، جس کو بغیر کسی سائنسی اور واضح منطقی وجہ کے ۱۸۸۲ء میں پوری دنیا میں نافذ کر دیا گیا، انگریزی وقت کے اس بے سبب اور بے وجہ عالمی نفوذ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ۱۸۸۲ء میں حکومت برطانیہ (BRITISH EMPEROL) کو پوری دنیا میں سپر پاور (SUPER POWER) مانا جاتا تھا، اسی وجہ سے اس کے مقرر کردہ گرینچ مین ٹائم کو ہی پوری دنیا میں معتدل وقت تسلیم کر لیا گیا، جب کہ سائنسی تحقیق کے مطابق مکّہ کا محلِ وقوع اس کے لئے عین موزوں ہے کہ اس کے طول بلد کو مین ٹائم کے طور پر تسلیم کیا جائے 443.

۴۴۳. تفصیل کے لئے مراجعہ کیجئے: ڈاکٹر یحیی محمد وزیری کی کتاب: (الکعبة المشرفة دراسة تحليلية للخصائص التصميمية) جس کو ۲۰۰۷ء میں قاہرہ کے چودھویں عالمی کانفرنس "انٹر ویلڈ" کانفرنس میں پیش کیا گیا۔

چوتھا مطلب

کعبہ کے ارکان دنیا کے مختلف جہات کی طرف اشارہ کرتے ہیں

کعبہ مشرفہ کے اصل ارکان آباد دنیا کے کن جہات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، یہ معلوم کرنے کے لئے مختلف قسم کی جدید تحقیقات ہوئی ہیں، ان تحقیقات سے جو نتائج سامنے آئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ رکنِ عراقی: یہ بالفعل مغربی عراق کی طرف اشارہ کرتا ہے، خشک دنیا کی وہ آخری جہت جس کی طرف اس سے اشارہ ملتا ہے، یہ وہ علاقہ ہے جو "یورپ کے مشرقی ریگستان" سے مشہور ہے، یہ ریگستانی علاقہ بر اعظم ایشیا اور یورپ کے درمیان سرحد پر واقع ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رکنِ عراقی بر اعظم یورپ کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔

۲۔ رکنِ شامی: بظاہر معلوم پڑتا ہے کہ اس کا اشارہ ملکِ شام کے قریبی اور دور دراز علاقے کی طرف ہے، جب کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اس کا اشارہ ولایات متحدہ امریکہ کے مغربی ساحل کی طرف ہے، گویا یہ امریکہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۳۔ رکنِ یمانی: قریب وبعید کسی بھی ناحیے سے اس کا اشارہ ملک یمن کی طرف نہیں ہے، بلکہ یہ افریقہ کے مشرقی ساحل کی طرف اشارہ کرتا ہے، اور اگر بالضبط کہا جائے تو ملک "موزمبیق" کے مشرقی ساحل کی طرف، اسٹریٹیجک (STRATEGIC) محلِ وقوع کے مطابق یہ ملک بر اعظم آسٹریلیا اور جنوبی امریکہ کے وسط میں واقع ہے، اس کا مطلب ہے کہ اس رکن کا اشارہ بر اعظم افریقہ کی طرف ہے۔

۴۔ رکنِ حجرِ اسود: اس رکن میں حجرِ اسود نصب ہے، اس کا اشارہ بر اعظم ایشیا میں واقع ایران کے مغربی جزیروں کی طرف ہے، یہ جزیرے بر اعظم آسٹریلیا اور ایشیا کے وسط میں واقع ہیں، اس کا مطلب ہے کہ یہ رکن بر اعظم ایشیا کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

درج بالا نتائج سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کعبہ کے ارکانِ اربعہ، آباد دنیا کے مختلف اسٹریٹیجک

(STRATEGIC) محلِ وقوع کی طرف اشارہ کرتے ہیں، ان میں کا ہر محلِ وقوع چھ آباد بڑا عظموں میں سے کسی دو کے درمیان واقع ہے، اس بنیاد پر ارکان کعبہ کے حقیقی نام یہ ہوں گے: رکن یورپی، رکن امریکی، رکن افریقی، اور رکن ایشیائی، اس کے بعد کعبہ مشرفہ کی عالم گیریت وہمہ گیریت خود بخود وطشت از بام ہوجاتی ہے، اور یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ کعبہ کو خشک دنیا کے مرکز میں اس لئے بنایا گیا ہے تا کہ وہ آباد دنیا میں بسنے والے ہر انسان کے لئے قبلہ اور جائے عبادت بن سکے، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: **إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِى بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَ هُدًى لِلْعَالَمِينَ** [آل عمران: ۹۶] یعنی کہ: پہلا گھر جو لوگوں کی ہدایت کے لئے بنایا گیا تھا، وہی ہے جو مکہ میں ہے، بابرکت اور دنیا والوں کے لئے باعث ہدایت ہے۔

ارکانِ کعبہ کے عالمگیر نام:

مذکورہ تحقیقات کے مطابق کعبہ مشرفہ کے ارکانِ اربعہ کے عالمی نام حسب ذیل ہوں گے:

☆ **رکن یورپی** (جس کا نام فی الحال "رکن عراقی" ہے)

☆ **رکن امریکی** (جس کا نام فی الحال "رکنِ شامی" ہے)

☆ **رکن افریقی** (جس کا موجودہ نام "رکن یمانی" ہے)

☆ **رکن ایشیائی** (جس کا موجودہ نام "رکن حجر اسود" ہے)(444).

خلاصہ:

کعبہ مشرفہ کا محلِ وقوع اپنی نوعیت کا منفرد محلِ وقوع مانا جاتا ہے، چنانچہ جدید سائنسی تحقیقات نے

۴۴۴۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: ڈاکٹر یحیی وزیری کا تحقیقی مقالہ (إثبات توسط مكة المكرمة لليابسة) یہ بحث انہوں نے سیٹلائٹ (sattlelites) کی تصویروں اور پیمائش کے آلات کا استعمال کر کے کیا ہے، یہ مقالہ ۲۰۰۹ء میں قاہرہ کی تنظیم (المجلس الإسلامي العالمي للدعوة والإغاثة بالتعاون مع الهيئة العالمية للإعجاز العلمي في القرآن والسنة) میں پیش کیا گیا۔

یہ ثابت کردیا ہے کہ: قدیم (ایشیا، افریقہ، یورپ) وجدید (جنوبی امریکہ، شمالی امریکہ، آسٹریلیا، اور انٹارکٹک) ہر دو دنیا کے بالمقابل مکّہ مکرّمہ کا محلِ وقوع خشک دنیا کے بالکل وسط میں واقع ہے، اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ مکّہ مکرّمہ کا محلِ وقوع اس قدر منفرد اور ممتاز ہے کہ کوئی بھی محلِ وقوع اور شہر اس کے مقابل نہیں ہوسکتا، اسی وجہ سے قرآن کریم نے مکّہ مکرّمہ کو "امّ القریٰ" سے موسوم ومتصف کیا ہے۔

پانچویں فصل

کعبہ کے احکام

اس فصل میں پانچ مباحث ہیں:

پہلا مبحث: مقام ابراہیم.

دوسرا مبحث: نماز کے ثواب میں اضافہ.

تیسرا مبحث: طواف کے احکام.

چوتھا مبحث: حجرِ اسود کے احکام.

پانچواں مبحث: نماز میں استقبالِ کعبہ کے احکام.

پہلا مبحث

مقامِ ابراھیم

اوراس میں دومطالب ہیں:

پہلامطلب:　　　مقامِ ابراہیم کی جگہ.

دوسرامطلب:　　　مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے کاحکم:

پہلا مطلب

مقامِ ابراھیم

ماضی میں مقامِ ابراہیم کی جگہ کی تعیین کے سلسلے میں علماء کے دواقوال رہے ہیں،ان میں **راجح یہ** ہے کہ مقامِ ابراہیم کی جوجگہ زمانہ جاہلیت میں تھی وہی جگہ عہدِ نبوی،عہدِ ابوبکراورعمر میں بھی تھی،سوائے اس کے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب سیلاب آیااور مقامِ ابراہیم (کی نشانیوں کو) بہالے گیا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی سابقہ جگہ کی تحقیق وتعیین کر لینے کے بعد مسلمانوں کی موجودگی میں اس کواپنی جگہ پرواپس لوٹا دیا،اکثراہل علم اس موقف کے قائل ہیں،**امام الأزرقی** رحمہ اللہ وغیرہ نے اسلاف کرام کی ایک معتدبہ تعداد سے اس کونقل کیا ہے (445)، اور **حافظ ابن حجر العسقلانی** (446)اور **محب الدین الطبری** رحمہما اللہ نے اسی کو **راجح** قراردیا ہے (447).

۴۴۵. دیکھئے:حاشیۃ ابن حجر الہیتمی علی شرح الإیضاح فی مناسک الحج،(ص ۳۸۱).

۴۴۶. دیکھئے:فتح الباری،(۱/۴۹۹).

۴۴۷. دیکھئے:محب الدین الطبری کی کتاب(القِری لقاصد اُم القری) (ص ۳۴۶).

دلائل:

۱۔ابو ملیکہ رحمہ اللہ سے مروی ہے،وہ بیان کرتے ہیں:(مقامِ ابراہیم آج جس جگہ پر ہے،زمانہ جاہلیت،عہدِ نبوی،عہدِ ابو بکر وعمر میں بھی اس کی جگہ وہی تھی،البتہ یہ سچ ہے کہ عہدِ عمر میں سیلاب آنے سے وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر کعبہ کے بالکل سامنے آگیا،پھر عمر رضی اللہ عنہ نے (اس کی اصل جگہ) کا اندازہ کرکے لوگوں کے سامنے اس کو وہاں واپس کردیا)(448).

۲۔جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس میں انہوں نے نبی ﷺ کے حج کی تفصیل بیان کی ہے، اس حدیث میں درج ہے کہ(جب نبی ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو مقامِ ابراہیم کی طرف بڑھے اور یہ آیت تلاوت فرمائی: **وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى** [البقرة: ۱۲۵]،پھر مقامِ ابراہیم کو اپنے اور کعبہ کے درمیان کرکے یعنی مقامِ ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہوکر دوگانہ ادا کیا)(449).

محب الدین الطبری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:(ان الفاظ کو سننے کے بعد فوراً یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مقامِ ابراہیم نبی ﷺ کے زمانہ میں کعبہ سے بالکل متصل نہیں تھا،اس لئے کہ جب عرفِ عام میں کہا جاتا ہے:فلاں چیز کے آگے بڑھا اور اسے اپنے اور فلاں چیز کے درمیان کرلیا،تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ ایسی چیز ہوگی جس کے آگے کھڑے ہوکر اسے اپنے پیچھے کرنا اور اس کے پیچھے کھڑے ہوکر اس کو اپنے سامنے کرنا ممکن ہو(گویا وہ کسی چیز سے متصل نہیں ہو بلکہ منفصل ہو،اس لئے کہ جب وہ متصل ہوگی تو صرف اس کو اپنے سامنے ہی کیا جاسکتا ہے،اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں ہوسکتی)(450).

۳۔مطلب بن ابی وداعہ السہمی اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ: (سیلاب کا پانی مسجدِ حرام میں (باب بنی شیبۃ الکبیر) سے داخل ہوجاتا تھا،اس وقت تک عمر رضی اللہ عنہ نے

---

۴۴۸. أخبار مکۃ،الأزرقی (۳۵/۲)؛القِری لقاصد أم القری،(ص ۳۴۵)؛ شفاء الغرام،الفاسی (۳۴۲/۱).

۴۴۹. سنن ابی داود،(۱۸۳/۲)،(ح ۱۹۰۵)؛اورالبانی نے (صحیح سنن ابی داود)،(۵۳۶/۱) میں صحیح کہا ہے.

۴۵۰. القِری لقاصد أم القری،(ص ۳۴۶).

اس کو روکنے کے لئے بڑی سی دیوار نہیں بنوائی تھی ،اس دروازے کو "باب السیل" کہا جاتا تھا، راوی کہتے ہیں: سیلاب بسااوقات مقامِ ابراہیم کو اپنی جگہ سے ہٹادیتا تھا، اور بسااوقات اسے کعبہ کے سامنے لا چھوڑتا تھا، یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب سیلاب آیا جس کو "**سیل ام نھشل**" کہاجاتا ہے، اوراس لئے کہاجاتا ہے کہ اس میں امّ نھشل بنت عبیدہ بن ابی احیحہ سعید بن العاص بہ گئیں تھیں اوراس میں ان کی وفات بھی ہوگئی تھی، چنانچہ سیلاب کا پانی مقامِ ابراہیم کو بہا کر مکّہ کے نشیبی علاقہ تک لے گیا، (تلاش کرکے) اس کو لاکر کعبہ کے غلاف سے باندھ کر کعبہ کے سامنے رکھا گیا .

اس واقعہ کی خبر عمر رضی اللہ عنہ کو دی گئی، آپ رمضان میں عمرہ کی نیت سے مکّہ تشریف لائے، آئے تو مقامِ ابراہیم کی جگہ پہچاننا آپ کے لئے مشکل ہوگیا، کیونکہ سیلاب نے (اس کے علامات) مٹادیئے تھے، انہوں نے لوگوں کو بلایا اوران سے کہا: میں آپ لوگوں کو اللہ کا واسطہ دیکر کہتا ہوں تم میں سے اس مقام کا علم کس کو ہے؟ مطلب بن ابی وداعا سھمی نے کہا: امیر المومنین! مجھے معلوم ہے، مجھے خدشہ تھا کہ مقامِ ابراہیم کے علامات کہیں مٹ نہ جائیں اور سیلاب اسے بہانہ لے جائے، اس لئے میں نے مِقاط (451) کے ذریعے مقامِ ابراہیم سے رکن تک کی، رکن سے باب الحجر تک کی، اور باب الحجر سے زمزم تک کی پیائش کر رکھی ہے، اور وہ مقاط میرے گھر میں موجود ہے .

عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: تم میرے پاس بیٹھو اور کسی دوسرے کو وہ رسّی لانے کے لئے بھیجو، چنانچہ رسّی لائی گئی، اس کو پھیلا کر پیائش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ مقامِ ابراہیم تک بالکل سیدھی ہے، پھر آپ نے لوگوں سے دریافت کیا، ان سے مشورہ لیا، انہوں نے تائید کی کہ ہاں یہی مقامِ ابراہیم ہے، اور جب عمر رضی اللہ عنہ کو یقین ہوگیا اوران کا شک دور ہوگیا تو انہوں اسے نصب کرنے کا حکم دیا، چنانچہ مقامِ ابراہیم کے نیچے اوراردگرد مضبوطی کے ساتھ "**رُبض**" (452) ڈالا گیا، اور مقامِ ابراہیم (تب سے) اب تک اسی

۴۵۱. **المِقاط**: مضبوط بٹی ہوئی چھوٹی رسّی.

۴۵۲. (**الرُبض**): عمارت کی بنیاد.

رُبض (بنیاد) پر اور اسی جگہ پر قائم ہے، راوی مزید کہتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ نے پتھر کی مضبوط و مستحکم دیوار بھی قائم فرمایا، ابن جریج کے بقول: عمر رضی اللہ عنہ کے بعد تا ہنوز اس دیوار کو کوئی سیلاب ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکا ہے (453).

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت کو فتح الباری میں ذکر کرنے کے بعد یہ تحریر فرمایا ہے کہ: (اس کے اسانید صحیح ہیں، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ: **امام الأزرقی** نے (أخبار مکّۃ) میں صحیح سندوں سے نقل کیا ہے کہ: مقامِ ابراہیم نبی ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں اسی جگہ پر تھا جہاں وہ آج ہے، یہاں تک کہ خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ میں جب سیلاب آیا تو اسے مکّہ کے نشیبی علاقے تک بہالے گیا، پھر اسے لاکر کعبہ کے غلاف سے باندھ دیا گیا، حتی کہ عمر رضی اللہ عنہ خود تشریف لائے، اس سلسلے میں توثیق و تائید حاصل کی اور جب آپ کو اس کے اصلی مقام کا وثوق ہوگیا تو آپ نے اسے دوبارہ اس جگہ پر نصب کروایا اور اس کے اردگرد مضبوط بنیادیں ڈلوائیں، چنانچہ اس وقت سے اب تک وہ اسی جگہ پر قائم و دائم ہے) (454).

دراصل اللہ تعالی نے **مطلب بن ابی وداعہ** کو توفیق بخشی اور ان کے دل میں یہ الہام کیا کہ وہ سیلابی حادثہ کی زد میں آکر مقام ابراہیمی کے بہہ جانے کے خدشہ سے اس کی اصل جگہ کی تحدید کرلیں، یقیناً اس واقعہ میں اس بات کا بین ثبوت موجود ہے کہ بیت اللہ اور اس کے گرد و نواح کی (**آیات الٰہیہ**) محض اللہ سبحانہ وتعالی کی خصوصی عنایت، حفاظت اور صیانت کے سبب تا ایں دم جوں کی توں محفوظ و مامون ہیں۔

---

۴۵۳. أخبار مکّۃ، الأزرقی، (۲/۳۳-۳۴).

۴۵۴. فتح الباری، (۱/۴۹۹).

دوسرا مطلب

مقامِ ابراھیم کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم

اوّل: مقامِ ابراہیم کے پیچھے طواف کے بعد دوگانہ ادا کرنے کا استحباب:

طواف کے بعد مقامِ ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہوکر دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے، یہ استحباب ہر اس شخص کے لئے ہے جس کو یہ دوگانہ میسر ہو سکے، خواہ دور ہی سے سہی، اسی کے قائل جمہور ہیں (455)۔

دلائل:

۱۔**عبداللہ بن عمر** رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ: (نبی ﷺ مدینہ آئے، کعبہ کا سات مرتبہ طواف کیا اور مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی)(456)۔

۲۔**جابر** رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جس میں انہوں نے نبی ﷺ کے حج کی تفصیل بیان کیا ہے، اس میں آیا ہے کہ: جب نبی ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو مقامِ ابراہیم کی طرف بڑھے اور اس آیت کی تلاوت فرمائی: **وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى** [البقرة :۱۲۵]، پھر آپ نے مقامِ ابراہیم کو اپنے اور کعبہ کے درمیان کر کے دوگانہ ادا کیا، ان دونوں رکعتوں میں آپ نے: ''**قل هو الله احد**'' اور'' **قل أعوذ برب الفلق**'' کی تلاوت فرمائی (457)۔

وجہِ استدلال: مقامِ ابراہیم کے پیچھے طواف کے بعد دو رکعت نماز ادا کرنے کا استحباب۔

دوم: کسی بھی جگہ پر طواف کے بعد دوگانہ ادا کرنے کا جواز:

افضل اور سنت تو یہی ہے کہ یہ دوگانہ مقامِ ابراہیم کے پیچھے ادا کیا جائے، تاہم کثرت ازدہام کی

۴۵۵۔ دیکھئے: صحیح مسلم مع شرح النووی، (۸/۱۷۵)؛ فتح الباری، (۴۸۸/۳)؛ الخرشی علی خلیل (۲/۳۲۸)؛ المغنی (۳/۴۰۰)۔

۴۵۶۔ صحیح البخاری، (۵۸۸/۲)، (ح۱۵۴۷)۔

۴۵۷۔ سنن ابی داود، (۱۸۳/۲)، (ح۱۹۰۵)۔

وجہ سے جس شخص کو یہ میسر نہ ہو اس کے لئے جائز ہے کہ مسجدِ حرام میں کسی بھی جگہ پر وہ اس نفل نماز کو ادا کر لے، بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ (حسب سہولت) جس جگہ بھی چاہے، دو رکعت نماز پڑھ لے، خواہ مسجدِ حرام میں ہو یا اس کے باہر (458).

دلیل:

ا۔ امّ المومنین امّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ مکّہ میں تھے اور وہاں سے کوچ کرنا چاہ رہے تھے، امّ سلمہ رضی اللہ عنہا بھی کوچ کرنا چاہ رہی تھیں جب کہ ابھی انہوں نے طوافِ (وداع) نہیں کیا تھا، نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''جب جماعتِ فجر کھڑی ہو جائے تو تم اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر طواف کر لینا، (اس وقت لوگ تمہیں دیکھ بھی نہیں پائیں گے'' کیوں کہ وہ نماز پڑھ رہے ہوں گے، چنانچہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا اور بغیر دوگانہ ادا کئے ہی نکل گئیں)(459).

اس بابت اهل علم کے آراء و اقوال:

ا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (راوی کے قول: (**فَلَمْ تُصَلِّ حَتَّى خَرَجَتْ**) کا مطلب ہے کہ ام المومنین طواف کے بعد بغیر دو رکعت ادا کئے مسجد حرام سے یا مکّہ سے نکل گئیں، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ طواف کے بعد کا دوگانہ مسجد کے باہر بھی ادا کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اگر اسے مسجد میں ہی ادا کرنا شرط ہوتا تو نبی ﷺ انہیں مسجد سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے)(460).

۲۔ امام عینی رحمہ اللہ نے امام بخاری کے قائم کردہ باب: ''**من صلّى ركعتي الطواف خارجاً من المسجد**'' پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے: (یعنی یہ باب اس امر کے بیان میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجدِ حرام کے باہر طواف کی دو رکعت ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لئے جائز ہے، اور خلاصہ یہ کہ: نمازِ

۴۵۸. صحیح مسلم مع شرح النووی، (۱۷۵/۸)؛ عمدۃ القاری، (۳۸/۱۵)؛ فتح الباری، (۴۸۸/۳).

۴۵۹. صحیح البخاری، (۳۰۸/۱)، (ح ۱۶۲۶)، (**بابُ مَن صلّى ركعتَي الطُّواف خارجاً من المسجد**).

۴۶۰. فتح الباری، (۴۸۷/۳).

طواف کے لئے کوئی متعین جگہ نہیں ہے، بلکہ طواف کرنے والا جہاں چاہے اسے ادا کرسکتا ہے، تاہم مقامِ ابراہیم کے پیچھے ادا کرنا افضل ہے)(461).

۳۔امام نووی رحمہ اللہ کا بیان ہے: (مقامِ ابراہیم کے پیچھے طواف کے بعد دوگانہ ادا کرنا مستحب ہے، اگر ایسا نہیں کرپاتا تو صحنِ حرم میں ادا کرلے، یا پھر مسجدِ حرام میں کہیں پر بھی پڑھ لے، اور اگر حرم مکی کے باہر اپنے ملک میں یا کسی بھی گوشۂ ارض میں پڑھ لے تو بھی درست ہوگا، اور اس کے لئے کافی ہوگا)(462).

ایک دوسری جگہ **امام نووی** رقمطراز ہیں: (سنت یہ ہے کہ مقامِ ابراہیمی کے پیچھے ادا کرے، ایسا نہیں کرسکتا تو صحن میں ادا کرلے، یا نہیں تو مسجدِ حرام میں (جہاں جگہ میسر ہو وہیں) پڑھ لے، اگر ایسا بھی نہیں کرپاتا تو مکّہ اور پورے حرم میں کہیں بھی پڑھ لے، اور اگر یہ دوگانہ اپنے ملک میں ادا کرے یا کرۂ ارضی کے کسی دورافتادہ علاقہ میں، تو بھی جائز ہے، یہ اور بات ہے کہ وہ افضلیت سے محروم رہیگا...)(463).

۴۔ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (طواف کرنے والے پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ مقامِ ابراہیم کے پیچھے ہی دو رکعت نماز ادا کرے، البتہ کسی کلفت ومشقت کے بغیر ایسا کرنا ممکن ہو تو مشروع یہی ہے، اور اگر مسجدِ حرام یا پورے حرم میں کسی جگہ بھی اس کو ادا کرلیتا ہے تو یہ کافی ہوگا، تاہم یہ جائز نہیں ہے کہ مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے باہم لڑ پڑے، بلکہ مناسب یہ ہے کہ مسجدِ حرام میں جہاں جگہ ملے پڑھ لے، اور باہمی تصادم، تنازع اور لڑائی جھگڑا سے بچے، اس لئے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ طواف کے بعد کی دو رکعت مقامِ ذی طوی میں ادا فرمایا(464)، ذی طوی حرم میں شامل ہے، لیکن مسجدِ حرام سے باہر ہے، نیز امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی طواف وداع مسجد کے باہر ہی ادا کیا تھا، اس روایت سے بظاہر معلوم

۴۶۱۔ عمدۃ القاری،(۱۵/۳۸)۔

۴۶۲۔ المجموع،(۸/۵۳)۔

۴۶۳۔ صحیح مسلم مع شرح النووی،(۸/۱۷۵)۔

۴۶۴۔ امام بخاری (۱/۳۰۱) نے اسے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔

ہوتا ہے کہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل کی وجہ کثرت ازدحام تھی، یا ان کا مقصود لوگوں کو یہ بتانا تھا کہ شریعت نے اس معاملہ میں کشادگی رکھی ہے)(465).

دلیل اجماع:

بہت سارے علماءِ عظام نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ طواف کرنے والا طواف کے بعد کا دوگانہ جہاں چاہے ادا کرسکتا ہے، اس اجماع کو بطور خاص **امام ابن المنذر، امام نووی اور امام ابن حجر** رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے۔

ابن المنذر رحمہ اللہ قمطراز ہیں: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ طواف کے بعد کی دو رکعت جہاں بھی پڑھی جائے، درست ہے، ہاں **امام مالک** کے نزدیک صحنِ حرم میں اس کا ادا کرنا مکروہ ہے (466)، جب کہ جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ صحنِ حرم میں بھی طواف کا دوگانہ اسی طرح جائز ہے جس طرح اس کے علاوہ مقامات پر درست ہے (467).

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: (اہل علم اس پر متفق ہیں کہ طواف کے بعد دو رکعت جہاں بھی ادا کی جائے صحیح اور کافی ہوں گی، سوائے **امام مالک** کے کہ ان سے منقول ہے: طواف کے بعد کی دو رکعت اگر کوئی صحنِ حرم میں ادا کرتا ہے تو اس کے لئے اعادہ لازم ہوگا)(468).

---

۴٦۵. مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ، (۲۲۸/۱۸).

۴٦٦. الإجماع، (ص ۵۵).

۴٦۷. المجموع، (۶۲/۸).

۴٦۸. فتح الباری، (۴۸۸/۳).

دوسرا مبحث

نماز کے ثواب میں اضافہ

اوراس میں چار مطالب ہیں:

پہلا مطلب: نماز کے ثواب میں اضافہ مسجدِ حرام کے ساتھ خاص ہے.

دوسرا مطلب: ثواب میں اضافہ فرض نمازوں کے ساتھ خاص ہے

تیسرا مطلب: ثواب میں اضافہ مَردوں کے ساتھ خاص ہے.

چوتھا مطلب: مسجدِ حرام میں اجنبیوں (مسافروں) کے لئے نفل نماز کا استحباب.

پهلا مطلب

نماز کے ثواب میں اضافه مسجد حرام کے ساتھ خاص ھے

علماءِ کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ نماز کے ثواب میں اضافہ پورے حرم کے لئے ہے، یا یہ مسجدِ حرام کے ساتھ مختص ہے، اس سلسلے میں ان کے دو اقوال ہیں؛ ہر دو قول کے قائلین کی تعداد معتد بہ ہے ، ساتھ ہی دونوں فریق کے دلائل بھی معتبر اور مضبوط ہیں، لیکن میرا رجحان اس قول کی طرف ہے کہ: اضافۂ اجر مسجدِ حرام کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ مسجدِ حرام ہی کعبہ مشرّفہ کا پاسبان ونگہبان سمجھا جاتا ہے، وہیں نماز ادا کی جاتی اور جماعت قائم ہوتی ہے، اسی کی طرف (دنیا کے ہر گوشے سے) سفر کیا جاتا ہے، مسجدِ حرام کے اندر ہی طواف اور اعتکاف درست ہے، اور مسجدِ حرام ہی کی وجہ سے پورے حرم کو تمام مقاماتِ عالم پر شرف اور فضیلت حاصل ہے، اس قول کے قائلین **امام مالک** (469)، **امام شافعی** (470)، **امام احمد بن حنبل** اور ان کے متبعین ہیں، (471).

تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ حرم میں کسی بھی جگہ کوئی بھی عمل صالح انجام دیا جائے تو اس کا ثواب (عام جگہ کے بالمقابل) کئی گنا زیادہ ہوتا ہے، تاہم اضافۂ ثواب کی نوعیت کے سلسلے میں **راجح قول** یہی ہے کہ: اعمالِ صالحہ کے (ثواب میں) اضافہ اور بڑھوتری کیفیت کے اعتبار سے ہوتی ہے، کمیت اور مقدار کے اعتبار سے نہیں (472).

دلائل :

۱۔ امّ المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت جو مرفوعاً منقول ہے، جس میں آیا ہے: **(صَلاَةٌ**

---

۴۶۹. الفواکہ الدوانی، (۲/۴۷۵)؛ المدونۃ، (۲/۴۰۱).

۴۷۰. المجموع، (ص۱۹۳)؛ إعانۃ الطالبین، (۲/۳۵۹).

۴۷۱. الفروع، لابن مفلح، (۱/۳۳۵)؛ مطالب اولی النھی للرحیبانی، (۲/۳۸۴).

۴۷۲. دیکھئے: فضائل مکۃ المکرمۃ، د عبداللہ بن محمد نوری (ص ۱۵۰-۱۵۲).

فِيهِ أي: مسجد رسول الله ﷺ۔ أَفْضَلُ مِن أَلْفِ صَلاةٍ فِيمَا سِوَاهُ من الْمَسَاجِدِ إِلَّا مَسْجِدَ الْكَعْبَةِ)(473)،یعنی: مسجد نبوی میں نماز پڑھنا دوسرے تمام مساجد میں نماز پڑھنے سے ایک ہزار گنا زیادہ افضل ہے ،سوائے مسجد حرام کے۔

نسائی کی روایت میں ہے: (**إِلَّا الْمَسْجِدَ الْكَعْبَةَ**)(474)،سوائے مسجد کے،یعنی: کعبہ کے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے(**إِلَّا الْكَعْبَةَ**)(475)،یعنی:سوائے کعبہ کے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری مرفوع روایت میں ہے کہ:(**إِنَّمَا يُسَافَرُ إلى ثَلاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ ، وَمَسْجِدِي ، وَ مَسْجِدِ إِيلِيَاءَ**)(476)یعنی: تین ہی مسجد کی طرف سفر کرنا درست ہے: کعبہ والی مسجد، میری مسجد، اور مسجدِ ایلیاء(مسجد اقصیٰ) کی طرف۔

وجہ استدلال:

مذکورہ روایات میں جو الفاظ ہیں وہ صرف (مسجد الکعبہ) اور (الکعبہ) کے ہیں، یہ الفاظ اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ ان سے مراد مسجدِ حرام ہے، اضافۂ ثواب والی دوسری روایات کے اندر ہے کہ اجر و ثواب میں بڑھوتری اور اضافہ کعبہ کے نگہبان مسجدِ حرام کے ساتھ ہی خاص ہے، پورے حرم کو عام نہیں ہے(477)۔

۲۔**ابو ہریرہ** رضی اللہ عنہ سے مروی نبی ﷺ کی یہ حدیث کہ: (**صَلاةٌ فِي مسجدي هذا**

۴۷۳۔ صحیح مسلم، (۱۰۱۴/۲)، (ح۱۳۹۶)۔

۴۷۴۔ سنن النسائی، (۲۱۳/۵)، (ح۲۱۳)۔

اور البانی نے صحیح کہا ہے: صحیح سنن النسائی، (۳۱۳/۲)، (ح۲۸۲۹)۔

۴۷۵۔ سنن النسائی، (۲۱۴/۵)، (ح۲۸۹۸)۔

اور البانی نے صحیح کہا ہے: صحیح سنن النسائی، (۳۱۳/۲)، (ح۲۸۹۸)۔

۴۷۶۔ صحیح مسلم، (۱۰۱۵/۲)، (ح۱۳۹۷)۔

۴۷۷۔ إعلام الساجد بأحکام المساجد للزرکشی، (ص۱۲۰)۔

خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ، إِلاَّ الْمَسْجِدَالْحَرَامَ)(478)۔یعنی میری اس مسجد کی نماز دوسری تمام مساجد کی نماز سے ہزار گنا افضل ہے،سوائے مسجد حرام کے۔

وجہ استدلال:

یہ حدیث اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ حرمِ مدینہ کی تمام مساجد کے بجائے صرف مسجدِ نبوی میں پڑھی گئی نماز افضل اور ثواب کے اعتبار سے زیادہ مہتم بالشان ہے،اسی طرح مسجدِ حرام میں پڑھی گئی نماز ہی زیادہ افضل اور اسی کا ثواب (حرمِ مکی کی تمام مساجد کے بالمقابل) زیادہ ہے۔

۳۔ جب مسجدِ حرام کا لفظ بولا جاتا ہے تو عرفِ عام میں اس سے (مسجدِ حرام) کی وہی جگہ سمجھی جاتی ہے جس کو طواف کے لئے بنایا گیا ہے،اس سے حرم کی دوسری جگہیں اور دیگر مساجد مراد لئے نہیں جاتے (479)۔

ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا قول ہے: (اگر مسجدِ حرام کا اطلاق پورے حرمِ (مکی) پر ہوتا تو حرم کے اندر قبر اور کنواں کھودنا، پیشاب پاخانہ کرنا اور کوڑے کرکٹ پھینکنا جائز نہ ہوتا، حالانکہ کوئی بھی عالِم دین ان چیزوں کو حرم میں ممنوع قرار نہیں دیتا، اور نہ ہی علماء جنبی اور حائض کے حرم میں دخول اور مجامعت کو مکروہ جانتے ہیں، اور اگر ایسا ہوتا کہ مسجدِ حرام کا اطلاق پورے حرم پر کیا جاتا تو مکّہ کے ہوٹلوں اور ریستورانوں میں بھی اعتکاف کر لینا کافی ہوتا، جب کہ کسی نے بھی ایسی بات نہیں کہی ہے)(480)۔

۴۔ کوئی انسان **مسجدِ حرام** کے علاوہ مکّہ کی کسی دوسری مسجد کا سفر کرتا ہے، تو اس کا یہ **عمل غیر مشروع اور حرام ہوگا**، اس لئے کہ سفر اور قصد صرف **مسجدِ حرام** کا جائز ہے جس میں (انجام دیئے جانے والے **حسنات کا ثواب**) کئی گنا زیادہ ہوتا ہے (481)۔

۴۷۸۔ صحیح البخاری،(۱/۳۹۸)،(ح۱۱۳۳)؛ صحیح مسلم،(۲/۱۰۱۲)،(ح۱۳۹۴)۔

۴۷۹۔ دیکھئے: شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام، للفاسی،(۱/۸۲)۔

۴۸۰۔ فتح الباری،(۳/۴۵۱) معمولی تصرف کے ساتھ۔

۴۸۱۔ دیکھئے: فتاوی الشیخ محمد بن صالح العثیمین،(۱/۴۳۸)۔

صفیں باہم متصل ہوں تو مسجدِ حرام کے باہر نماز پڑھنے والے کو بھی اضافۂ ثواب حاصل ہوجائے گا:

سخت بھیڑ بھاڑ اور شدتِ ازدحام کے سبب مسجدِ حرام کے مشہور حدود اور اس کے محیط صحن کے باہر، مسجد تک جانے والی سڑکوں پر نماز پڑھنے کا حکم یہ ہے کہ ایسے نمازیوں کو مکمل اجر وثواب حاصل ہوجائے گا، اس لئے کہ صفیں متصل ہوتی ہیں اور ضرورت اس کا تقاضا کرتی ہے۔

اس بابت علماء کے اقوال و آراء:

اہل علم کے مابین اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ مسجدِ حرام کے باہر نماز پڑھنا درست اور جائز ہے، بشرطیکہ باہر کی صفیں مسجد کے اندر کی صفوں سے متصل ہوں:

۱۔امام کسائی رحمہ اللہ کا بیان ہے: (مسجد حرام کے باہر نماز پڑھنے والا مسجد کے امام کی اقتداء کرے اور صفیں باہم متصل ہوں تو نماز صحیح ہوگی، اور اگر یہ دونوں شرطیں مفقود ہوں تو جائز نہیں، اس لئے کہ مسجد کے باہر کی جگہ اندر کی صفوں کے ساتھ متصل ہونے کی صورت میں مسجد سے ملحق ہوجاتی ہے، بشرطیکہ مسجد میں امام امامت کررہے ہوں)(482)۔

۲۔امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے: (اگر کچھ لوگ جمعہ کے علاوہ کوئی دوسری نماز امام کی اقتداء میں ایسی بالائی منزل پر ادا کریں جس میں کھڑکیاں اور روشن دان ہوں جن سے وہ امام اور اور دیگر مقتدی حضرات کی نقل وحرکت دیکھ پا رہے ہوں، اور امام کے رکوع وسجدہ کے ساتھ ساتھ وہ بھی رکوع وسجدہ کررہے ہوں تو ان کی نماز مکمل ہوگی، اور ان کا ایسا کرنا بالکل روا ہوگا، تاہم جب اس بالائی منزل میں کھڑکیاں اور روشن دان نہ ہوں کہ جن سے وہ امام اور مقتدی کی نقل وحرکت کو دیکھ سکیں، البتہ امام کی آواز ان تک پہنچ رہی ہو اور آواز سن کر وہ رکوع وسجود کررہے ہوں تو ایسا بھی جائز ہے)(483)۔

۴۸۲۔ بدائع الصنائع، الکاسانی، (۱/۱۴۶)۔

۴۸۳۔ المدونۃ، (۱/۱۷۰)۔

۳۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (امام کے پیچھے مقتدی کا مسجد کے باہر یا مسجد ہی میں اس حال میں نماز پڑھنا کہ اس کے اور امام کے درمیان دیوار حائل ہو، لیکن صفیں آپس میں متصل ہوں تو اس کی درستگی اور جواز پر تمام ائمہ کا اتفاق و اجماع ہے)(484)۔

خلاصۂ بحث یہ کہ ایسے نمازیوں کو مکمل اجر و ثواب ملے گا، اس لئے کہ صفیں متصل ہوتی ہیں (جو نماز کی صحت کے لئے شرط ہے) اور ضرورت و حالت بھی اس کا تقاضہ کرتی ہے

۴۸۴۔ مجموع الفتاوی، (۲۳/ ۴۰۷)۔

دوسرا مطلب

ثواب کا اضافہ اور زیادتی فرض نمازوں کے ساتھ خاص ہے

اجرِ نماز کے اضافہ اور بڑھوتری کے سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ فرض نمازوں کے ساتھ خاص ہے یا پھر فرائض ونوافل تمام کو یکساں شامل ہے، اس تعلق سے علماء کے دو اقوال ہیں؛ اور **راجح** یہ ہے کہ اضافۂ ثواب فرائض کے ساتھ مخصوص ہے، اس میں نوافل شامل نہیں ہیں، **جمہور حنفیہ** (485)، **مالکیہ** (486)، اور **حنابلہ** اسی موقف کے قائل ہیں (487).

دلائل:

۱۔زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (**صَلاَةُ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلاَتِهِ فِي مَسْجِدِي هَذَا، إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ**)(488).

یعنی: انسان کا اپنے گھر میں (نفل) نماز پڑھنا میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنے سے افضل ہے؛ الا یہ کہ فرض نماز ہو.

وجہ استدلال: مسجدِ حرام کے علاوہ مسجد نبوی بھی اس معنی میں مخصوص (اہمیت کی حامل ہے کہ) اس میں نماز پڑھنے کا ثواب بھی دوچند ہوتا ہے، لیکن نبی ﷺ نے یہ بھی بتایا ہے کہ نفل نماز (مسجد نبوی کے بالمقابل) گھر میں پڑھنا ہی افضل ہے.

۲۔زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی یہ روایت کہ نبی ﷺ نے ایک دفعہ رمضان میں ایک کمرہ اپنے

---

۴۸۵. دیکھئے: رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار، ابن عابدین، (۶۵۹/۱).

۴۸۶. دیکھئے: الفواکہ الدوانی، (۲۷۱/۱) ؛ کفایۃ الطالب الربانی، (۵۳۵/۲).

۴۸۷. دیکھئے: الفروع، (۵۳۲/۱).

۴۸۸. سنن ابی داود، (۲۷۳/۱)، (ح ۱۰۴۴).

اور البانی نے صحیح کہا ہے، (صحیح سنن ابی داود)، (۲۸۸/۱).

لئے بنایا، راوی کا بیان ہے: مجھے یاد آتا ہے کہ زید بن ثابت نے کہا: وہ کمرہ بوریے کا تھا، آپ اس کمرہ میں کچھ دنوں تک نماز پڑھتے رہے، آپ ﷺ کے چند صحابہ بھی آپ ﷺ کی اقتدا میں (کمرہ کے باہر) نماز پڑھتے، جب آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ بیٹھ کر (نماز پڑھنے) لگے، (پھر دوسرے دن) ان صحابۂ کرام کے روبرو ان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: ''میں نے تمہارے عمل کو دیکھا اور (اس کا مقصد بھی) سمجھ لیا، تو اے لوگو! تم اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھا کرو، اس لئے کہ افضل ترین (نفل) نماز وہی ہے جو آدمی اپنے گھروں میں پڑھتا ہے، سوائے فرض نماز کے'' (کہ وہ مسجد میں باجماعت واجب ہے) (489).

وجہ استدلال: یہ حدیث شریف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نفل نماز مسجد کی بنسبت گھر میں زیادہ افضل ہے، ہر چند کہ مسجد مشرّف اور مکرّم جگہ ہے (جس کو صرف اللہ تعالی کی عبادت کے لئے ہی بنایا جاتا ہے)

۳۔ یہ کہ نبی ﷺ ہمیشہ اپنے گھر میں ہی نفل نماز پڑھا کرتے تھے، جب کہ مسجد سے آپ کا گھر متصل تھا، پھر بھی آپ نفل نماز کے لئے مسجد تشریف نہیں لاتے، بلکہ صرف فرض نماز ہی مسجد میں ادا کرتے (490).

ابن الہمام رحمہ اللہ نے لکھا ہے: (ثواب کی بڑھوتری فرض نمازوں کے ساتھ مخصوص ہے، اور ایک کمزور قول ہے کہ: نفل بھی اس میں شامل ہے، حالانکہ نبی ﷺ کی یہ حدیث زبان زد عام ہے کہ: **''فرض نمازوں کے علاوہ تمام نفل نمازیں گھر میں ہی افضل ہیں''** آپ نے یہ حدیث مدینہ میں اپنے سامنے موجود صحابۂ کرام کی ایک بڑی تعداد کو مخاطب کر کے فرمایا، اور آپ کے اس فرمان میں غائبین صحابہ بھی یکساں شامل تھے، نیز آپ سے نفلی نمازوں کا مسجد میں پڑھنا بھی منقول نہیں ہے، بلکہ آپ نفلی نمازیں گھر میں ہی پڑھا کرتے تھے، آپ کی شبینہ نمازیں، تہجد کا اہتمام اور فجر سے ماقبل کی دو رکعت سنت یہ سب آپ کے حجرے میں ہی ادا ہوتی تھی، اگر (نفل نمازوں کا ثواب مسجد نبوی میں دوچند ہوتا) تو آپ ایسی نمازوں کا

۴۸۹۔ صحیح البخاری، (۱/۲۵۶)، (ح ۶۹۸).

۴۹۰۔ دیکھئے: سبل السلام، الصنعانی، (۲/۲۱۷).

اہتمام مسجد میں ہی کرتے اور اکثر و بیشتر مسجد میں ہی نفل نمازیں اور شبینہ عبادتیں ادا کرتے، جبکہ بہت کم ہی آپ سے ایسا ثابت ہے کہ آپ نے نفل نماز مسجد میں ادا کی ہو، بالخصوص اس حالت میں جب کہ آپ کے حجرۂ مبارکہ اور مسجد نبوی کے درمیان صرف ایک قدم کا فاصلہ تھا) (491).

---

۴۹۱. شرح فتح القدیر، (۱۸۲/۳).

تیسرا مطلب

ثواب میں اضافه مردوں کے ساتھ خاص ہے

عام علماء کی رائے ہے کہ: ثواب میں یہ اضافہ عورتوں کے بجائے مردوں کے لئے خاص ہے، اس لئے کہ عورتوں کے حق میں بہتر یہ ہے کہ وہ فرائض ونوافل اپنے گھروں میں ادا کریں (492).

دلائل :

ا۔ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: **(لا تَمْنَعُوا نِسَاءَ كُمْ المَسَاجِدَ، و بُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ)** (493).

یعنی: تم اپنی عورتوں کو مساجد جانے سے نہ روکو، البتہ ان کے گھر ان کے حق میں بہتر ہیں.

۲۔**ابوحمید الساعدی** رضی اللہ عنہ کی بیوی امّ حمید رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ وہ نبی ﷺ خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کے پیچھے نماز پڑھنا پسند کرتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: **(قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكِ تُحِبِّيْنَ الصَّلاةَ مَعِي، وصَلاتُكِ فِي بَيْتِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلاتِكِ فِي حُجْرَتِكِ، و صَلاتُكِ فِي حُجْرَتِكِ خَيْرٌمِنْ صَلاتِكِ فِي دَارِكِ، و صَلاتُكِ فِي دَارِكِ خَيْرٌ مَنْ صَلاتِكِ فِي مَسْجِدِ قَوْمِكِ، و صَلاتُكِ فِي مَسْجِدِ قَوْمِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلاتِكِ فِي مَسْجِدِي) قال: فَأَمَرَتْ فَبُنِيَ لَهَا مَسْجِدفِي أَقْصَى شيئٍ مِنْ بَيْتِهَا و أَظْلَمِهِ، فَكَانَتْ تُصَلِّي فِيْهِ حَتَّى لَقِيَتِ اللّٰهَ عَزَّ و جَل**(494).

۴۹۲. دیکھئے: شرح فتح القدیر، (۱۸۲/۳) ؛مواھب الجلیل، (۱۱۷/۲) ؛المجموع، (۱۶۹/۴) ؛مطالب اولی النھی، (۳۸۳/۲).

۴۹۳. سنن ابی داود، (۱۵۵/۱)، (ح ۵۶۷).

اور البانی نے (صحیح سنن ابی داود)، (۱۶۹/۱)، (ح ۵۶۷) میں صحیح قرار دیا ہے.

۴۹۴. صحیح ابن خزیمہ، (۹۵/۳)، (ح۱۶۸۹).

اور البانی نے (صحیح موارد الظمآن)، (۲۰۲/۱)، (ح ۲۸۶) میں حسن ٹھہرایا ہے.

(مجھے پتہ ہے کہ تمہیں میرے پیچھے نماز پڑھنا پسند ہے مگر تمہارا اپنے گھر کے اندر نماز پڑھنا اپنی کوٹھری کے اندر نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور تمہارا اپنی کوٹھری کے اندر نماز پڑھنا اپنے گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور تمہارا اپنے صحن میں نماز پڑھنا اپنی قوم (محلّہ) کی مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور تمہارا اپنی قوم کی مسجد میں نماز پڑھنا میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے)

راوی کہتے ہیں: اس کے بعد انہوں نے اپنے گھر کے سب سے اندرونی اور تاریک حصہ میں اپنے لئے مسجد بنانے کا حکم دیا، وہ اسی میں ہمیشہ نماز پڑھا کرتی تھیں حتی کہ اللہ عز وجل سے جا ملیں.

اور ابن خزیمہ نے اس حدیث کے لئے یہ باب قائم کیا ہے: **(اس چیز کا باب کہ: عورت کا اپنے حجرہ میں نماز پڑھنا صحن میں پڑھنے سے بہتر ہے، اور اس کا اپنی قوم کی مسجد میں نماز پڑھنا مسجد النبی ﷺ میں پڑھنے سے بہتر ہے، اگرچہ مسجد النبی میں پڑھی جانے والی نماز دوسری مساجد میں پڑھی جانے والی نماز سے ہزار گنا افضل ہے، اور اس سے مردوں کی نماز مراد ہے، عورتوں کی نہیں)**(495).

اور یہ عورتوں پر مردوں کی برتری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس سے سرفراز کرتا ہے، اور کسے خبر کہ شاید اللہ تعالی نے عورتوں کو پردہ کرنے اور اپنے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل کرنے پر اتنا زیادہ اجر مقرر کر رکھا ہو جو مردوں کے اجر سے بڑھ کر ہو.

نیز اس اضافۂ اجر کو عورتوں کے بجائے مردوں کے ساتھ خاص کئے جانے کی یہ بھی حکمت ہو سکتی ہے کہ اسلام کی عزّت وقوّت اور اس کے اتباع کی کثرت کی ذمہ داری مردوں پر عائد ہے عورتوں پر نہیں، اسی طرح عام مساجد کو آباد کرنے، اور خاص کر مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی، اور مسجدِ اقصی کو آباد کرنے کی ذمہ داری بھی مردوں کی ہے عورتوں کی نہیں، اور قرآن مجید کی اس آیت سے بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: **لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ، فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ**

۴۹۵. صحیح ابن خزیمہ: (۹۴/۳).

أَن يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ[التوبة:١٠٨]

یقیناً وہ مسجد جس کی بنیا دروزِ اول سے تقوی پر ہے، وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے مرد ہوتے ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں،اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

نیز اس کا ارشاد ہے: **فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ، رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَ لَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَ إِقَامِ الصَّلَاةِ وَ إِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْماً تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَ الْأَبْصَارُ**[النور:٣٦-٣٧]

ان گھروں میں جنھیں بلند کیے جانے کا اور اللہ تعالی کا نام لئے جانے کا حکم ہے، وہاں صبح وشام اللہ تعالی کی تسبیح بیان کرتے ہیں، ایسے مرد جنھیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی، اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔

چوتھا مطلب

مسافروں کے لئے مسجد حرام میں نفل پڑھنا مستحب ہے

امام مالک نے مقیم اور آفاقی یا مسافر کے درمیان فرق بیان کیا ہے، چنانچہ **ابن القاسم** نے **امام مالک** کے تعلق سے کہا ہے: (گھروں میں نفل ادا کرنا ان کے نزدیک **مسجد النبی** ﷺ میں ادا کرنے سے زیادہ بہتر ہے، سوائے مسافرین کے کہ ان کے لئے ان کے نزدیک مسجد نبوی میں ادا کرنا افضل ہے)(496).

وجہ دلالت: اگر مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے تعلق سے مقیم و مسافر کے درمیان امام مالک کی طرف سے کی جانے والی اس تفریق کو تسلیم کرلیا جائے، تو مسجد حرام اس سے زیادہ مستحق ہے .

اور **امام مالک** کے اس قول کا اپنا ایک مقام ہے، اس لئے کہ (آفاقی کے پاس مکّہ کے اندر ۔شرفھا اللہ۔ اپنا کوئی مکان نہیں ہوتا، لہذا وہ ان احادیث کے مخاطبین میں شامل نہیں ہوگا، نیز گھروں میں نمازیں پڑھنے کی شروعیت کے پیچھے جن حکمتوں کی نشاندہی کی گئی ہے وہ حکمتیں اس شخص کی نماز سے حاصل نہیں ہوتیں جو ہوٹلوں وغیرہ میں قیام کرتے ہیں۔ جیسے کہ گھروں کو قبرستان نہ بنانا، تا کہ گھر والوں پر رحمت و برکت اور سکون نازل ہو، گھر میں رہنے والے بچے نماز کی ادائیگی اور اس کی محافظت اور پر مداومت کے طریقے سیکھ سکیں، اور گھر کے اندر ایمان و عمل کی خوشگوار فضا قائم ہو، اور تا کہ نمازی زیادہ سے زیادہ اخلاص کا حامل اور ریاء و نمود سے بعید ہو۔ انہیں حکمتوں کے پیش نظر شریعت نے نفلی نمازوں کو گھروں میں ادا کرنے کی ترغیب دی ہے، اور یہ ساری حکمتیں غیر مقیم کے حق میں ناپید ہیں.

مزید یہ کہ مسجدِ حرام اسلام کے مشاعرِ مقدّسہ میں سے ہے، وہ روئے زمین میں اللہ تعالی کی عبادت کے لئے تعمیر کیا جانے والا پہلا گھر ہے، اس کی طرف شدّ رحال شروع ہے، اس میں اعتکاف اور

۴۹۶. کفایۃ الطالب، (۲/۵۳۵)، اور دیکھئے: عمدۃ القاری، (۵/۲۶۴).

بکثرت طواف مسنون ہے، کعبہ معظمہ اوراس کے اندر طواف کرنے اوراعتکاف کرنے والوں کی رؤیت سے مؤمن کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، چنانچہ ایک آفاقی اس میں جتنی زیادہ دیر تک ٹھہرا رہے گا اتنا ہی اس کے حق میں بہتر ہوگا، اور ہزاروں میل کی مسافت طے کرکے اس کے مکہ آنے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے،

ایسی ہی بات عورت کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ (مسجد حرام میں رہنے کے بہانے) بہت زیادہ ہوٹل و مارکیٹ کا چکر نہ لگائے جس کی وجہ سے اسے فتنوں کا سامنا کرنا پڑے، بلکہ وہ حرم میں معتکف بن کر رہے، کیونکہ وہ اپنا گھر چھوڑ کر آئی ہے اور سفر طے کیا ہے، اوراگر ایسا نہ ہوتو اس کا ہوٹل وغیرہ ہی میں رکے رہنا عبادت کے لئے زیادہ مفید ثابت ہوسکتا ہے، واللہ اعلم)(497).

خلاصہ

مذکورہ بالا حقائق سے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ اضافہ سے مراد اجر وثواب میں اضافہ ہے عمل میں نہیں، نیز یہ اضافہ مسجد حرام کے ساتھ خاص ہے پورے حدود حرم کے ساتھ نہیں، نیز اس کا تعلق فرائض سے ہے نوافل سے نہیں، مزید یہ کہ یہ فضیلت مردوں کے لئے خاص ہے اور عورتوں کو اس لئے اس سے الگ رکھا گیا ہے تاکہ انہیں مشقت سے بچایا جاسکے، اور دیگر واجبات کی ادائیگی سے وہ پیچھے نہ رہ جائیں، واللہ اعلم۔

تیسرا مبحث

طواف کے احکام

اس میں چار مطالب ہیں:

پہلا مطلب: نماز پڑھنے کی ممانعت والے اوقات.

دوسرا مطلب: ممنوع اوقات میں طواف کرنا اور طواف کی دو رکعتیں پڑھنا.

تیسرا مطلب: استثناء طواف اور اس کی دو رکعتوں کے لئے خاص ہے.

چوتھا مطلب: غیر ملکی کے لئے زیادہ سے زیادہ طواف کرنا.

پہلا مطلب

نماز پڑھنے کی ممانعت والے اوقات

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نفل نماز کے ممنوع اوقات ۔حرمت وکراہت کے درمیان ۔پانچ ہیں،اور وہ مندرجہ ذیل اوقات ہیں:

١۔ فجر کی نماز کے بعد، یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجائے۔

٢۔ سورج طلوع ہونے کے بعد، یہاں تک کہ وہ ایک نیزہ کے بقدر بلند ہوجائے۔

٣۔ نصف النہار کے وقت، جب تک زوال نہ ہوجائے۔

٤۔ عصر کی نماز کے بعد، یہاں تک کہ سورج غروب نہ ہوجائے۔

٥۔ سورج کے زرد ہونے کے وقت، یہاں تک کہ وہ غروب نہ ہوجائے (498).

دلائل:

١۔ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ : **أنّ النبي ﷺ نهى عن الصّلاة بعد الصُّبح حتّى تشرُق الشّمس ،و بعد العصر حتّى تغرُب** (499).

یعنی نبی ﷺ نے فجر (کی نماز کے بعد) نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، یہاں تک کہ سورج طلوع نہ ہوجائے،اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، یہاں تک کہ سورج غروب نہ ہوجائے۔

٢۔عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: **ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا أنْ نُصلّي فيهنّ، أو أنْ نقبُر فيهنّ موتانا: حين تطلُع الشّمس بازغة حتّى**

---

٤٩٧. فضائل مكة المكرمة،(ص١٥٩).

٤٩٨. بداية المجتهد،ابن رشد،(١/٧٣)؛اعلام الساجد بأحكام المساجد،الزركشي،(ص ١٠٥).

تَرْتَفِعَ، وحِيْنَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ (500)، **حَتَّى تَمِيْلَ الشَّمْسُ ، وحِيْنَ تُضَيَّفُ** (501) **الشَّمْسُ لِلْغُرُوبِ حَتَّى تَغْرُبَ**)(502).

یعنی تین ایسے اوقات ہیں جن میں نماز پڑھنے یا اپنے مردوں کو دفن کرنے سے نبی ﷺ ہمیں منع فرمایا کرتے تھے: ایک جب سورج طلوع ہو رہا ہو، یہاں تک کہ وہ بلند ہو جائے، دوسرے جب کہ وہ نصف النہار پر ہو، یہاں تک کہ وہ مائل ہو جائے، اور تیسرے جب کہ وہ غروب ہونے کے لئے جھکے، یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔

نماز کے عظیم الشان اور کثیر الفضل عبادت ہونے کے باوجود اسے ان اوقات میں ادا کرنے سے روکے جانے کے پیچھے بڑی بلیغ و نمایاں حکمت کارفرما ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو مختلف قسم کی عبادتوں اور طاعتوں کا پابند بنایا ہے، اور جس طرح اس نے انہیں امر کا پابند بنایا ہے اسی طرح نھی کا پابند بنایا ہے، چنانچہ اگر انہیں نماز کا پابند بنایا ہے تو بعض اوقات میں انہیں نماز پڑھنے سے منع بھی فرمایا ہے، اسی طرح انہیں روزے کا پابند بنایا تو بعض اوقات میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا، جیسے کہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن کے روزے سے منع فرمایا ہے، ان احکام اور ان کی طرح کے دوسرے بے شمار احکام کے اندر مسلمانوں کو اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالی کے امر و نہی کو کسی بحث و نقاش کے بغیر قبول و تسلیم کر لیا جائے، وہ فقط یہ کہیں کہ: **"سمعنا و اطعنا"** [البقرۃ:۲۸۵]، بلکہ اسے وہ پورے اطمینان قلب اور انشراح صدر کے ساتھ کہیں۔

---

۴۹۹. صحیح البخاری، (۲۱۱/۱)، (ح ۵۵۶) ؛ صحیح مسلم، (۵۶۶/۱)، (ح ۸۲۶).

۵۰۰. **(وحِيْنَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ)** : ظهیرۃ سورج کے بالکل برابر ہونے کی حالت ہے، اس کا معنی ہے: جب اس وقت کھڑے ہوئے شخص کے مشرق و مغرب میں کوئی سایہ نہیں پایا جاتا ہو۔

۵۰۱. **(تُضَيَّفُ)**: یعنی: مائل ہو، دیکھئے: شرح النووی علی صحیح مسلم، (۱۱۴/۶).

۵۰۲. صحیح مسلم، (۵۶۸/۱)، (ح ۸۳۱).

دوسرا مطلب

ممنوع اوقات میں طواف کرنا اور اس کی دو رکعتیں پڑھنا

ممنوع اوقات کے اندر طواف کرنے اور اس کی دو رکعتیں پڑھنے کے سلسلے میں علماء کے تین اقوال ہیں، لیکن راجح قول یہ ہے کہ تمام اوقات میں طواف اور اس کی دو رکعتیں جائز ہیں، یہی **شافعیہ** (503)، **حنابلہ** (504)، **ابوثور، اسحاق، داود ظاہری اور ابن المنذر** کا مذہب ہے، نیز ان کے بقول: یہی جمہور علماء اور ان کے بعد کے علماء (**جیسے ابن عمر، ابن عباس، ابن الزبیر، جابر، ابوالدرداء، حسن، حسین، عطاء، طاوس، قاسم بن محمد اور عروہ بن زبیر** کا بھی مذہب ہے) (505)، اور جواز کی حکمت بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ لوگوں کو تمام اوقات میں طواف کرنے اور اس کی دو رکعتیں پڑھنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

دلائل:

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: **"يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهَذَا الْبَيْتِ، وَ صَلَّى أَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ"** (506)۔

اے بنی عبد مناف! اس گھر کے طواف کرنے والے، اور دن و رات کے کسی حصے میں نماز پڑھنے والے کسی بھی شخص کو مت روکو۔

وجہ دلالت: کعبہ معظمہ میں آنے والے شخص کے لئے تمام اوقات میں طواف کرنا اور نماز پڑھنا

---

۵۰۳. المجموع، (۱۵۸/۴).

۵۰۴. المغنی، (۴۲۵/۱).

۵۰۵. دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ، (۱۸۰/۳)، (رقم ۱۴۲۴۴_۱۴۲۵۴)؛ مصنف عبدالرزاق، (۶۲/۵)، (رقم ۹۰۰۵_۹۰۰۷، ۹۰۱۱)؛ الاستذکار، (۲۰۹/۴).

۵۰۶. سنن الترمذی، (۲۲۰/۳)، (ح ۸۶۸) اور کہا ہے: (حسن صحیح).
اور البانی نے (صحیح سنن الترمذی)، (۴۴۷/۱)، (ح ۸۶۸) میں صحیح قرار دیا ہے۔

جائز ہے،اس لئے کہ حدیث کے اندر تمام **اوقات** کو عام رکھا گیا ہے، چنانچہ **پانچ اوقات میں نماز** پڑھنے کی **ممانعت** والی احادیث کے **عموم** کو اوراس کے بعد کی دو رکعتوں کے علاوہ نماز کے ساتھ خاص کیا جائے گا (507).

امام ترمذی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (جس **بات** پر اکثر اہلِ علم **متفق** ہیں وہ یہ کہ نمازِ عصر کے بعد سورج کے غروب ہونے تک،اور نمازِ فجر کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک نماز پڑھنا مکروہ ہے، سوائے اس نماز کے جسے اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، جیسے کہ عصر بعد سورج کے غروب ہونے تک، اور فجر کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک مکّہ میں طواف کے بعد نماز پڑھنا مستثنیٰ ہے) (508).

۲۔مجاھد کی روایت ہے، وہ ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "**لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ ، وَلَا بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ، إِلَّا بِمَكَّةَ ، إِلَّا بِمَكَّةَ**" (509).

عصر بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں ہے، اور نہ فجر بعد سورج طلوع ہونے تک کوئی نماز ہے، سوائے مکہ کے، سوائے مکہ کے، سوائے مکہ کے.

ابن عبدالبر نے کہا ہے: (یہ حدیث اگر چہ **حمید** مولی عفراء کے ضعیف ہونے، اور **مجاھد** کا **ابوذر** سے سماع نہ ہونے کی وجہ سے قوی نہیں ہے، مگر **جبیر بن مطعم** کی حدیث اسے قوی ٹھہراتی ہے، نیز جمہور علمائے مسلمین اس کے قائل بھی ہیں، کیوں کہ **ابن عباس، ابن عمر، ابن الزبیر، حسن، حسین، عطاء، طاووس، مجاھد، قاسم بن محمد اور عروہ بن الزبیر** عصر بعد طواف کیا کرتے تھے، ان میں سے بعض لوگ صبح کے بعد بھی طواف کرتے تھے اوراس کے فوراً بعد اسی وقت طواف کی دو رکعتیں بھی پڑھتے تھے) (510).

---

۵۰۷. دیکھئے: شرح صحیح البخاری، ابن بطال، (۳۱۰/۴).

۵۰۸. سنن الترمذی، (۳۵۰/۱).

۵۰۹. صحیح ابن خزیمہ، (۲۲۶/۴)، (ح: ۲۷۴۸)، اورالبانی نے (السلسلۃ الصحیحۃ)، (۱۲۱۲/۷)، (ح: ۳۴۱۲) میں صحیح ٹھہرایا ہے.

۵۱۰. التمہید، (۴۵/۱۳).

۳۔عبدالعزیز بن رُفیع کی روایت آئی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ: **(رأيت عبد الله بن الزبير رضي الله عنهما يطوف بعد الفجر، و يصلي ركعتين)**(511).

میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو فجر کے بعد طواف کرتے ہوئے اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا۔

وجہ دلالت: چونکہ ایسا کام کوئی صحابی اپنی رائے سے انجام نہیں دے سکتا، لہذا اس کا حکم مرفوع حدیث کا ہوگا۔

۴۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تمام اوقات بشمول اوقاتِ ممانعت کے اندر طواف کرنے اور اس کی دو رکعتیں پڑھنے کے جواز کی کئی وجہیں ذکر کی ہیں:

پہلی: جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے اندر وقت سے متعلق عموم پایا جاتا ہے، اور یہ کس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اس عموم کیا اندر پانچوں ممنوع اوقات داخل نہیں ہیں؟

دوسری: اس عموم کی کسی صورت کو نہ تو کسی نص سے خاص کیا گیا ہے نہ اجماع سے، جب کہ ممانعت والی حدیث نص اور اجماع سے مخصوص ہے، اور محفوظ عموم مخصوص عموم پر ارجحیت رکھتا ہے۔

تیسری: ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے کعبہ کی تعمیر کئے جانے کے وقت سے لے کر آج تک ہمیشہ لوگ اس کا طواف کرتے اور اس کے پاس نماز پڑھتے آئے ہیں، نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب بھی ہجرت سے پہلے اس کا طواف کیا کرتے اور اس کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے، فتح مکہ کے بعد تو مسلمان کثرت کے ساتھ اس کا طواف کرنے لگے تھے، چنانچہ اگر طواف کے بعد کی دو رکعتوں کو ان پانچ اوقات میں پڑھنا ممنوع ہوتا تو نبی ﷺ اس سے عام مناہی فرما دیتے، کیونکہ مسلمانوں کو اس کی ضرورت تھی، اور اگر ایسا ہوتا تو وہ ممانعت ہم تک منقول ہوتی، لیکن ایک بھی مسلمان نے یہ نہیں کہا ہے کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، جبکہ دن دن کے دونوں اطراف (صبح وشام) میں طواف زیادہ ہوا ہے اور آسانی سے ہوا ہے۔

چوتھی: منع کئے جانے سے طواف اور نماز جیسے دینی مصالح کی تعطیل لازما آتی ہے(512)۔

۵۱۱۔ صحیح البخاری، (۲/۵۸۸)، (ح:۱۵۵۰)۔

۵۱۲۔ مجموع فتاوی ابن تیمیہ، (۲۳/۱۸۴ـ۱۸۸) بتصرف۔

تیسرا مطلب

استثناء طواف اور اس کی دو رکعتوں کے لئے ہی خاص ہے

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ایا یہ استثناء طواف اور اس کی دو رکعتوں کے ساتھ خاص ہے یا تمام نوافل کے لیے عام ہے، لیکن راجح یہ ہے کہ وہ طواف اور اس کی دو رکعتوں کے ساتھ خاص ہے، اور یہی جمہور کا مذہب ہے(513).

دلائل :

۱۔عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: **" أَنَّ النَّبِي ﷺ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَشْرُقَ الشَّمْسُ ، وَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ "**(514).

نبی ﷺ نے فجر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، یہاں تک کہ سورج طلوع نہ ہو جائے، اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ سورج غروب نہ ہو جائے۔

۲۔عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: " ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَنْهَانَا أَنْ نُصَلِّيَ فِيهِنَّ ، أَو أَنْ نَقْبُرَ فِيهِنَّ مَوْتَانَا: حِينَ تَطْلُعَ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتَّى تَرْتَفِعَ، وَ حِينَ يَقُومُ قَائِمُ الظَّهِيرَةِ حَتَّى تَمِيلَ الشَّمْسُ ، وَ حِينَ تَضَيَّفَ الشَّمْسُ لِلْغُرُوبِ حَتَّى تَغْرُبَ "(515).

تین ایسے اوقات ہیں جن میں نماز پڑھنے یا اپنے مردوں کو دفنانے سے نبی ﷺ ہمیں منع فرمایا کرتے تھے: ایک جب سورج طلوع ہو۔

---

۵۱۳. دیکھئے: رد المحتار، (۳۷۴/۱) ؛ شرح الزرقانی علی الموطأ، (۶۶/۲_۶۷) ؛ المغنی، (۴۳۴/۱).

۵۱۴. اس کی تخریج گزر چکی ہے، (ص ۲۲۷).

۵۱۵. اس کی تخریج گزر چکی ہے، (ص ۲۲۷).

رہا ہو، یہاں تک کہ وہ بلند ہو جائے، دوسرے جب کہ وہ نصف النہار پر ہو، یہاں تک کہ وہ مائل ہو جائے (ڈھل جائے)، اور تیسرے جب کہ وہ غروب ہونے کے لئے جھکے، یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔

وجہ دلالت: مذکورہ اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت کے اندر مکہ وغیر مکہ سب شامل ہیں، اور ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جو مکہ کو خاص کر دے سوائے طواف اور اس کی دو رکعتوں کے استثناء کے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (جس کو سد ذریعہ کے طور پر ممنوع ٹھہرایا گیا ہے وہ کسی راجح مصلحت کی بنیاد پر مباح ہو سکتا ہے۔ جیسے طواف کی دو رکعتیں۔ اس کے علاوہ دیگر نوافل کو مستثنی قرار دیئے جانے میں کوئی مصلحت راجحہ نہیں ہے، اور نہ لوگوں کو ممنوع اوقات میں انہیں ادا کرنے کی ضرورت در پیش ہے، اس لئے کہ ان کی ادائیگی کے لئے وسیع وقت دستیاب ہوتا ہے، بلکہ بعض اوقات کے اندر انہیں ادا کرنے کی ممانعت میں ہی بعض دوسری مصلحتیں پائی جاتی ہیں، مثال کے طور پر عادت کے بوجھ سے نفوس کو کچھ دیر کے لئے آرام دینا، جس طرح سے کہ بعض دفعہ سو کر راحت حاصل کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: (میں اپنے سونے کو اپنے قیام کی طرح سمجھتا ہوں)(516)، ایک مصلحت نفس کو نماز کا مشتاق بنانا اور اسے اس کا گرویدہ بنانا ہے، جب اسے کچھ دیر کے لئے عبادت سے روک دیا جاتا ہے تو وہ زیادہ نشیط ہو جاتا ہے اور اس کے اندر اسکی چاہت دو چند ہو جاتی ہے، اس لئے کہ عبادت کو بعض اوقات کے ساتھ خاص کر دیئے جانے پر نفوس اس کے لئے اس سے کہیں زیادہ نشیط ہو جاتے ہیں جتنا وہ دائمی شئی کے لئے ہوتے ہیں، بلکہ دائمی شئی سے آزردگی آجاتی اور پژمردگی چھا جاتی ہے، جب کسی کو اس سے بعض اوقات کے لئے روک دیا جاتا ہے تو وہ اکتاہٹ دور ہو جاتی ہے، نفلی عبادتوں سے بعض اوقات روکے جانے کی کچھ اور بھی مصلحت ہو سکتی ہے، اس تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ممانعت کے اندر دفع مفاسد اور جلب منافع کی حکمت کارفرما نظر آتی ہے، باوجودیکہ اس سے کوئی مصلحت بھی فوت نہیں ہو رہی ہے)(517).

---

۵۱۶. صحیح البخاری، (۱۵۷۸/۴)، (ح:۴۰۸۶) اور لفظ انہیں کا ہے ؛ صحیح مسلم (۱۴۵۶/۳)، (ح:۱۷۳۳).

۵۱۷. مجموع فتاوی ابن تیمیہ، (۱۸۸_۱۸۷/۲۳) بتصرف.

چوتھا مطلب

غیر مکی کے لئے زیادہ سے زیادہ طواف کرنا افضل ہے

مقیمین مکہ وغیر مقیمین مکہ کے حق میں زیادہ سے زیادہ طواف کرنا مستحب ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے دنیا کے دیگر بلاد وامصار کے برخلاف اس بلد امین کو اس خصوصیت سے مشرف کیا ہے۔

علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ مسجدِ حرام کے اندر نفل نماز پڑھنا افضل ہے یا طواف کرنا؟ (518)، مگر راجح یہ ہے کہ غیر مکی کے حق میں طواف افضل ہے جب کہ مکی کے حق میں نماز افضل ہے، یہی جمہور علماء کا قول ہے، ابن عباس، عطاء، سعید بن جبیر اور مجاہد رحمھم اللہ سے ایسا ہی منقول ہے (519)۔

دلائل :

۱۔ اگر مسافر لوگ نماز میں مشغول ہوجائیں گے تو امکانِ تدارک کے بغیر ان سے طواف فوت ہوجائے گا، لہذا جس کا تدارک ممکن نہیں ہے اس میں ان کا مشغول رہنا ان کے حق میں اولی ہے۔

۲۔ طواف دو رکعت نماز کے علاوہ اضافی طور سے دعاء وذکر پر مشتمل ہوتا ہے اور وہ اسی مکان کے ساتھ خاص ہے، جب کہ نماز کسی بھی پاک جگہ پر پڑھی جاسکتی ہے۔

۳۔ طواف کو اپنی جگہ اور اپنے وقت پر افضلیت حاصل ہے چنانچہ مفضول عمل کو اس کے وقت اور اس کی جگہ میں فاضل عمل پر مقدم کیا جائے گا (520)۔

۴۔ اہل مکہ کے لئے طواف اس لئے افضل ہے کیونکہ بذاتہ طواف نماز سے افضل ہے اور نبی ﷺ نے طواف کو نماز سے تشبیہ دیا ہے۔

---

۵۱۸. دیکھئے: الطواف وأهم أحكامه، د.شرف بن علي الشريف، مجلة البحوث الاسلامية، الرياض، (عدد:۴۴)، (ذوالقعدة۔صفر ۱۴۱۵۔۱۴۱۶ھ)، (ص۱۸۸).

۵۱۹. دیکھئے: المجموع، (۵۶/۸) ؛ المغني والشرح الكبير، (۵۸۶/۳).

۵۲۰. دیکھئے: مجموع فتاوی ابن تیمیہ، (۱۹۶/۲۶).

چوتھا مبحث

حِجر کے احکام

اوراس میں چھ مطالب ہیں:

پہلا مطلب: حجر اوراس کے اسماء.

دوسرا مطلب: حجر کی تحدید اوراس کارقبہ.

تیسرا مطلب: حجر میں نماز پڑھنا، دعا کرنا اور بیٹھنا.

چوتھا مطلب: حجر کے اگلے حصے (جو کہ کعبہ کا جزء ہے) میں نماز پڑھنا.

پانچواں مطلب: نماز میں حجر اوراس کی فضا کا استقبال.

چھٹا مطلب: حجر کے اندر طواف کرنا.

پهلا مطلب

حِجر اور اس کے اسماء

حِجر کی تعریف:

حِجر -حاء کے کسرہ اور جیم کے سکون کے ساتھ- کعبہ -اللہ تعالی اس کے شرف میں اضافہ فرمائے- کے بغل میں واقع وہ معروف ومشہور جگہ ہے جو کعبہ کے شمال میں میزاب کے قریب ہے، وہ نصف دائرہ کی شکل میں گول چہاردیواری ہے، جس کے دونوں طرف داخل ہونے اور نکلنے کے دو راستے ہیں(521).

حِجر کے اسماء اور ان کے معانی:

حجر کو اس نام سے موسوم کئے جانے کی وجہ اس کا گول ہونا ہے(522)، یا اس لئے کہ اسے کعبہ میں شامل کئے جانے سے مجبور کردیا گیا یعنی روک دیا گیا ہے(523)، اور جو بھی عمارت آپ بناتے ہیں اور اس میں سے کچھ زمین چھوڑ دیتے ہیں وہ حجر کہلاتی ہے، وہ انسانی حجر (524)، یعنی: گود کی مانند ہے، یا پھر اسے دیوار کے ذریعے گھیر دئے جانے کی وجہ سے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے، تاکہ لوگ اس کے پیچھے سے طواف کریں، اور یہ سارے معانی تقریباً یکساں ہیں (525) حجر کے متعدد اسمائے گرامی ہیں، ان میں سے اہم اور مشہور نام حطیم ہے، حطیم نام اس لئے پڑا کیوں کہ اسے کعبہ سے محطوم کردیا گیا، یعنی کاٹ دیا گیا ہے، فعیل کے وزن پر ہے مگر مفعول کے معنی میں ہے، جس طرح قتیل بمعنی مقتول مستعمل ہے، نیز کہا گیا ہے: اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ: کعبہ کو بلند کردیا گیا مگر اسے محطوم چھوڑ دیا گیا(526).

---

۵۲۱. دیکھئے: المجموع، (۸/۲۳)؛ نھایۃ المحتاج، (۳/۲۸۲).

۵۲۲. دیکھئے: حاشیۃ العدوی، (۱/۶۶۵).

۵۲۳. دیکھئے: المبسوط، السرخسی (۴/۱۱).

۵۲۴. دیکھئے: معجم مقاییس اللغۃ، (۲/۱۳۸).

۵۲۵. دیکھئے: الکعبۃ وبعض أحکامھا المھمۃ، (ص ۱۵۱).

۵۲۶. دیکھئے: تبیین الحقائق، (۲/۱۷)؛ البحر الرائق، ابن نجیم (۲/۳۵۲).

اس نام کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں شبِ اسراء کے بارے میں بتایا: " **بَيْنَمَا أَنَا فِي الْحَطِيمِ - وَ رُبَّمَا قَالَ فِي الْحِجْرِ - مُضْطَجِعاً ، إِذْ أَتَانِي آتٍ ...**"(527).

اس دوران کہ میں حطیم کے اندر - یا یہ فرمایا: حجر کے اندر - سویا ہوا تھا کہ ایک آنے والا آیا ...

اس کا ایک نام جدر ہے جو کہ جدار (دیوار) کے معنی میں ہے، یعنی: وہ جگہ جس کی طرف سے کعبہ کی دیوار کاٹ دی گئی ہے۔

اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ بیان کرتی ہیں:

سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْجَدْرِ ، أَمِنَ الْبَيْتِ هُوَ ؟ قَالَ :" نعم "(528).

میں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا جدر (حطیم) خانہ کعبہ کا حصہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''

اسے حجر اسماعیل کہنا صحیح نہیں ہے :

بعد کے زمانوں میں حجر کو (حجر اسماعیل) کے نام سے پکارا جانے لگا تھا، اس بنا پر کہ حجر اسماعیل علیہ السلام کی بکریوں کا زَرب (529) (باڑہ) تھا(530)، لیکن یہ تعلیل صحیح نہیں ہے کیوں کہ حجر اسماعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد وجود میں آیا ہے، ان کے وقت میں وہ موجود نہیں تھا، بلکہ ان کے وقت میں کعبہ مکمل تھا، اس کا وجود تو قریش کی طرف سے کعبہ کی تعمیر کئے جانے کے بعد ہوا، جب ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد کے مطابق اس کی تعمیر کے لئے ان کے پاس فنڈ کی کمی ہوگئی تھی(531).

٥٢٧. صحیح البخاري، (١٤١٠/٣)، (ح:٣٦٧٤).

٥٢٨. صحیح البخاري، (٥٧٣/٢)، (ح:١٥٠٧) ؛ مسلم، (٩٧٣/٢)، (ح:١٣٣٣).

٥٢٩. الزَّرب: باڑہ، اور الزَّرِيب: بکریوں کی جگہ، اسے زرب اور زریبہ کہا جاتا ہے، دیکھئے: تھذیب اللغة، (١٣٧/١٣).

٥٣٠. دیکھئے: اخبار مکہ، (٦٥/١) ؛ فتح الباري، (٣٠٦/٦).

٥٣١. دیکھئے: الکعبة وبعض احکامها المهمة، (ص:١٥١).

نیز اس بناپر بھی اس کو حجر اسماعیل کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ اپنی ماں ہاجر کے ساتھ حجر میں مدفون ہیں کیوں کہ انبیاء علیہا السلام میں سے کسی نبی کے متعلق یہ ثابت نہیں ہے کہ ان کی وفات کعبہ کے پاس ہوئی ہے، یا وہ اس میں دفن کئے گئے ہیں، اس امر کی جن علماء نے صراحت فرمائی ہے ان میں سے بعض یہ ہیں:

البانی رحمہ اللہ، وہ بیان کرتے ہیں: (کسی بھی مرفوع حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ اسماعیل علیہ السلام یا دیگر انبیاء کرام میں سے کوئی مسجد حرام کے اندر مدفون ہیں، ایسی بات کتب سنت میں سے کسی بھی معتمد کتاب، جیسے کتب ستہ، مسند احمد، اور طبرانی کے تینوں معاجم وغیرھا میں وارد نہیں ہے، بلکہ اس سلسلے میں کسی ضعیف بلکہ بعض محققین کے نزدیک کسی موضوع روایت کے اندر بھی کچھ وارد نہیں ہے(532). اس بارے میں جو کچھ مواد ملتا ہے وہ واہی اسانید کے ذریعہ مروی معضل آثار اور کچھ موقوفات میں ملتا ہے جنہیں الازرقی نے "اخبار مکہ" (ص: ۳۹، ۲۱۹، ۲۲۰) میں درج کیا ہے، ان آثار کی طرف بالکل التفات نہیں کیا جاسکتا اگر چہ بعض مبتدعہ نے انہیں مسلمات کے طور پر ذکر کیا ہے)(533).

۲۔ **ڈاکٹر بکر ابو زید** رحمہ اللہ، وہ بیان کرتے ہیں: (مورخین اور اہل اخبار نے یہ ذکر کیا ہے کہ: اسماعیل بن ابراہیم علیہا السلام بیتِ عتیق کے حجر میں مدفون ہیں، اور تاریخ کی عام کتابوں، اور مکہ۔ زادھا اللہ شرفا۔ کی تواریخ سے متعلق کتابوں سے شاید ہی کوئی کتاب ایسی روایات سے خالی ہو، اسی بنا پر حجر کو اسماعیل علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیکن اس سلسلے کی روایات میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے، چنانچہ تم "حجر" کہو مگر "حجر اسماعیل" نہ کہو) (534).

---

۵۳۲. سیوطی رحمہ اللہ نے تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی (ص ۲۷۷) کے اندر ابن الجوزی رحمہ اللہ سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے: (کسی کہنے والے نے کتنی اچھی بات کہی ہے کہ: جب تم کسی حدیث کو دیکھو کہ وہ عقول کی مباین، منقول کی مخالف، اور اصول کی مناقض ہے تو سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے، اور اصول کے مناقض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دواوین اسلام، مسانید اور کتب مشہورہ سے باہر ہو).

۵۳۳. تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد، (۶۹/۱).

۵۳۴. معجم المناھی اللفظیۃ، (ص ۲۰۲).

حِجر کو وضع کر دیئے جانے کا سبب:

نبی ﷺ کی بعثت سے قبل جب قریش نے۔کعبہ کے منہدم ہوجانے کے بعد۔اس کی تعمیر کرنا چاہا تو وہ اس کی مکمل تعمیر کے لائق حلال مال جمع نہیں کر سکے، چنانچہ انہوں نے موجود مالِ حلال سے تعمیر شروع کر دیا اور کعبہ کے شمال سے جس میں میزاب ہے، سات ہاتھ کے قریب زمین کو الگ کر دیا، نیز اس سے معمولی اونچی دیوار سے گھیر دیا، تا کہ وہ اس کے کعبہ کا حصہ ہونے کی علامت کے طور پر باقی رہے۔

دلیل: عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے جَدر (یعنی حطیم) کے بارے میں سوال کیا کہ کیا وہ خانہ کعبہ کا حصہ ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' میں نے کہا: تو پھر انہوں نے اسے کعبہ میں کیوں شامل نہیں کیا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: **(انَّ قَوْمَكِ قَصَّرَتْ بِهِمْ النَّفَقَةُ)** 535 یعنی: تمہاری قوم کے پاس نفقہ کی کمی ہوگئی تھی۔

۵۳۵. صحیح البخاری، (۵۷۳/۲)، (ح:۱۵۰۷) ؛ وصحیح مسلم، (۹۷۳/۲)، (ح:۱۳۳۳).

دوسرا مطلب

حجر کی تحدید اور اس کا رقبہ

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا پورا حجر کعبہ کا حصہ ہے یا بعض حجر؟ اور ان کے اختلاف کا سبب حجر کے سلسلے میں وارد رسول اللہ ﷺ سے وارد احادیث کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا مکمل حجر کعبہ میں داخل ہے یا بعضِ حجر؟ لیکن راجح یہ ہے کہ پورا کا پورا حجر کعبہ کا حصہ نہیں ہے بلکہ بعضِ حجر ہے جس کی مقدار تقریباً سات ہاتھ ہے، یہی **مالکیہ** (536) **کا قول، شافعیہ** (537) **کی ایک وجہ** (538) **بعض حنفیہ کا قول** (539)**، اور ابن تیمیہ** کا مختار قول ہے (540).

دلائل:

عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: **(يـا عـائِشَةُ! لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثُو عَهْدٍ بِشِرْكٍ، لَهَدَمْتُ الْكَعْبَةَ، وَأَلْزَقْتُهَا بِالْأَرْضِ، وَجَعَلْتُ لَهَا بَـابَيْـنِ بَـابـاً شَرْقِيّاً وَبَاباً غَرْبِيّاً، وَزِدْتُ فِيهَا سِتَّةَ أَذْرُعٍ مِنَ الْحِجْرِ، فَإِنَّ قُرَيْشاً اقْتَصَرَتْهَا حَيْثُ بَنَتِ الْكَعْبَةَ** (541) **(**542).

---

۵۳۶. دیکھئے: مواھب الجلیل، (۷۱/۳).

۵۳۷. دیکھئے: نھایۃ المحتاج، (۲۷۳/۳).

۵۳۸. شافعیہ کے نزدیک وجہ سے مراد ہے: جس کو امام شافعی کے اصحاب عموماً ان کے کلام اور ان کے قواعد وضوابط سے معلوم کرتے ہیں، اور بسا اوقات یہ وجوہ خود اصحاب کے اجتہاد پر مبنی ہوتے ہیں امام شافعی کے کلام پر نہیں، دیکھئے: شرح الجلال المحلی علی المنھاج، (۱۳/۱).

۵۳۹. دیکھئے: فتح القدیر، (۴۵۲/۲)؛ تحفۃ الفقھاء، (۴۰۲/۱).

۵۴۰. دیکھئے: فتاوی ابن تیمیہ، (۱۲۱/۲۶).

۵۴۱. **(حَيْثُ بَنَتِ الْكَعْبَةَ)**: یعنی جس وقت انہوں نے کعبہ بنایا.

۵۴۲. صحیح مسلم، (۹۶۹/۲)، (ح ۱۳۳۳)

اے عائشہ! اگر تمہاری قوم زمانہ شرک سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو منہدم کردیتا اور اسے زمین سے ملادیتا، پھر اس کے دو دروازے بناتا، ایک مشرقی دروازہ اور ایک مغربی دروازہ، اور اس میں حجر سے چھ ہاتھ لیکر اضافہ کردیتا، کیوں کہ قریش نے جب کعبہ بنایا تو اس میں سے اتنا کم کردیا تھا۔

وجہ دلالت: نبی ﷺ نے اس کی صراحت فرمائی ہے کہ حجر کے چھ ہاتھ کعبہ کا حصہ ہیں کل حجر نہیں ہے۔

۲۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **" انَّ قَومَكِ اسْتَقْصَرُوا مِنْ بُنْيَانِ الْبَيْتِ، وَلَوْلَا حَدَاثَةُ عَهْدِهِمْ بِالشِّرْكِ أَعَدْتُ مَا تَرَكُوا مِنْهُ، فَإِنْ بَدَا لِقَوْمِكِ مِنْ بَعْدِي، أَنْ يَبْنُوهُ فَهَلُمِّي لأُرِيَكِ مَاتَرَكُوا مِنْهُ" فَأَرَهَا قَرِيباً مِنْ سَبْعَةِ أَذْرُعٍ** (543).

تمہاری قوم نے کعبہ کی بنیاد سے کچھ کم کردیا تھا، اور اگر وہ زمانہ شرک سے قریب نہ ہوتے تو میں اسے واپس لے آتا جس کو انہوں نے چھوڑ دیا تھا، اگر تمہاری قوم کو میرے بعد اسے بنانے کا خیال آئے تو آؤ میں تمہیں وہ جگہ بتادوں جسے انہوں نے چھوڑ دیا تھا، چنانچہ آپ نے انہیں تقریباً سات ہاتھ زمین بتائی۔

وجہ دلالت: نبی ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو حجر میں سے کعبہ کی قریباً سات ہاتھ زمین دکھائی، پورے حجر کو کعبہ میں شمار نہیں کیا۔

نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (نبی ﷺ کا یہ قول: ''میں حجر کا کچھ حصہ کعبہ میں داخل کردیتا'' اور ایک روایت میں ہے: ''میں حجر سے چھ ہاتھ اس میں اضافہ کردیتا، اس لئے کہ قریش نے تعمیر کعبہ وقت اتنا کم کردیا تھا'' اور ایک روایت میں: ''پانچ ہاتھ'' اور ایک روایت میں: ''تقریباً سات ہاتھ'' آیا ہے... تو میرے اصحاب کا کہنا ہے: حجر میں سے کعبہ سے متصل چھ ہاتھ بلا اختلاف کعبہ کا حصہ ہے، اختلاف اس سے زائد میں ہے) (544).

---

۵۴۳. صحیح مسلم، (۹۷/۲)، (ح۱۳۳۳).

۵۴۴. شرح النووی علی صحیح مسلم، (۹۱/۹).

اور**ابن حجر** رحمہ اللہ نے کعبہ میں سے کاٹ کر حجر میں شامل کی جانے والی زمین کے رقبہ کے سلسلے میں وارد اس حدیث کے مختلف روایات کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: (یہ تمام روایتیں اس بات پر متفق ہو جاتی ہیں کہ وہ زمین چھ ہاتھ سے زائد اور سات ہاتھ سے کم ہے) (545).

پھر انہوں نے مذکورہ دلائل کے درمیان اس طرح جمع کیا ہے: (مطلق روایت کو مقید پر محمول کرنا طے نظر آتا ہے...اور اس کی تائد اس سے بھی ہوتی ہے کہ مطلق اور مقید دونوں طرح کی احادیث کا پس منظر ایک ہے، اور وہ یہ کہ قریش نے کعبہ کو بنائے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے کچھ چھوڑ کر تعمیر کیا تھا، اس کے بعد عبداللہ بن الزبیر نے اسے بنائے ابراہیم پر واپس کر دیا تھا، پھر اس کے بعد حجاج نے اسے بنائے قریش پر واپس کر دیا، اور ایسی ایک بھی کوئی صریح روایت نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ مکمل حجر بنائے ابراہیم کے مطابق خانہ کعبہ میں شامل ہے. اور قبل اس کے کہ **ابن خزیمہ** رحمہ اللہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو پیش کرتے اور ان سے نبی ﷺ کی طرف سے کہے جانے والے اس قول کو ذکر کرتے کہ: "اگر تم کعبہ کے اندر جانا چاہتی ہو تو اس کے بجائے اس حجر میں ہی نماز پڑھ لو کیونکہ یہ کعبہ ہی کا ایک حصہ ہے" (546)، اس پر انہوں نے یہ باب قائم کر دیا ہے: (اس امر کا باب کہ حجر میں نماز پڑھنا اس شخص کے لئے مستحب ہے جو کعبہ کے اندر داخل نہ ہو سکتا ہو، اس لئے کہ حجر کا بعض حصہ کعبہ کا جزء ہے، خبر میں عام لفظ مذکور ہے مگر اس سے مراد خاص ہے، اور مجھے اندیشہ ہے کہ اس خبر کو سن کر۔ جس کے بارے میں میں نے کہا ہے کہ اس کا لفظ عام ہے مگر اس سے مراد خاص ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھ لیں گے کہ تمام حجر کعبہ کا حصہ ہے، بعض نہیں) (547).

---

٥٤٥. فتح الباری، (٣/٤٤٣).

٥٤٦. سنن الترمذی، (٣/٢٢٥)، (ح:٨٧٦)، اور کہا ہے: (حسن صحیح). اور البانی نے (صحیح سنن الترمذی)، (١/٢٥١)، (ح: ٨٧٦) میں کہا ہے: (حسن صحیح).

٥٤٧. صحیح ابن خزیمہ، (٤/٣٣٥).

المحب الطبری رحمہ اللہ نے کہا ہے: (**صحیح ترین بات یہ ہے کہ کعبہ کا جس قدر حصہ حجر میں ہے وہ تقریباً سات ہاتھ ہے**، اور جس روایت میں **مطلق** آیا ہے کہ حجر کعبہ میں سے ہے تو اس **مطلق** کو مقید پر محمول کیا جائے گا، ویسے کل بول کر جزء مراد لینا جائز و سائغ ہے)(548).

حِجر کا رقبہ(549):

ا۔ضلع کعبہ جس میں پرنالہ لگا ہوا ہے (رکنِ عراقی سے رکنِ شامی تک) کی لمبائی (۹,۹۰ میٹر) ہے(550).

۲۔ حجر کی لمبائی میزاب کے نیچے سے حجر کے نصف دائرہ تک اندر کی طرف سے ۸,۴۴ میٹر) ہے(551).

۳۔ان سات ہاتھوں کی لمبائی (552) جو کعبہ کا حصہ ہے (553)، میٹر کے حساب سے ۳,۲۳ میٹر) یعنی: تقریباً سوا تین میٹر ہے(554).

۴۔حجر کا بقیہ حصہ جو کعبہ میں سے نہیں ہے وہ: (۵,۲۱ میٹر) ہے(555).

---

۵۴۸. فتح الباری، (۴۴۷/۳).

۵۴۹. الأحکام الفقہیۃ المتعلقۃ بالحطیم، ڈاکٹر سائد بن محمد بکداش، (ص ۵).

۵۵۰. دیکھئے: الکعبۃ المعظمۃ والحرمان الشریفان عمارۃ وتاریخا، ڈاکٹر عبید اللہ الکردی (ص ۱۰۴).

۵۵۱. دیکھئے: التاریخ القویم لمکۃ وبیت اللہ الکریم محمد طاہر الکردی، (۵۷٦/۲).

۵۵۲. ایک ہاتھ برابر ہوتا ہے (۴٦,۲ سینٹی میٹر) کے.

۵۵۳. نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم (۹۱/۹) میں حجر میں سے کعبہ کی مقدار کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے: (نبی ﷺ کا یہ فرمان: "میں حجر کا کچھ حصہ کعبہ میں شامل کر دیتا" اور ایک روایت میں ہے: "حجر میں سے چھ ہاتھ اس میں اضافہ کر دیتا اس لئے کہ قریش نے تعمیر کعبہ کے وقت اتنا کم کر دیا تھا" اور ایک روایت میں ہے: "پانچ ہاتھ" اور ایک روایت میں: "تقریباً سات ہاتھ آیا ہے.. تو میرے اصحاب کا کہنا ہے: حجر میں سے کعبہ سے متصل چھ ہاتھ بلا اختلاف کعبہ کا حصہ ہے، اختلاف اس سے زائد میں ہے).

۵۵۴. دیکھئے: الایضاح والتبیان لمعرفۃ المکیال والمیزان، ابن الرفعۃ، تحقیق: ڈاکٹر محمد احمد الخاروف (ص ۷۷).

۵۵۵. دیکھئے: اخبار مکۃ للازرقی (۳۲۰/۱).

۵۔حجر کی دیوار کی اونچائی (۱٫۳۰ میٹر)، اوراس کی چوڑائی (۱٫۵ میٹر) ہے (556).

حِجر کے رقبہ کو جاننے کے فائدے:

خانۂ کعبہ سے کاٹ کر حِجر میں شامل کردیئے جانے والے رقبہ کی معرفت کے مندرجہ ذیل فائدے ہیں:

۱۔موجودہ حالت میں حِجر میں سے تقریباً سات ہاتھ زمین کعبہ کا حصہ ہے، بقیہ اس کا حصہ نہیں ہے۔

۲۔حِجر میں ان سات ہاتھوں کے اندر جس نے نماز پڑھی اس نے یقیناً کعبہ کے اندر نماز پڑھی، اس لئے کہ وہ اسی میں سے علیحدہ کئے ہوئے ہیں، چنانچہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی تھیں: (**مَا أُبَالِي أَصَلَّيْتُ فِي الْحِجْرِ أَمْ فِي الْبَيْتِ**) (557)، مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میں نے حِجر میں نماز پڑھی یا کعبہ میں، کیوں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے جَدر (حِجر) کے متعلق دریافت کیا تھا کہ کیا وہ کعبہ کا حصہ ہے؟ آپ نے جواب دیا: ''ہاں'' (558)، لہذا دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔

۳۔حِجر کے کس قدر حصے کو قبلہ بنایا جاسکتا ہے، حِجر کے اندر طواف کرنے کے حکم، اس میں بیٹھنے کے استحباب، اس میں دعا کرنے، اوراس کے اندر سے کعبہ کو پکڑنے جیسے احکام ومسائل کا ذکر جلد ہی آرہا ہے۔

---

۵۵٦. دیکھئے: مکۃ المکرمۃ تاریخ ومعالم (ص ٦٢).

۵۵۷. موطا امام مالک، (۱/۳٦۳).

۵۵۸. اس کی تخریج گزرچکی ہے (ص ۲۳۷).

تیسرا مطلب

حجر کے اندر نماز پڑھنا ، دعا کرنا اور اس میں بیٹھنا

اول : کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کا استحباب :

اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ کعبہ کے اندر نفل نماز پڑھنا صحیح ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرمائی، اسی کے اوپر آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے علماء قائم رہے، وہ نبی ﷺ کے نقش پا کی پیروی کرتے ہوئے اندرون کعبہ نماز پڑھنے کے قائل رہے ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: (رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے، آپ کے ساتھ اسامہ بن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ الحجبی (کلید بردار) بھی داخل ہوئے، عثمان نے آپ کی خاطر دروازہ کو بند کردیا، اس میں آپ تھوڑی دیر ٹھہرے رہے، جب باہر آئے تو میں نے اسامہ سے دریافت کیا: نبی ﷺ نے اندر میں کیا کیا؟ انہوں نے کہا: آپ وہاں اس طرح کھڑے ہوئے کہ ایک ستون آپ کی بائیں طرف، ایک ستون دائیں طرف اور تین ستون آپ کی پشت پر تھے، ان دنوں بیت اللہ کے چھ ستون تھے، پھر آپ نے وہاں نماز پڑھی) (559).

ابن بطال رحمہ اللہ نے کہا ہے: (**المہلب** نے بیان کیا ہے: رسول اللہ ﷺ کا ان تینوں کو اپنے ساتھ کعبہ کے اندر لے جانے کی وجہ ان سے الگ الگ کام لینا تھا، عثمان کے اندر جانے کا مقصد دروازہ کھولنے، بند کرنے، اور کعبہ کی صفائی کرنے جیسی خدمات انجام دینا تھا، اگر آپ ان کو دروازہ بند کرنے کے لئے نہ لے جاتے تو لوگ یہ سمجھتے کہ آپ نے انہیں معزول کردیا ہے، جہاں تک بلال کی بات ہے تو وہ آپ کے مؤذن تھے اور نماز کا معاملہ انہیں کے سپرد تھا، رہے اسامہ تو وہ آپ کی جملہ ضروریات کی تکمیل کرنے پر

۵۵۹. صحیح البخاری، (۱/۱۸۹)، (ح: ۴۸۳) ؛ صحیح مسلم، (۲/۹٦۷)، (ح: ۱۳۲۹) اور لفظ بخاری کا ہے.

مامور تھے،اور یہ حضرات آپ کے خواص میں سے تھے،اور امام کو یہ اختیار رہتا ہے کہ وہ اپنے خاص لوگوں کو ان امور میں شامل رکھے جنہیں عام لوگوں سے چھپایا جاتا ہے، جہاں تک نماز کے دوران بابِ کعبہ کو بند کئے جانے کا سوال ہے تو ۔واللہ اعلم ۔اس کا یہ مقصد رہا ہوگا کہ لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ اس کے اندر نماز پڑھنا سنت ہے اور وہ اس کا التزام کرنے لگیں)(560).

حدیثِ مذکور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ: کعبہ کے اندر نماز پڑھنا مستحب ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے اندر نماز ادا فرمائی ہے، لیکن یہ سنتِ مؤکدہ یا سنتِ راتبہ نہیں ہے،اس لئے کہ اس پر عمل کرنے والے کو حد درجہ کلفت ومشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، خاص کر جب نمازیوں کی تعداد زیادہ ہو اور مسلمانوں کی بھیڑ ہو،البتہ اگر کسی کو جیسے بھی اور جس سبب سے اس کے اندر جانے کا موقع ملے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی متابعت کرنا چاہے تو اس کے لئے اندرونِ کعبہ نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے،واللہ اعلم.

دوم: کعبہ کے اندر دعا کا استحباب:

اور کبھی نبی ﷺ کعبہ میں داخل ہوتے تو نماز نہیں پڑھتے، بلکہ اس کے تمام گوشوں میں بیٹھ کر دعا فرماتے تھے:

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ جب نبی ﷺ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تو اس کے تمام نواحی میں دعا کیا،اس میں نماز نہیں پڑھی،حتی کہ باہر آگئے، جب باہر آئے تو کعبہ کے سامنے (561) دو رکعت نماز پڑھی ،اور فرمایا: (یہ قبلہ ہے) میں نے کہا:

---

۵۶۰. شرح صحیح البخاری،ابن بطال (۱۱۶/۲ ـ ۱۱۷).

۵۶۱. حدیث کا لفظ ہے **(قُبُلَ الْبَيْتِ)**: خطابی نے کہا ہے: ہر شی کا قُبُل اور اس کا قبلہ: یعنی اس کا وہ حصہ جو تمہارے سامنے ہو،اور القلعی نے کہا: قُبُل البيت ،یعنی: جو تمہارے آگے ہو اور تم اس کا مشاہدہ کر رہے ہو،اور نووی نے کہا ہے: قُبُلها بمعنی وجهها ہے اس کی جانب نماز پڑھا ۔اس لئے کہ بخاری کی ایک روایت میں آیا ہے،ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: **(فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ فِي وَجْهِ الْكَعْبَةِ)**[البخاری،(۳۹۲/۱)،(ح ۱۱۱۴] ۔یعنی آپ نے کعبہ کے روبرو دو رکعت نماز پڑھی،اور نووی نے کہا ہے: اس کا یہ سب سے اچھا معنی ہے،دیکھئے: البدر المنیر ،ابن الملقن (۴۲۷/۳-۴۲۸).

کعبہ کے نواحی سے کیا مراد ہے؟ کیا اس کے تمام کوشوں میں دعا کیا تھا؟ انہوں نے کہا: بلکہ بیت اللہ کے ہر طرف (562)۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے: (نبی ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے، اس میں چھ ستون تھے، آپ ہر ستون کے پاس کھڑے ہوئے اور دعا فرمایا، مگر نماز نہیں پڑھی) (563)۔

اور ہم مسلمان اسی کے پابند ہیں جو نبی ﷺ سے وارد ہوا ہے، ہم آپ کی سنت وہدایت کی اتباع کرنے والے ہیں، چنانچہ خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھے بغیر صرف دعا کرنا مباح ہے لیکن کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے سلسلے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہی دعا کے متعلق بھی کہا جائے گا۔

(مسئلہ) کیا کعبہ کے اندر اعتکاف کرنا جائز ہے؟

جس طرح کعبہ کے اندر نماز پڑھنا اور دعا کرنا مستحب فعل ہے، کیا اسی طرح اس کے اندر اعتکاف کرنا بھی جائز ہے؟ کعبہ کے اندر اعتکاف کرنے کے سلسلے میں علماء کے دو اقوال ہیں:

پہلا قول: "کعبہ کے اندر اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے؟

۱۔(شرح الخرشی علی مختصر خلیل) میں آیا ہے: (ان کا یہ کہنا کہ: مساجد بیوت [گھروں کی مساجد] میں اعتکاف کرنا صحیح نہیں ہے، یعنی: کعبہ میں بھی نہیں، **ابن الحاج** کے برخلاف، اگر چہ اس کے لئے کعبہ میں داخل ہونا جائز ہے) (564)۔

۲۔اور (الفواکہ الدوانی) میں آیا ہے: **مسجد** مباح کے ذریعہ غیر مباح کی ملازمت سے احتراز کیا گیا ہے، جیسے کعبہ جیسی مجور مساجد کی ملازمت سے لہٰذا ان کے اندر اعتکاف کرنا صحیح نہیں ہے) (565)۔

۵۶۲۔ صحیح مسلم، (۹۶۸/۲)، (ح ۱۳۳۰)۔

۵۶۳۔ صحیح مسلم، (۹۶۸/۲)، (ح ۱۳۳۱)۔

۵۶۴۔ شرح الخرشی علی مختصر خلیل، (۲۶۷/۲)۔

۵۶۵۔ الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید القیروانی للنفراوی (۷۳۲/۲)۔

دوسرا قول: کعبہ کے اندر اعتکاف کرنا جائز ہے:

۱۔(مواہب الجلیل بشرح مختصر خلیل) میں آیا ہے(فرع: برزلی نے ''نوازل ابن الحاج'' میں کہا ہے: کعبہ کے اندر اعتکاف جائز ہے، اس لئے وہ بھی ایک مسجد ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (**فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ**)[البقرۃ:۱۴۴] اپنے چہرے کو مسجد الحرام کی طرف پھیر لیجئے، اور نبی ﷺ کا قول ہے: (سوائے مسجد حرام کے) اور اس لئے کہ اس میں نفل نمازیں پڑھنا جائز ہے...... اور جن لوگوں کے یہاں مسجد شرط نہیں ہے۔ اور وہ **ابن لبابہ اور شافعی** ہیں۔ ان کے نزدیک علی الاطلاق کعبہ میں اعتکاف کرنا صحیح ہے) (566).

۲۔(تحفۃ المحتاج بشرح المنھاج) میں آیا ہے: (اگر کوئی مسجد حرام کی تعیین کے ساتھ اعتکاف کی نذر مانتا ہے تو اس میں اعتکاف کرنا متعین ہوگا اور دوسری کوئی مسجد اس کے قائم مقام نہ ہوگی، اس کے فضل میں زیادتی اور اس میں ثواب کے اضافہ کے پیش نظر، اور اس سے مراد کعبہ اور اس کے اردگرد کی مسجد ہے، اور اگر کعبہ کی تعیین کیا ہے تو مسجد حرام اس کی طرف سے کافی ہوگی اس لئے کہ مضاعفت ثواب میں دونوں شامل ہیں۔ جب کہ بہت سے علماء نے کہا ہے کہ کعبہ ہی متعین ہوگا کیوں کہ وہ افضل ہے)(567).

راجح یہ ہے کہ کعبہ کے اندر مطلق اعتکاف جائز نہیں ہے، نہ نذر کا اعتکاف اور نہ کوئی اور طرح کا، اس لئے کہ نبی ﷺ سے ایسا کچھ ثابت نہیں جس سے اس کے جواز پر استدلال کیا جا سکے، نیز نہ تو نبی ﷺ سے اور نہ آپ کے اصحاب میں سے کسی صحابی سے اندرون کعبہ اعتکاف کرنا ثابت ہے، مزید یہ کہ ایسا کرنے میں معتکفین کے لئے بڑی مشقت و پریشانی ہے۔

---

۵۶۶. مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل للحطاب (ت:۹۵۴ھ)(۳۹۶/۳).

۵۶۷. تحفۃ المحتاج بشرح المنھاج، لابن حجر الہیتمی (۱۲۳/۱۴).

سوم: حجر میں نماز پڑھنا کعبہ میں نماز پڑھنا ہے:

حجر میں نماز پڑھنا مستحب ہے، اور حجر میں پڑھنے والا کعبہ میں نماز پڑھنے والے کی طرح ہے، اس لئے کے حجر کعبہ ہی کا ایک ٹکرا ہے، اور جب ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو نبی ﷺ نے انہیں حجر میں داخل کر دیا اور اسی میں نماز پڑھ لینے کی ہدایت دی، کیوں کہ وہ کعبہ ہی کا ایک ٹکڑا ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں چاہتی تھی کہ کعبہ میں داخل ہو کر اس میں نماز پڑھوں، نبی ﷺ نے میرا بازو پکڑا اور مجھے حجر میں داخل کر دیا، اور فرمایا: (**صَلِّي فِي الْحِجْرِ إِنْ أَرَدْتِ دُخُولَ الْبَيْتِ، فَإِنَّمَا هُوَ قِطْعَةٌ مِنَ الْبَيْتِ، وَلَكِنَّ قَوْمَكِ اسْتَقْصَرُوهُ** (568) **حِينَ بَنَوا الْكَعْبَةَ فَأَخْرَجُوهُ مِنَ الْبَيْتِ**) (569).

(کعبہ میں داخل ہونا چاہتی ہو تو حجر ہی میں نماز پڑھ لو، وہ بیشک کعبہ کا ایک ٹکڑا ہے، لیکن تمہاری قوم نے اسے اس وقت کوتاہ کر دیا جب کعبہ کی تعمیر کیا، اور حجر کو کعبہ سے نکال دیا)۔

ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس پر یہ باب قائم کیا ہے: (اس امر کا باب کہ: حجر میں نماز پڑھنا مستحب ہے جب کعبہ میں داخل ہونا ممکن نہ ہو اس لئے کہ حجر کا کچھ حصہ بیت اللہ میں کا ہے) (570)۔

اور نبی ﷺ کا عائشہ رضی اللہ عنہا کو حجر میں نماز پڑھنے کی ہدایت دینے کے اندر پوری امت کے - تمام مردوں و عورتوں - کے لئے اس مبارک مکان میں نماز پڑھنے کی تعلیم پائی جاتی ہے، جو کہ کعبہ ہی کا ایک ٹکڑا ہے۔

اور نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (حجر میں زیادہ سے زیادہ حاضری دینا، اور اس میں نماز پڑھنا

---

۵٦٨. "**اسْتَقْصَرُوهُ**" یعنی فنڈ کی کمی کی باعث اس کی تعمیر میں کچھ کمی کر دی۔
دیکھئے: تحفۃ الاحوذی، (۵۲۲/۳)۔

۵٦٩. اس کی تخریج گذر چکی ہے (ص ۲۴۲)۔

۵۷۰. صحیح ابن خزیمہ، (۳۳۵/۴)۔

اوردعا کرنا مستحب ہے اس لئے کہ وہ یا اس کا بعض حصہ کعبہ میں سے ہے)(571).

چنانچہ حجر شروع سے لے کر اب تک اختیار کی جائے نماز رہا ہے، اس لئے کہ کعبہ کے مقابلے میں اس کے اندر جانا آسان ہے، اور جو اس میں نماز پڑھتا ہے گویا وہ کعبہ میں نماز پڑھتا ہے، کیوں کہ وہ کعبہ ہی کا جزء ہے۔ اور شاید حجر کو اس طرح الگ رکھے جانے اور اسے کعبہ میں شامل نہ کئے جانے کے پیچھے سب سے بڑی حکمت یہی رہی ہو، اور اللہ ہی ماقبل ومابعد کو اچھی طرح جانتا ہے(572).

اور شاید کہ اللہ تعالی نے اپنے علمِ سابق کے ذریعہ یہ جان لیا تھا کہ لوگوں کو کعبہ میں داخل ہونے، اس میں نماز پڑھنے اور اس کے ارکان میں دعا کرنے میں غیر معمولی مشقت پیش آئے گی، لہذا اللہ تعالی نے چاہا کہ وہ لوگوں کو اس عظیم فضل سے محروم نہ کرے جب کہ لوگ اس میں حد درجہ رغبت رکھتے ہیں، چنانچہ قریش کے پاس فنڈ کی کمی ہوگئی، اور حجر کعبہ سے باہر ہوگیا جیسا کہ وہ آج ہے، تا کہ لوگ اس کے اندر جا کر نماز پڑھ سکیں، اور ان کا داخل ہونا اور اس میں نماز پڑھنا کعبہ میں پڑھنے کے مانند ہو، اس لئے کہ وہ اسی کا حقیقتاً ایک جزء ہے.

چهارم: حِجر میں بیٹھنے کا استحباب:

اس بنا پر کہ حجر کعبہ کا حصہ ہے، اس کو بہت بڑا مقام اور نہایت بلند مرتبہ حاصل ہے، اور اس میں بیٹھنا روئے زمین میں کہیں بیٹھنے سے زیادہ افضل واحسن ہے، اسی بنا پر حجر نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کا جلسہ گاہ رہا ہے۔ اور ان کے بعد تابعین کا بھی جلسہ گاہ رہا ہے.

دلائل:

ا۔ مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے شب اسراء کے بارے میں بیان فرمایا اور کہا: (اس دوران کہ میں حطیم میں-یا یہ فرمایا: حِجر میں- لیٹا ہوا تھا کہ میرے پاس ایک

---

۵۷۱. المجموع، (۸/۱۹۷)، اور دیکھئے: مغنی المحتاج (۱/۵۱).

۵۷۲. دیکھئے: الاحکام الفقہیہ المتعلقۃ بالحطیم، (ص:۸).

آنے والا آیا، اوراس نے میرے سینے کو چاک کیا......) 573۔اور پھر انہوں نے واقعہ اسراء ومعراج کو بیان کیا۔

وجہ دلالت: نبی ﷺ کے سینۂ مبارک کو چاک کرنے کے لئے اور پھر انہیں اسراء ومعراج کرانے کے لئے حجر کو اختیار کئے جانے سے اس جگہ کی فضیلت وبرتری عیاں ہوتی ہے۔نیز نبی ﷺ کا اس میں استراحت فرمانا ان کے بعد ان کی امت کے لئے اس میں بیٹھنے کے استحباب پر دلالت کرتی ہے۔

۲۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الحِجْرِ، وقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ......)** (574)۔

(میں نے خود کو دیکھا کہ میں حطیم میں ہوں، اور قریش مجھ سے واقعۂ اسراء کے متعلق سوالات کررہے ہیں)۔

۳۔جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: **(لَمَّا كَذَّبَنِي قُرَيْشٌ، قُمْتُ فِي الْحِجْرِ، فَجَلَّى اللَّهُ لِي بَيْتَ الْمَقْدِسِ** (575)**، فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ)** (576)۔

(جب قریش نے مجھے جھٹلایا دیا تو میں حجر میں کھڑا ہوگیا، اور اللہ تعالی نے میرے لئے بیت المقدس کو روشن کردیا۔پس میں ان کو بیت المقدس کی نشانیاں بتانے لگا، اس حال میں کہ اسے دیکھ رہا تھا)۔

وجہ دلالت: نبی ﷺ کا حجر میں بیٹھ کر اسراء ومعراج کی رات میں پیش آنے والے معجزات کے

---

۵۷۳. صحیح البخاری، (۱۴۱۰/۳)۔

۵۷۴. صحیح مسلم، (۱۵۶/۱)، (حدیث:۱۷۲)۔

۵۷۵. (فَجَلَّى اللَّهُ لِي بَيْتَ الْمَقْدِسِ): یعنی میرے اور اس کے درمیان کا پردہ ہٹادیا یہاں تک کہ میں نے اسے دیکھ لیا، دیکھئے تحفۃ الاحوذی، (۴۴۹/۸)۔

۵۷۶. صحیح البخاری: (۱۷۴۳/۴)، (حدیث:۴۴۳۳)۔

بارے میں لوگوں کو بتانا اس جگہ کے شرف وفضل کو اجاگر کرتا ہے۔

۴۔ **عطاء ومجاہد** -رحمہما اللہ- بیان کرتے ہیں کہ ایک دن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے ان سے بیان کیا اور وہ حجر میں بیٹھے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: (**مَنْ طَافَ بِهَذَا الْبَيْتِ أُسْبُوعاً، ثُمَّ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ أَوْ أربع رَكْعَات، كَانَ لَهُ كَعَدلِ عِتقِ رَقَبَةٍ**)(577).

(جس نے اس گھر کا ایک ہفتہ تک طواف کیا، پھر دو رکعتیں یا چار رکعت نماز پڑھی، اس کے حق میں یہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے)۔

۵۔ **ابراہیم بن میسرہ** رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (**طاووس** کے پاس ہم لوگوں نے خلیفہ مہدی کا تذکرہ کیا، وہ حجر میں بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے پوچھا: اے ابوعبدالرحمٰن! کیا وہ عمر بن عبدالعزیز کی طرح تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں......)(578).

وجہ دلالت: حجر صحابہ کرام کی نشست گاہ تھا جن میں سے ایک عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے بعد وہ ائمہ تابعین رحمہم اللہ کی بھی نشست گاہ رہا ہے۔

مذکورہ احادیث وآثار سے حجر میں بیٹھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کی متابعت اور صحابہ کرام اور تابعین عظام کی پیروی ہے۔

۵۷۷۔ سنن الترمذی، (۲۹۲/۳)، (حدیث:۹۵۹) اور البانی نے (صحیح سنن الترمذی)، (۲۹۱/۱)، (حدیث:۹۵۹) میں صحیح قرار دیا ہے۔

۵۷۸۔ الازرقی نے (اخبار مکہ)، (۳۱۶/۱) میں روایت کیا ہے۔

چوتھا مطلب

حِجر کے اگلے حصے میں نماز پڑھنا

اول: حِجر کے اگلے حص میں(فرض نماز) پڑھنے کا حکم:

کعبہ کے اندر فرض نماز پڑھنے کے سلسلے میں علماء کے مابین اختلاف ہے، اسی طرح حجر کے اگلے حصے- جو کہ کعبہ معظّمہ ہی کا ایک ٹکڑا ہے- میں بھی فرض نماز پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے، اوران کے تین اقوال ہیں: **راجح قول** یہ ہے کہ کعبہ کے اندر فرض نماز پڑھنا صحیح ہے، اسی طرح حجر کے اگلے حصے میں بھی، اور یہی **حنفیہ**(579)، **شافعیہ 580**، **بعض مالکیہ** (581) اقول اور **امام احمد** کی ایک روایت ہے(582)، **امام ترمذی** نے(583) اس کو اکثر اہل علم کا قول قرار دیا ہے اور **نووی** نے(584) اسے جمہور کا قول بتایا ہے۔

دلائل:

ا۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: (**فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ**) [البقرۃ:۱۴۴]

آپ اپنے چہرے کو مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجئے، اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اس کی طرف (نماز کے وقت) پھیر لیا کرو۔

---

۵۷۹. دیکھئے: المبسوط، (۷۹/۲) ؛ بدائع الصنائع، (۱۲۱/۱).

۵۸۰. دیکھئے: الأم، (۹۸/۱) ؛ روضۃ الطالبین، (۲۱۴/۱).

۵۸۱. دیکھئے: الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی، (۲۲۹/۱).

۵۸۲. المبدع، (۲۹۸/۱) ؛ الانصاف، (۴۹۶/۱).

۵۸۳. دیکھئے: سنن الترمذی، (۱۲۳/۳).

۵۸۴. دیکھئے: المجموع، (۱۹۴/۳).

وجہ دلالت: کعبہ کے اندر نماز پڑھنے والا اپنے چہرے کو کعبہ کی طرف، یعنی اس کی جہت کی طرف پھیرتا ہے (585)، اور یہ فرض ونفل دونوں کو شامل ہے۔

۲۔ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: (رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کے اندر نماز ادا فرمائی) (586).

وجہ دلالت: جس جگہ پر نفل نماز پڑھنا جائز ہے وہاں فرض نماز پڑھنا بھی جائز ہے الا یہ کہ خاص نفل پڑھے جانے کی کوئی دلیل ہو (587).

امام شافعی رحمہ اللہ: نے کہا ہے: (کعبہ کے اندر فرض اور نفل نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لئے کہ طہارت اور قبلہ میں فرض ونفل کا حکم ایک ہی ہے) (588).

۳۔عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میری خواہش تھی کہ میں کعبہ میں داخل ہو کر اس میں نماز پڑھوں، رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حجر میں داخل کر دیا اور فرمایا: (**صَلِّي فِي الْحِجْرِ إِنْ أَرَدْتِ دُخُولَ الْبَيْتِ، فَإِنَّمَا قِطْعَةٌ مِنَ الْبَيْتِ وَلَكِنَّ قَوْمَكِ اسْتَقْصَرُوهُ حِينَ بَنَوُا الْكَعْبَةَ، فَأَخْرَجُوهُ مِنَ الْبَيْتِ**) (589).

اگر تم کعبہ میں داخل ہونا چاہتی ہو تو حجر میں ہی نماز پڑھ لو، وہ بھی کعبہ کا ہی ایک ٹکڑا ہے، لیکن تمہاری قوم نے اسے کوتاہ کر دیا جب کعبہ کی تعمیر کیا، اور اسے کعبہ سے باہر کر دیا۔

وجہ دلالت: رسول اللہ ﷺ نے حجر میں جو کہ کعبہ ہی کا ایک جزء ہے، نماز پڑھنے کی اجازت

۵۸۵۔ دیکھئے تفسیر القرطبی، (۱۵۹/۲).

۵۸۶۔ صحیح مسلم، (۹۶۷/۲)، (حدیث:۱۳۲۹).

۵۸۷۔ دیکھئے: التمہید، (۳۲۰/۱۵)، سنن الترمذی (۲۲۳/۳).

۵۸۸۔ سنن الترمذی (۲۲۳/۳).

۵۸۹۔ اس کی تخریج گذر چکی ہے (ص:۲۴۲).

دی ہے(590)اوراجازت کالفظ عام ہے،اس میں نفل یا فرض نماز کی تخصیص یا استثناء نہیں ہے، چنانچہ اس سے فرض پڑھنے کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔

۴۔جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (...... **جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا**) (591).

......میرے لئے زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے۔

وجہ دلالت: جوفِ کعبہ روئے زمین کا پاک ترین مقام ہے، اور حدیث فرض نمازوں سے متعلق ہے، چنانچہ جوفِ کعبہ میں فرض نماز پڑھنا صحیح ہے، اور اسی طرح حجر کے اگلے حصے میں بھی۔

دوم: حجر کے اگلے حصے میں (نفل نماز) کا حکم:

حجر کے اگلے حصے میں نفل نماز پڑھنے کے تعلق سے علماء کے مابین اختلاف ہے، اور ان کے دو اقوال ہیں: راجح یہ ہے کہ بشمول سنن مؤکدہ اور عام نفلی نمازوں کے تمام نوافل کعبہ کے اندر، اسی طرح حجر کے اگلے سات ہاتھوں کے اندر ادا کرنا مستحب ہے، یہی جمہور(592) یعنی: حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ کا مذہب اور مالکیہ کا ایک قول ہے۔

دلائل:

اس کے دلائل وہی ہیں جو کعبہ کے اندر اور حجر کے اگلے حصے میں فرض نماز کے حکم کے بیان میں ذکر کئے گئے ہیں۔

---

۵۹۰. شرح معانی الآثار، الطحاوی(۱/۳۹۲).

۵۹۱. صحیح البخاری، (۱/۱۲۸)(حدیث: ۳۲۸).

۵۹۲. دیکھئے فرض نماز کے حکم کے تحت درج مصادر و مراجع (ص: ۲۵۳).

سوم: حجر میں اس جگہ نماز پڑھنے کا حکم جو کعبہ کا حصہ نہیں ہے :

حجر میں اس کے اگلے حصے کے سات ہاتھوں (593) کے بعد جو جگہ ہے وہ کعبہ کا جزء نہیں ہے، بنا بریں: جو شخص اس میں فرض یا نفل نماز ادا کرتا ہے وہ گویا مسجدِ حرام میں نماز پڑھتا ہے، اس کو مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے کا جو معروف اضافی اجر ہے وہ ملے گا۔ البتہ اس کی نماز یقیناً کعبہ کے باہر ہوگی۔ (594).

---

۵۹۳. کتاب میں (الاذرع السبعة) کا لفظ آیا ہے، ذراع (ہاتھ) مونث ہے، اس کو مذکر بھی ذکر کیا جاتا ہے اور اگر مونث مانیں تو جملہ ہوگا (الاذرع السبع).

۵۹۴. دیکھئے الاحکام الفقہیۃ المتعلقہ بالحطیم، (ص:۲۲).

پانچواں مطلب

نماز میں حجر اور اس کی فضا کا استقبال

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص نماز میں حجر کے چھ ہاتھوں سے زیادہ کا استقبال کرے گا اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیوں کہ اس سے زیادہ یقیناً کعبہ کا حصہ نہیں ہے، البتہ حجر کے اس حصے کے استقبال کے بارے میں اختلاف ہے جو کعبہ کا جزء ہے اور جس کی مساحت سات ہاتھ کے قریب ہے، اور اس بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں:

اور (**صوت مسئلہ**) یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا حجر کے باہر اس کے دونوں دروازوں میں سے کسی کے پاس اس سے لگ کر کھڑا ہو اور کعبہ کے علاوہ صرف حجر کا استقبال کرے، تو کیا اس کی نماز صحیح ہوگی؟

اور راجح یہ ہے کہ نماز کے اندر خواہ فرض ہو یا نفل حجر کا استقبال کرنا- اسی کے بقدر جتنا کعبہ کا حصہ ہے- جائز ہے، یہی مالکیہ کا قول ہے۔(595).

مالکی علماء کی ایک جماعت نے جیسے کہ ابوالحسن اللخمی (ت: ۴۷۸ھ) وغیرہ ہیں، اسی پر اعتماد کیا ہے، شافعیہ کے نزدیک مشہور وجہ یہی ہے (596)، نیز حنابلہ کا معتمد قول بھی یہی ہے (597).

دلائل:

۱۔ایک دلیل وہ حدیث ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں کعبہ میں داخل ہو کر اس کے اندر نماز پڑھنے کی خواہش رکھتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے میرے بازو کو پکڑ کر حجر میں داخل کر دیا اور فرمایا: (اگر کعبہ میں داخل ہونے کی خواہش رکھتی ہو تو حجر میں نماز پڑھ لو، یہ بھی کعبہ کے ایک

۵۹۵. دیکھئے: مواہب الجلیل، (۵۱۱/۱-۵۱۲) ؛ حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، (۲۲۸/۱-۲۲۹).

۵۹۶. دیکھئے: المجموع، (۱۹۳/۳) ؛ نہایۃ المحتاج، (۴۱۸/۱).

۵۹۷. دیکھئے: کشاف القناع، (۳۰۰/۱)، الانصاف للمرداوی (۸/۲).

ٹکڑا ہے......)الحدیث(598).

وجہ دلالت: نبی ﷺ نے حجر میں جوکہ کعبہ کا ایک جزء ہے،نماز پڑھنے کی اجازت فرمائی ہے،اور اس کے اندر نماز پڑھنے یا اس کا استقبال کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۲۔دوسری دلیل وہ حدیث ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ ہے،وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: (اے عائشہ!اگر تمہاری قوم زمانہ شرک سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو منہدم کردیتا،اوراسے زمین کے برابر کردیتا،اوراس کے دو دروازے بناتا،ایک مشرقی دروازہ اور ایک مغربی دروازہ،اوراس میں حجر سے چھ ہاتھ اضافہ کردیتا،اس لئے کہ جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کیا تو اس کوکوتاہ کردیا تھا) (599).

وجہ دلالت: نبی ﷺ نے اس کی صراحت فرمائی ہے کہ حجر کے چھ ہاتھ کعبہ کا حصہ ہیں،چنانچہ اتنی مقدار میں اس کا استقبال کرنا جائز ہوگا کیوں کہ وہ کعبہ میں شامل ہے۔

۳۔عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (تمہاری قوم نے کعبہ کی بنیاد سے کچھ کم کردیا تھا،اوراگر وہ زمانہ شرک سے قریب نہ ہوتی تو میں اسے واپس لے آتا جس کوانہوں نے چھوڑ دیا تھا،ممکن ہے تمہاری قوم کو میرے بعد اسے بنانے کا خیال آئے،لہٰذا آؤ تمہیں میں وہ جگہ بتادوں جسے انہوں نے چھوڑ دیا تھا)،چنانچہ آپ نے انہیں تقریبا سات ہاتھ زمین بتائی (600).

وجہ دلالت: نبی ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو حجر میں سے کعبہ کی تقریبا سات ہاتھ زمین بتائی، چنانچہ نماز کے اندر اتنی مقدار کا استقبال کرنا جائز ہوگا کیوں کہ وہ کعبہ ہی کا ایک جزء ہے۔

---

۵۹۸. اس کی تخریج گذر چکی ہے،(ص:۲۴۹).

۵۹۹. صحیح مسلم،(۹۶۹/۲)،(حدیث:۱۳۳۳).

۶۰۰. صحیح مسلم،(۹۷۱/۲)،حدیث:۱۳۳۳).

چھٹا مطلب

حجر کے اندر سے طواف کرنا

حجر کے اندر سے طواف کرنے کے بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے، اوران کے تین اقوال ہیں: ان میں سے راجح قول یہ کہ حجر کے اندر سے طواف کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ صحتِ طواف کے لئے حجر کے پیچھے سے طواف کرنا شرط ہے۔

بنابریں: جو شخص کعبہ اور حجر کے درمیان والے اِس شگاف سے داخل ہوا اور اُس شگاف سے نکل جائے تو اس چکر کا طواف صحیح نہ ہوگا اور نہ اس کا شمار ہوگا، یہی مالکیہ کے نزدیک راجح قول (601)، اور شافعیہ (602) وحنابلہ (603) کا قول ہے۔

دلائل:

۱۔اللہ تعالیٰ کا قول ہے: (**وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ**)[الحج:۲۹]،

وجہ دلالت: اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کا طواف کرنے کا حکم دیا ہے، اور نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ حجر خانہ کعبہ کا جزء ہے، چنانچہ بیت اللہ کا طواف کرنے کے لئے حجر کے پیچھے سے طواف کرنا ضروری ہوگا۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اپنے طواف میں حجر سے ہوکر نہ گذرے، اس لئے کہ حجر کا بیشتر حصہ بیت اللہ میں سے ہے، اوراللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کیا حکم دیا ہے بیت اللہ میں طواف کا نہیں (604)۔

۶۰۱۔ دیکھئے: الباجی کی المنتقی (۲/۲۸۳) ؛ مواہب الجلیل، (۳/۷۰)۔

۶۰۲۔ دیکھئے: المجموع، (۸/۶۰)؛ روضۃ الطالبین، (۳/۸۰)

۶۰۳۔ دیکھئے المغنی، (۳/۳۹۷)؛ الفروع، (۳/۴۹۹)

۶۰۴۔ مجموع الفتاوی، (۲۶/۱۲۱)۔

۲۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جدر (605) کے بارے میں سوال کیا کہ کیا وہ بیت اللہ کا حصہ ہے؟ آپ نے فرمایا: (ہاں) (606)۔

۳۔ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: (اگر تم بیت اللہ میں داخل ہونا چاہتی ہو تو حجر ہی میں نماز پڑھ لو۔ اس لئے کہ وہ بھی بیت اللہ ہی کا حصہ ہے......)(607)۔

وجہ دلالت: چونکہ حجر کعبہ کا حصہ ہے لہٰذا اس کو عبور کر کے طواف کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس کے پیچھے سے طواف کرنا شروع ہے کیونکہ وہ کعبہ کا جزء ہے۔

۴۔ نبی ﷺ کا حجر کے پیچھے سے طواف کرنے پر مداومت فرمانا (608)، پھر آپ کا یہ فرمانا:

(لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ فَإِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هَذِهِ) (609)۔

(تم لوگ مناسک حج سیکھ لو، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ میں اپنے اس حج کے بعد شاید کوئی دوسرا حج نہ کر سکوں)۔

وجہ دلالت: (**لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ**) میں لام امر کے لئے ہے، (پوری عبارت یوں ہوگی: میں نے اپنے اس حج میں جو جو کام کئے ہیں، اور مجھ سے جو اقوال وافعال وہیات صادر ہوئے ہیں، وہ سب حج کے مسائل اور اس کے صفات میں سے ہیں، چنانچہ انہیں مجھ سے سیکھ لو حاصل کر لو اور نہیں یاد کر لو، نیز ان پر خود عمل کرو اور لوگوں کو ان کی تعلیم دو)(610)۔

---

٦٠٥. جدر: یعنی حجر۔

٦٠٦. صحیح البخاری، (٥٧٣/٢)، (حدیث: ١٥٠٧)؛ وصحیح مسلم، (٩٧٣/٢)، (حدیث: ١٣٣٣)۔

٦٠٧. تخریج گذر چکی ہے، (ص: ٢٣٢)۔

٦٠٨. دیکھئے: صحیح مسلم کے اندر جابر رضی اللہ عنہ کی لمبی حدیث، (٨٨٦/٢)، (حدیث: ١٢١٨)۔

٦٠٩. صحیح مسلم، (٩٤٣/٢)، (حدیث: ١٢٩٧)۔

٦١٠. شرح النووی علی صحیح مسلم، (٤٥/٩)۔

۵۔حجر کے پیچھے سے طواف کرنا ہی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ جملہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا معمول رہا ہے(611)۔

بنا بریں: کسی بھی حال میں حجر کے اندر سے طواف کرنا جائز نہیں ہے، اور جس نے اپنے طواف کے کسی چکر میں یا بعض چکر میں ایسا کیا ہے تو اس کا اعادہ کرے تا کہ اس کا طواف صحیح ہو سکے۔

٦١١۔ مناسک النووی، (ص:۲۳۱)۔

پانچواں مبحث

نماز میں استقبال کعبہ کے احکام

اوراس میں چھ مطالب ہیں:

پہلا مطلب: نماز میں کعبہ کا استقبال.

دوسرا مطلب: نماز میں کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کے احوال.

تیسرا مطلب: کن حالات میں کعبہ کا استقبال شرط نہیں ہے؟.

چوتھا مطلب: کعبہ کے پاس مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی صورت.

پانچواں مطلب: کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے کا حکم.

چھٹا مطلب: کعبہ سے بلند ہوکر یا پست ہوکر نماز پڑھنے کا حکم.

پھلا مطلب

نماز میں کعبه کااستقبال

نماز میں روزِقیامت تک کعبہ کےاستقبال کےوجوب پر تمام علماء کااتفاق ہے(612)،نیز ان کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ(613)اس کا استقبال صحتِ نماز کے لئے شرط ہے،اور جو شخص بغیر عذر کے(614) کعبہ کااستقبال نہیں کرتا اس کی کوئی نماز صحیح نہیں ہے۔

دلائل:

ا۔اللہ تعالیٰ کاقول ہے:(**فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ**)[البقرۃ:۱۴۴]

پس آپ اپنے چہرے کومسجدِحرام کی طرف پھیر لیجئے،اورتم لوگ جہاں کہیں بھی ہو(نماز کے وقت)اپنے چہرے کواس کی طرف پھیرلیا کرو۔

وجہِ دلالت: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریمﷺ کوحکم دیا ہے کہ وہ مسجدِ حرام کی جانب متوجہ ہوں، کیوں کہ کعبہ مسجدِحرام میں ہے،اورمسلمانوں کوبھی ایساہی حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے اندر آیا ہے کہ نبیﷺ نے ان سے فرمایا:(۔۔۔۔۔**إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَأَسْبِغْ الْوُضُوءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلْ الْقِبْلَةَ، فَكَبِّرْ**۔۔۔۔۔)(615)۔

(۔۔۔۔۔جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کاارادہ کروتو کامل وضوکر،پھر قبلے کااستقبال کرو،اس

۶۱۲۔ دیکھئے:التمہید،ابن عبدالبر(۵۴/۱۷) ؛ نیل الاوطار،(۱۷۵/۲)۔

۶۱۳۔ دیکھئے:بدائع الصنائع(۳۱۴/۱) ؛ المجموع(۱۸۹/۳) ؛ مواہب الجلیل(۵۰۷/۱) ؛ المغنی(۹۴/۲)۔

۶۱۴۔ اورعذر: جیسے دشمن کاخوف،استقبال سے عاجز ہونا،اورسفر میں نفلی نماز

۶۱۵۔ صحیح البخاری،(۲۳۰۷/۵)،(حدیث:۵۸۹۷) ؛ وصحیح مسلم،(۱۹۸/۱)،(حدیث:۳۹۷)۔

کے بعد اللہ اکبر (تکبیر) کہو......)

۳۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں: (بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ، إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ أُنْزِلَ عَلَى اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ، فَاسْتَقْبِلُوهَا، وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّامِ، فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ)(616).

(اس دوران کہ لوگ قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے، کہ ان کے پاس ایک قاصد آیا اور کہا: رسول اللہ ﷺ پر رات کو قرآن نازل ہوا ہے، آپ کو استقبال کعبہ کا حکم دیا گیا ہے، ان کے چہرے شام کی طرف تھے چنانچہ انہوں نے انہیں کعبہ کی طرف گھما لئے)۔

وجہ دلالت: امر استقبال کعبہ کے وجوب پر دلالت کر رہا ہے اور اس پر کہ کعبہ ہی قبلہ ہے۔

۴۔انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: (أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَنَزَلَتْ: فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ [البقرۃ:۱۴۴] فَمَرَّ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سَلِمَةَ وَهُمْ رُكُوعٌ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ، وَقَدْ صَلَّوْا رَكْعَةً، فَنَادَى: أَلَا إِنَّ الْقِبْلَةَ قَدْ حُوِّلَتْ، فَمَالُوا كَمَا هُمْ نَحْوَ الْقِبْلَةِ)(617).

(رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی جس کا معنی ہے: آپ اپنے چہرے کو مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجئے، بنوسلمہ کے ایک شخص کا ان کے پاس سے گذر ہوا، اور وہ فجر کی نماز پڑھتے ہوئے رکوع میں تھے، اور وہ ایک رکعت پڑھ چکے تھے، اس شخص نے پکارا: آگاہ ہو جاؤ کہ قبلہ بدل دیا گیا ہے، چنانچہ وہ لوگ اسی حالت میں قبلہ کی طرف مڑ گئے)۔

دلیل اجماع:

نماز میں قبلہ کے استقبال کے وجوب پر امت کا اجماع ہے، نیز اس بات پر بھی اجماع ہے کہ اس کا استقبال صحتِ نماز کے لئے شرط ہے، اس بارے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۶۱۶۔ صحیح البخاری، (۱/۱۵۷)، (حدیث: ۳۹۵)؛ وصحیح مسلم، (۱/۳۷۵)، (حدیث: ۵۲۶)۔

۶۱۷۔ صحیح مسلم، (۱/۳۷۵)، (حدیث: ۵۲۷)۔

اور جن علماء کرام نے اس پر اجماع نقل کیا ہے وہ ہیں: ابن عبدالبر (618)، ابن حزم (619)، الکاسانی (620)، ابن رشد (621) ابن تیمیہ (622)، اور شوکانی (623) وغیرہم۔

۱۔ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا ہے: (علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو نماز کے اندر جس قبلہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا ہے وہ کعبہ، یعنی مکہ میں واقع بیت الحرام ہے)(624)۔

۲۔اور الکاسانی رحمہ اللہ نے۔صحتِ نماز کے شرائط بیان کرتے ہوئے کہا ہے: (ان شرائط میں سے ایک استقبالِ قبلہ ہے، اور اس پر امت کا اجماع ہے) (625)۔

۳۔اور ابن رشد رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اس بات پر مسلمان متفق ہیں کہ: بیت اللہ کی طرف رخ کرنا صحتِ نماز کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے) (626)۔

۴۔اور شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (احادیث متواترہ استقبال کے وجوب کی صراحت کرتی ہیں، بلکہ یہ قرآن کریم میں بھی منصوص ہے: **فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ**، اسی پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، اور یہ شریعت کے قطعی مسائل میں سے ایک قطعی مسئلہ ہے)(627)۔

۶۱۸. دیکھئے: التمہید، (۵۴/۱۷)۔

۶۱۹. دیکھئے: مراتب الاجماع، ابن حزم (ص: ۴۸)۔

۶۲۰. دیکھئے: بدائع الصنائع، (۳۰۸/۱)۔

۶۲۱. دیکھئے: بدایۃ المجتہد، (۱۶۱/۱)۔

۶۲۲. دیکھئے: مجموع الفتاوی، (۲۰۶/۲۲)۔

۶۲۳. دیکھئے: نیل الاوطار، (۱۷۵/۲) ؛ الدراری المضیۃ للشوکانی (ص: ۹۵)۔

۶۲۴. دیکھئے: الاستذکار، (۴۵۵/۲ ؛ التمہید، (۵۴/۱۷)۔

۶۲۵. بدائع الصنائع (۳۰۸/۱)۔

۶۲۶. دیکھئے: بدایۃ المجتہد، (۸۰/۱)۔

۶۲۷. دیکھئے: الدراری المضیۃ، (ص: ۹۵)۔

دوسرا مطلب

نماز میں کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کے حالات

کعبہ کی طرف نماز پڑھنے والا دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا:

پہلی حالت: وہ کعبہ کو دیکھ رہا ہو.

دوسری حالت: وہ کعبہ سے دور ہو اور اسے نہیں دیکھ رہا ہو.

اول: کعبہ کو دیکھ رہے شخص کا حکم:

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے (628) کہ: جو شخص کعبہ کی طرف دیکھ رہا ہو اور اس کا مشاہدہ کر رہا ہو اس کے لئے عین کعبہ کا استقبال کرنا شرط ہے، چاہے وہ اس سے قریب ہو یا بعید، جیسے کہ کوئی شخص مسجد حرام میں نماز پڑھ رہا ہو وہ اگر تھوڑا سا بھی دائیں بائیں منحرف ہوگا تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی.

اس بارے میں اہل علم کے اقوال:

۱۔امام شافعیؒ نے کہا ہے: (جو شخص مکہ کی مسجد میں یا وہاں کے منزل میں یا میدان میں یا پہاڑ پر نماز پڑھتے ہوئے کعبہ کو دیکھنے پر قادر ہو تو اس کی نماز کفایت نہیں کرے گی یہاں تک کہ بیت اللہ کا صحیح استقبال نہ کرے، اس لئے کہ اسے دیکھ پانے کی وجہ سے اس کے لئے ٹھیک کعبہ کا استقبال کر لینا ممکن ہے (629).

۲۔**ابن عبدالبر** رحمہ اللہ نے کہا ہے: استقبالِ قبلہ کے حکم کی دو صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ اسے دیکھ رہا ہو اور اس کا معاینہ کر رہا ہو، اس صورت میں اس پر اس کا استقبال کرنا، اس کو پانا اور پورے بدن کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونا لازم ہے (630).

---

۶۲۸. دیکھئے: بدائع الصنائع، (۱/۳۰۸)؛ الأم (۱/۱۹۳)؛ الکافی فقہ اہل المدینۃ، (ص:۳۸)؛ المغنی، (۱/۹۳)

۶۲۹. الأم (۱/۱۹۳).

۶۳۰. الکافی فقہ أھل المدینۃ، (ص:۳۸).

۲۔اور ابن قدامہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: (پھر اگر وہ کعبہ کے روبرو ہو تو اس کے لئے عینِ کعبہ کی طرف نماز پڑھنا فرض ہے، اس میں کسی کے اختلاف کا مجھے علم نہیں ہے(631).

۳۔اور قرطبی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے: (اور علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ: اس شخص پر جو اسے دیکھ رہا ہو اور اس کے روبرو ہو اس کا استقبال کرنا فرض ہے، اور اگر اس نے اس کے سامنے ہوتے ہوئے اور اس کی جہت سے واقف ہوتے ہوئے بھی اسکا استقبال ترک کردیا ہے تو اس کی کوئی نماز صحیح نہیں ہوگی اور اس پر تمام پڑھی گئی نماز کا اعادہ کرنا واجب ہوگا)(632).

دوم: اس شخص کا حکم جو کعبہ سے دور ہو:

اس شخص کے بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے جو کعبہ سے دور ہو اور اسے نہیں دیکھ رہا ہو، کیا اس کے اوپر عین کعبہ کا استقبال واجب ہے یا اس کی سمت کا؟ اس سلسلے میں علماء کے دو اقوال ہیں، اور راجح قول یہ ہے کہ اس کے لئے عینِ کعبہ کا استقبال ضروری نہیں ہے، بلکہ وہ اس کی سمت میں نماز پڑھے گا۔ یہ جمہور کا قول ہے، اور اسی کے قائل حنفیہ(633)، جمہور مالکیہ(634)، اور بعض شافعیہ(635) ہیں، اور حنابلہ کا مذہب بھی یہی ہے(636).

دلائل:

۱۔اللہ تعالی کی فرمان ہے(**فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَه**)[البقرۃ:۱۴۴]

وجہ دلالت: ظاہر آیت اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ جو شخص اس جانب رخ کرلیتا ہے جدھر

---

۶۳۱. المغنی،(۲۶۲/۱).

۶۳۲. تفسیر القرطبی،(۱۶۰/۲).

۶۳۳. دیکھئے: فتح القدیر،(۲۶۹/۱) ؛ بدائع الصنائع،(۳۳۰/۱).

۶۳۴. التاج والإکلیل،(۲۶۹/۱) ؛ حاشیۃ القیلوبي،(۱۳۲/۱).

۶۳۵. دیکھئے: المجموع،(۲۰۷/۳).

۶۳۶. دیکھئے: الإنصاف،(۹/۲) ؛ کشاف القناع،(۳۰۵/۱).

مسجد حرام ہے، اس نے گویا اپنے چہرے کواس کی طرف پھیرلیا، چاہے وہ عینِ کعبہ کو پائے یا نہ پائے، اورشرعا اسی کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (**مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ**) (637).

(جومشرق ومغرب کے درمیان ہے وہ قبلہ ہے)

۳۔**عبداللہ بن عمر** رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: (**بَيْنَا النَّاس بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ، إِذْ جَاءَ هُمْ آتٍ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ، فَاسْتَقْبِلُوهَا، وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّامِ فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ**) (638).

(اس دوران کے لوگ قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کے پاس ایک آنے والا (قاصد) آیا اور کہا: رات کو رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے، اور آپ کو استقبال کعبہ کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا آپ لوگ اس کا استقبال کرلیں، اس وقت ان کے چہرے شام کی جانب تھے، لیکن انہوں نے ان کو کعبہ کی پھیر لئے۔

وجہِ دلالت: وہ لوگ قبلہ نما طلب کئے بغیر مڑ گئے، اور نبی ﷺ نے ان کے اس فعل کا اقرار کرلیا، حالانکہ ان ک لئے فی الفور حالت نماز میں عین کعبہ کو پالینا ممکن نہیں تھا، کیوں کہ عین کعبہ کے ادراک کے لئے ریاضی کی بعض دقیق معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، ان تمام باتو ں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کعبہ کونہیں دیکھ رہا ہواس سے جہتِ کعبہ کا استقبال مطلوب ہے عینِ کعبہ کا نہیں۔

۴۔متعدد صحابہ کرام سے یہ منقول ہے کہ ان لوگوں نے کہا ہے: (جومشرق ومغرب کے درمیان

٦٣٧۔ سنن الترمذی (۱۷۳/۲)، (حدیث: ۳۴۴) اور کہا ہے: حسن صحیح۔

اور البانی نے (صحیح سنن الترمذی)، (۲۰۳/۱)، (حدیث: ۳۴۴) کے اندر صحیح قرار دیا ہے۔

٦٣٨۔ صحیح البخاری (۱۵۷/۱) (ح ۳۹۵) ؛ وصحیح مسلم (۳۷۵/۱) (ح ۵۲۶)۔

ہے وہ قبلہ ہے)، ان صحابہ میں سے: **عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب اور ابن عباس** رضی اللہ عنہم ہیں(639).

۵۔ سنن ترمذی میں مذکور ہے کہ **ابن عمر** رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: (جب تم مغرب کو اپنی دائیں طرف اور مشرق کو بائیں طرف رکھ لو تو قبلے کے استقبال کے وقت ان کے درمیان جو دوری ہے وہ قبلہ ہے، اور **ابن مبارک** رحمہ اللہ نے کہا ہے: مشرق ومغرب کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ قبلہ ہے۔ اور یہ اہل مشرق کے لئے ہے، اور عبداللہ بن مبارک نے اہل مرو کے لئے بائیں جانب رکھنے کو پسند کیا ہے)(640).

اہل علم کے اقوال:

۱۔ المرغینانی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں: (جو آدمی کعبہ سے دور ہو اس کے لئے اس کی سمت کو پانا فرض ہے، اور یہی صحیح ہے) (641).

۲۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اگر کعبہ اتنی دور ہو کہ نمازی اسے نہیں دیکھ سکتا ہو تو اس کے لئے اس کی جانب اور اس کی سمت متوجہ ہونا لازم ہوگا) (3642).

۳۔ اور ابن قدامہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے: (قبلہ کے سلسلے میں فرض یہ ہے کہ: اس سے قریب آدمی کے لئے عینِ قبلہ کو پانا ہے، اور جو اس سے دور ہو اس کے لئے اس کے سمت کو پانا ہے) (643).

---

٦٣٩. دیکھئے: سنن الترمذی، (١٧٤/٢).

٦٤٠. سنن الترمذی، (١٧٥-١٧٤/٢).

٦٤١. الهدایة شرح البدایة، (٤٥/١).

٦٤٢. الکافی فی فقه أهل المدینة، (٣٨/١)

٦٤٣. الشرح الکبیر، ابن قدامة، (٤٨٥/١)

تیسرا مطلب

کن حالات میں استقبال قبلہ شرط نہیں ہے ؟

کئی ایسے حالات ہیں جن میں استقبال قبلہ شرط نہیں ہے،اوران میں سے ہرایک حالت کے لئے خاص عذر ہے،اوروہ درج ذیل حالات ہیں(644).

۱۔حالت بیماری: وہ مریض جو استقبال قبلہ سے عاجز ہواوراسے قبلہ رخ ہونے میں مدد کرنے والا کوئی نہ ہو،تو وہ کسی بھی سمت نماز پڑھ لے گااوراس کی نماز صحیح ہوگی.

۲۔حالت خوف: خواہ دشمن کا خوف ہویا سیلاب کایا دونوں کایا آگ وغیرہ کا.

۳۔حالت سفر: نفل نماز مسافر جدھر چاہے پڑھ سکتا ہے،البتہ فرض نماز کے لئے استقبال قبلہ شرط ہے الایہ کہ وہ استقبال کرنے سے عاجز ہو،اوروقتِ نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو،تو پھر جس طرح ممکن ہو پڑھ لے.

اس سلسلے میں اہل علم کے اقوال:

۱۔شیرازی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (نماز کی صحت کے لئے قبلہ کا استقبال کرنا شرط ہے،سوائے دوحالتوں کے:سخت خوف کی حالت میں اورسفر کے اندر نفل نماز پڑھنے میں)(645).

وہ **مزید** بیان کرتے ہیں: (جہاں تک شدید خوف اورسخت جنگ کی بات ہے تو اگر اس حالت میں وہ ترک قبلہ پر مجبور ہوتو اس کے لئے استقبال ترک دینا جائز ہے اوروہ ممکن سمت میں نماز پڑھ لے گا،اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (**فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أَوْ رُكْبَاناً**)[البقرۃ:۲۳۹] اگر تم حالتِ خوف میں ہوتو چلتے ہوئے،یاسواری پر پڑھ لو،ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: (چاہے رُخ قبلہ کی طرف ہویا غیر

---

۶۴۴. دیکھئے:بدائع الصنائع،(۳۱۴) ؛ مغنی المحتاج،(۱۴۲/۱)؛ مواہب الجلیل،(۵۰۷/۱)؛کشاف القناع،(۳۰۷/۱)؛(۲۹۴/۳)

۶۴۵. المہذب،(۶۷/۱).

قبلہ کی طرف)(646). اور اس لئے کہ یہ ایسا فرض ہے جسے ترک کرنے پر مجبور ہے، لہٰذا اسے چھوڑ کر نماز پڑھ لے گا اس مریض کی طرح جو قیام سے عاجز ہو(647).

۲۔ اور **ابن عبدالبر** رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے: (کسی بھی فرض نماز کو غیر قبلہ کی طرف پڑھنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ نمازی سخت خوف یا حالت جنگ میں ہو) (648).

مزید کہتے ہیں: (مسافر اپنی سواری پر بیٹھ کر نفل پڑھ سکتا ہے چاہے اس کی سواری جس سمت متوجہ ہو) (649).

۳۔ اور **ابن قدامہ** رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (حاصل کلام یہ کہ: خوف اس قدر شدید ہو کہ آدمی قبلہ رخ ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا ہو یا اس کے لئے پاؤں پر چلنا ضروری ہو، یا وہ نماز کے بعض ارکان سے عاجز ہو، یا دشمن سے مباح طور پر بھاگنے کی وجہ سے یا سیلاب سے یا جانوروں سے یا آگ سے یا اس قسم کی دیگر چیزوں سے بھاگنے کی وجہ سے جس سے بھاگے، یا مقابلہ کئے یا جنگ کئے، اور کر وفر اور ضرب وطعن اور مطاردت کے بغیر گلوخلاصی ممکن نہ ہو تو ان حالات میں وہ حسب حال پیدل چلتے ہوئے اور سوار ہو کر نماز پڑھ لے گا، قبلہ کی طرف پڑھنا ممکن ہو تو قبلہ کی طرف ورنہ قبلہ کے بغیر ہی پڑھ لے گا)(650).

اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے آسانی پیدا کر دی گئی ہے، اور یہ شریعت اسلامیہ کے کمال میں سے ہے جس نے تمام حالات کا خیال کرتے ہوئے مختلف قسم کے احکامات متعین کئے ہیں جن کے اندر پیش آمدہ حالات وتقلبات اور متطلباتِ وقت کی بھرپور رعایت کی گئی ہے، جس سے اس طرح کے حالات سے دوچار شخص کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اسے مشقت وحرج میں مبتلا ہونا نہیں پڑتا.

---

۶۴۶. صحیح البخاری، (۱۶۴۹/۴)، (حدیث: ۴۲۶۱).

۶۴۷. مصدر سابق، (۶۹/۱).

۶۴۸. الکافی فی فقہ أهل المدینۃ، (۳۸/۱).

۶۴۹. مصدر سابق، (۳۹/۱).

۶۵۰. المغنی، (۲۵۸/۱).

چوتھا مطلب

کعبہ کے پاس مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی کیفیت

کعبہ کے گرد نماز پڑھتے ہوئے امام کے ساتھ مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی متعدد صورتیں ہیں جن میں سے:

اول: مقامِ ابراھیم کے پیچھے امام کا کھڑا ہونا اور اس کے پیچھے مقتدیوں کا کھڑا ہونا:

اس امر کے استحباب میں علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ امام مقامِ ابراہیم کے پیچھے کھڑا ہو اور مقتدی حضرات اس کے پیچھے کعبہ کے چاروں طرف اس طرح کھڑے ہوں کہ امام ان سے زیادہ کعبہ کے قریب ہو، جیسا کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کیا تھا(651).

دوم: امام کی جہت کے علاوہ میں مقتدیوں کا امام سے آگے ہونا:

علماء کے مابین اس بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ امام کی جہت کے علاوہ میں کعبہ کے گرد نماز پڑھتے ہوئے مقتدی حضرات اس سے اس طرح آگے ہو جائیں کہ وہ امام سے زیادہ کعبہ کے قریب ہوں تو ان کا نماز پڑھنا صحیح ہے(652).

سوم: امام کی جہت میں مقتدیوں کا امام سے آگے ہونا:

علماء کے مابین اس نماز کی صحت میں اختلاف ہے جب مقتدی امام کی جہت میں اس سے آگے ہوں، اور اس میں ان کے تین اقوال ہیں: ان میں سے راجح یہ ہے کہ عذر کے بغیر پڑھی جانے والی نماز

---

٦٥١. دیکھئے: حواشی الشروانی علی تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج، (٣٠٣/١)؛ حاشیۃ الروض المربع، ابن قاسم، (٣٣٥/٢)

٦٥٢. دیکھئے: الإنصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، (٢٨١/٢)؛ فتاوی ابن تیمیہ، (٣٠٤/٢٣).

باطل ہے(653). اور یہی جمہور: ابوحنیفہ(654). صحیح ترین قول میں امام شافعی(655)، اور احمد کا قول ہے(656).

دلیل:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: (**إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ**)(657). (امام اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے)

وجہ دلالت: جب مقتدی اپنے امام سے آگے ہو جائے تو گویا اس نے اس کی اقتداء نہیں کی، اور اس کی اقتداء کو صحیح کہا جا سکتا، اور نہ اسے امام کا تابع قرار دیا جا سکتا ہے لہٰذا اس کی نماز باطل ہوگی الا یہ کہ کوئی عذر ہو۔

---

٦٥٣. دیکھئے: مجموع الفتاوی، (٢٣/٤٠٣-٤٠٥).

٦٥٤. دیکھئے: بدائع الصنائع، (١/٣٤٦) ؛ فتح القدیر، (٢/١٥٤).

٦٥٥. المجموع، (٣/٣٠٠) ؛ حواشی الشروانی علی تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج، (١/٣٠٣).

٦٥٦. دیکھئے: کشاف القناع، (١/٤٨٦) ؛ شرح منتہی الارادات، (١/٢٦٣).

٦٥٧. صحیح البخاری، (١/٢٥٣)، (حدیث: ٦٨٩) ؛ مسلم، (١/٣١١)، (حدیث: ٤١٧).

پانچواں مطلب

کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا

کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے کے جواز کے بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے،اوراس میں دو اقوال ہیں، جن میں سے راجح قول یہ ہے کہ کعبہ کی چھت پر فرض ونفل پڑھنا جائز ہے، کچھ فرق کے ساتھ یہی حنفیہ،شافعیہ اورحنابلہ کا قول ہے۔

۱۔حنفیہ نے ظہرِ کعبہ پر نماز پڑھنے کو کراہت کے ساتھ جائز قرار دیا ہے،اس لئے کہ اس میں تعظیمِ کعبہ کا عدم لحاظ ہے(658)۔

۲۔شافعیہ نے نماز کے لئے بیت سے متصل سترہ رکھنے کی شرط لگائی ہے۔(659)۔

۳۔حنابلہ نے فرض کے علاوہ نفل پڑھنے کی اجازت دی ہے،البتہ بعض نے استقبال کعبہ کا تصور کرکے نماز پڑھنے کی شرط لگائی ہے (660)۔

دلائل:

۱۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:(**أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ**)[البقرۃ:۱۲۵]

وجہ دلالت: بیت اللہ کی تطہیر کا حکم اس پر نماز پڑھنے کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔

۲۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:(**وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ**)[البقرہ:۱۴۴]

وجہ دلالت: کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے والا اپنے چہرے کو کعبہ کی جانب یعنی اس کے سمت میں

۶۵۸۔ دیکھئے:فتح القدیر،(۱۵۰/۲) ؛ المبسوط للسرخسی،(۷۹/۲)۔

۶۵۹۔ دیکھئے:المہذب،(۱۲۹/۱) ؛ المجموع،(۱۹۷/۳)۔

۶۶۰۔ دیکھئے:المغنی،(۴۷۶/۳) ؛ شرح منتہی الارادات،(۱۵۷/۱)۔

رکھتا ہے(661). اور کعبہ کی چھت پر چاروں طرف سے معمولی اٹھی ہوئی دیوار ہے جو اس سترہ سے بے نیاز کر دیتی ہے جس کی شافعیہ نے شرط لگائی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: (فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ)[البقرۃ:۱۴۴]

وجہ دلالت: کعبہ کی چھت پر یا اس کے جوف میں یا اس کے ایک جانب یا اس سے اوپر یا اس سے نیچے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ نماز پڑھنے والا اپنے چہرے کو کعبہ کی طرف متوجہ رکھے۔

۴۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (...... جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِداً وَطَهُوْرًا)(662). (...... میرے لئے زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے)۔

وجہ دلالت: اندرونِ کعبہ کی طرح کعبہ کی چھت بھی مسجد ہے، اور جو شخص ان دونوں کے درمیان فرق کرتا ہے اس سے دلیل طلب کیا جائے گا۔

۵۔ حنابلہ نے فرض کے علاوہ نفل نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے لیکن اس تفریق کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ جس جگہ نفل پڑھنا جائز ہے وہاں فرض پڑھنا بھی جائز ہے سوائے اس جگہ کے جس کو دلیل نے نفل نماز کے ساتھ خاص کر دیا ہے(663).

۶۔ شافعیہ نے بیت اللہ سے متصل سترہ رکھے جانے کی شرط لگائی ہے کیوں کہ ان کے نزدیک قبلہ کی طرف متوجہ ہونے کے لئے عمارت کعبہ کا اعتبار کیا جاتا ہے مقامِ کعبہ کا نہیں، جبکہ حنفیہ نے یہ شرط نہیں لگائی اس لئے کہ ان کے یہاں محل کعبہ سے لے کر آسمان کی بلندی تک قبلہ ہے، حالانکہ اس وقت کعبہ کی چھت پر پائی جانے والی معمولی اونچائی کی دیوار اس اختلاف کو ناپید کر دیتی ہے۔

---

۶۶۱. دیکھئے تفسیر القرطبی، (۱۵۹/۲).

۶۶۲. صحیح البخاری، (۱۲۸۸)، (حدیث: ۳۲۸).

۶۶۳. دیکھئے: التمہید، (۳۲۰/۱۵) ؛ سنن الترمذی (۲۲۳/۳).

چھٹا مطلب

کعبہ سے بلندی پر یا اس سے پستی میں نماز پڑھنا

کعبہ سے بلند ہونے یا اس سے پست ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا صحیح ہے، یہی جمہور علماء ،حنفیہ وشافعیہ اورحنابلہ کا مذہب ہے۔

اس سلسلے میں علماء کے اقوال:

السرخسی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (جوشخص جبلِ ابی قبیس (664) پرنماز پڑھتا ہے اس کی نماز صحیح ہے، حالانکہ اس وقت کعبہ کی عمارت کا کوئی حصہ اس کے سامنے نہیں ہوتا ہے،اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عمارت کا اعتبار نہیں ہے)(665).

اورنووی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (ہمارے اصحاب کا کہنا ہے: اگر کوئی جبلِ ابی قبیس پر یا کعبہ کے قریب میں(666) واقع اس سے بلند دیگر مقامات پر کھڑا ہو تو اس کی نماز بلا کسی اختلاف کے صحیح ہے، اس لئے کہ اس کو مستقبلِ کعبہ گردانا جائے گا)(667).

اور**ابن قدامہ** رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اگر کوئی اس قدر بلند پہاڑ پر نماز پڑھ رہا ہو جو اسے کعبہ کے سمت سے اوپر کردے تو اس کی نماز صحیح ہوگی، اسی طرح اگر کوئی اتنی نیچی جگہ میں نماز پڑھ رہا ہو جو اسے کعبہ کے سمت سے نیچے کردے تو اس کی بھی نماز صحیح ہوگی، اس لئے کہ واجب کعبہ کا استقبال اور اس کے اوپر اور نیچے کا سمت ہے، اس دلیل کی بنیاد پر کہ اگر -العیاذ باللہ- کعبہ زائل ہو جائے تو مقام کعبہ کی طرف نماز پڑھنا درست ہوگا) (668).

---

٦٦٤. یہ ابوقبیس پہاڑ ہے، رکن حجر اسود کے مقابل میں کعبہ سے بلند پہاڑ ہے۔

٦٦٥. دیکھئے: المبسوط، (٨٠/٢)

٦٦٦. اور جو کعبہ سے دور ہو تو اس کی نماز بدرجہ اولی صحیح ہے۔

٦٦٧. المجموع، (١٩٥/٣)

٦٦٨. المغنی، (٢٦٣/١)

دلائل:

ا۔نبی ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے زمین کے منخفض ہونے یا مرتفع ہونے کی وجہ سے کسی کی نماز کو باطل کردیا ہو۔

۲۔زمین کی سطح مختلف ہوتی ہے،بعض جگہیں منخفض ہوتی ہیں اور بعض مرتفع ہوتی ہیں،اوراس ارض معمورہ کے مسلمان عام طور پر یا تو کعبہ سے منخفض مقامات پر نماز پڑھتے ہیں یا مرتفع مقامات پر،اوراللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں حرج کو جگہ نہیں دیا ہے۔

خاتمه

یہ وہ باتیں ہیں جنہیں سپرد قرطاس کرنے اوراس موضوع کے تحت پیش کرنے کی توفیق وسعادت مجھے اللہ تعالیٰ نے بخشی،(اورابن الوردی رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب کہا ہے:(لوگوں نے علمی کتابیں اس لئے نہیں لکھا کہ انہیں ہدف ملامت بنایا جائے،بلکہ انہوں نے اجر،دعاؤں اورذکرجمیل کے لئے انہیں تصنیف کیا ہے،لیکن کسی بھی جسد کو حسد نے نہیں بخشا،البتہ اللہ تعالیٰ کسی کے حق کو ضائع نہیں کرتا،اللہ تعالیٰ ہر قائل کے قول کے پاس ہے،اورعقل مند آدمی اپنے کام میں مشغول رہتا ہے،چنانچہ اے طالب علم!اگر آپ کو اس کے ذریعہ کوئی اہم مسئلہ معلوم ہوجائے تو میرے حسن خاتمہ کے لئے دعاء کریں،اوراگر اس میں کوئی لغزش دیکھیں تو میرے لئے عفوودرگذر کی دعاء کریں) (669).

اخیر میں میں اللہ بزرگ وبرتر اوررب العرش الکریم سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس حقیر کوشش کو بارآور بنائے،اس میں برکت عطا فرمائے اورمیرے ہر خطاء وسہو وتقصیر کو درگذر فرمائے۔

میں اس علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں جو نفع نہ پہنچائے،اوراس دل سے جواس سے خوف نہ کھائے،اوراس دعا سے جو رد کردی جائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، وصلى الله وسلم على نبينا الكريم وعلى آله وصحبه أجمعين.

---

٦٦٩. اعانۃ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین،السید البکری الدمیاطی (۳۴۴/۴)

کچھ بیاں اپنا

مقدمہ مؤلف

موضوع کی اہمیت اور منہج تالیف

پہلی فصل

کعبہ کی تعریف اور اس کے اسماء

نمبر شمار	مباحث ومطالب	موضوعات	صفحات
1	مبحث اول	تعریفِ کعبہ	10
2	〃	قرآن کریم میں کعبہ کا ذکر دو مرتبہ آیا ہے	10
3	〃	سبب تسمیہ	11
4	〃	پہلا قول دو اسباب کی وجہ سے زیادہ قرینِ صحت ہے	11
5	〃	کعبہ کے ارکان	12
6	مبحث دوئم	کعبہ کے اسماء	13
7	〃	پہلا: البیت (گھر)	13
8	〃	دوسرا: قادس	18
9	〃	تیسرا: ناذر	19
10	〃	چوتھا: نادر	19
11	〃	پانچواں: البَنِیّۃ	19
12	〃	چھٹا: الدوار	20
13	〃	ساتواں: القبلۃ	20

دوسری فصل

کعبہ کی تعمیر

14	مبحث اول	اسلام سے پہلے کعبہ کی تعمیر	21
15	//	اسلام سے قبل کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں راجح قول	22
16	//	تعمیر کعبہ کے سلسلے میں راجح قول کی علمی تحقیق	23
17	//	تعمیر ابراہیم علیہ السلام	23
18	//	دوسری اور تیسری عمالقہ، اور جرہم کی تعمیر	25
19	//	چوتھا: قریش کی تعمیر	25
20	مبحث دوم	اسلام کے بعد کعبہ کی تعمیر	29
21	//	اول: عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر	29
22	//	دوم: حجاج بن یوسف کی تعمیر	34
23	//	سوم: سلطان مراد خان کی تعمیر	39
24	//	چہارم: کعبہ کے شاذروان	39
25	//	پنجم: کعبہ میں وسیع پیمانے پر کی جانے والی اصلاحات (تجدید کاری) (۱۴۱۷ھ)	40

تیسری فصل

فضائلِ کعبہ

26	پہلا مبحث	کعبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معظم ہے	43
27	//	تعظیم کعبہ کی صورتیں	44
28	//	اللہ تعالیٰ نے بیت الحرام کو پانچ صفات سے متصف کیا ہے	51
29	دوسرا مبحث	سفرِ کعبہ کے فضائل	52
30	تیسرا مبحث	حجرِ اسود کے فضائل	57
31	پہلا مطلب	حجرِ اسود کا جنت سے نازل ہونا	58
32	//	حجرِ اسود حقیقت میں جنت کا پتھر ہے	59
33	//	گناہوں اور نافرمانیوں کا اثر	60
34	//	عصرِ حاضر کی شہادت	61
35	//	خلاصہ	62
36	دوسرا مطلب	حجرِ اسود جنت کے یاقوت (بیش قیمت پتھروں) میں سے ہے	63
37	//	تاریخی شہادت	64
38	//	اس کی روشنی کو ختم کردیئے جانے کی حکمت	65
39	تیسرا مطلب	حجرِ اسود زمین پر اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے	67
40	//	حدیث کے مفہوم کے سلسلے میں اہلِ علم کے اقوال	67
41		خلاصہ	69

42	چوتھا مطلب	حجرِ اسود کو چھونا گناہوں کے لئے کفارہ ہے	70
43	پانچواں مطلب	حق کے ساتھ چھونے والے کے لئے حجرِ اسود کی شہادت	72
44	چھٹا مطلب	خانہ کعبہ اور حجرِ اسود سے فائدہ اٹھانا اور ان کو غنیمت سمجھنا	75
45	//	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بوسہ دینے سے حجرِ اسود کے فضل وشرف میں اضافہ:	78
46	//	ایک شبہ اور اس کا ازالہ	79
47	چوتھا مبحث	رکن یمانی کے فضائل	81
48	پہلا مطلب	رکنِ یمانی ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر قائم ہے	81
49	//	خلاصہ	84
50	//	رکنِ اسود کو دو فضیلتیں حاصل ہیں	84
51	دوسرا مطلب	رکنِ یمانی کو چھونا گناہوں کے کفارے کا باعث ہے	85
52	//	ہر چکر میں دونوں ارکان کا استلام افضل ہے	86
53	//	خلاصہ	88
54	پانچواں مبحث	طوافِ کعبہ کے فضائل	89
55	//	خانہ کعبہ کا طواف مثلِ نماز ہے	93
56	چھٹا مبحث	مقام ابراہیم کے فضائل	96
57	پہلا مطلب	مقام ابراہیم کی تعریف	97
58	دوسرا مطلب	مقامِ ابراہیم جنت کا یاقوت (بیش قیمتی پتھر) ہے	99
59	تیسرا مطلب	مقامِ ابراہیم کے فضائل کا خلاصہ	101
60	ساتواں مبحث	آب زمزم کے فضائل	103

61	پہلا مطلب	آبِ زمزم کی تعریف	104
62	//	کیمیائی اور قدرتی صفات کے لحاظ سے آبِ زمزم کا امتیاز	106
63	دوسرا مطلب	روئے زمین کا سب سے بہترین پانی	108
64	//	زمزم کا پانی لاثانی	108
65	//	زمزم کا چشمہ واضح نشانیوں میں سے ہے	109
66	تیسرا مطلب	سیر بخش غذا	111
67	//	صحابۂ کرام کے لئے زمزم کی سیر بخش غذائیت	112
68	//	عرب کے نزدیک زمزم کے مختلف اسماء واوصاف	113
69	//	زمزم کی غذائیت کی بابت صالحین اور بزرگوں کے چند واقعات	113
70	چوتھا مطلب	بیماری کی شفا ودوا	115
71	//	زمزم سے شفایابی کے چند نمایاں واقعات وروایات	117
72	//	آبِ زمزم جسم کے خلایا (Cells) کو حیات بخش حرکت ونشاط عطا کرتا ہے	119
73	//	آبِ زمزم سے شفایابی کی خصوصیت قیامت تک برقرار رہے گی	119
74	//	آبِ زمزم سے استفادہ کی شرطیں	120
75	پانچواں مطلب	آبِ زمزم سے ہر وہ مقصد حاصل ہوتا ہے جس کے لئے اسے پیا جائے	122
76	//	آبِ زمزم جس مقصد کے لئے پیا جائے وہ حاصل ہوتا ہے	122
77	//	زمزم نوش کرتے وقت نیک نیتی کی عمدہ مثالیں	123
78	آٹھواں مبحث	کعبہ کے پاس نیکیوں میں اضافہ	127

چوتھی فصل

کعبہ کے خصائص

79	پہلا مبحث	اللہ کی عبادت کے لئے بنایا جانے والا پہلا گھر ہے	130
80	//	آیت کے اندر اولیت کا معنی	130
81	//	آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال	131
82	//	کعبہ اللہ کی وحدانیت کے اعلان کے لئے بنایا جانے والا پہلا عبادت خانہ ہے	132
83	//	کعبہ نے توحیدِ معنوی کو ماڈی اور محسوس بنا دیا	133
84	دوسرا مبحث	اللہ تعالی نے اس کی تطہیر کا حکم دیا ہے	135
85	//	تطہیر کعبہ کی صورتیں	136
86	//	مشرکین کے داخلہ پر پابندی کے بعد تطہیر مکمل ہوگئی	137
87	//	نبی ﷺ کی طرف سے کعبہ کی تطہیر ابراہیم علیہ السلام کی تطہیر سے مقتبس ہے	137
88	تیسرا مبحث	کعبہ کو اللہ تعالی کی طرف نسبت رکھنے کا شرف حاصل ہے	139
89	//	اس اضافت کے فوائد	139
90	//	کعبہ کے لئے مکّہ کو اختیار کیے جانے کی حکمت	141
91	چوتھا مبحث	اس کے اندر مقامِ ابراہیم ہے	143
92	//	مقامِ ابراہیم قرآن کریم میں	143

93	چوتھا مبحث	مقامِ ابراہیم کی شرکیہ رسوم ورواج سے حفاظت	145
94	″	لوگوں کی پیدا کردہ بدعت	146
95	پانچواں مبحث	لوگوں کے دل ہر دم اس کا مشتاق ہوتے ہیں	147
96	″	مثابۃ کا لغوی معنی	147
97	″	خانۂ کعبہ کو مثابہ بنائے جانے کی حکمت	148
98	″	کعبہ اور دینی ودنیوی منافع	149
99	″	خانۂ کعبہ کا دلوں کو کھینچنا مقناطیس کا لوہے کو کھینچنے سے زیادہ عظیم ہے	149
100	چھٹا مطلب	اس کے لئے بالقصد سفر کیا جا سکتا ہے	151
101	″	ان کی طرف شدِّ رحال کا سبب	152
102	″	مسجدِ کعبہ سفر کے لحاظ سے تینوں مساجد میں سب سے افضل ہے	153
103	″	نذر کی صورت میں مسجدِ حرام دونوں مساجد کے قائم مقام ہوتی ہے	154
104	″	مسجدِ حرام کی افضیلت کا سبب	154
105	ساتواں مبحث	کعبۂ مشرفہ مسلمانوں کا قبلہ ہے	156
106	پہلا مطلب	نماز میں مسلمانوں کا قبلہ ہے	157
107	دوسرا مطلب	تحویلِ قبلہ کی حکمت	160
108	تیسرا مطلب	استقبالِ کعبہ کے حکم میں تکرار	165
109	″	تحویلِ قبلہ کی آیات	165

110	تیسرا مطلب	استقبالِ قبلہ کے حکم میں تکرار کے متعلق علماء کے آراء	166
111	آٹھواں مبحث	کعبہ کے گرد طواف کرنے کی مشروعیت	167
112	〃	طواف کی تعریف	167
113	〃	طواف بیت عتیق کے ساتھ خاص ہے	167
114	〃	طواف سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا حکم	168
115	〃	طواف کی قسمیں	169
116	نواں مبحث	چاہِ زمزم اس کے بغل میں ہے	171
117	پہلا مطلب	زمزم خلیل کی دعا اور ہاجرہ کے توکل کا ثمرہ ہے	172
118	〃	زمزم اس شخص کے لئے روشن دلیل ہے جو توکل کی مثال کا متلاشی ہو	173
119	دوسرا مطلب	جبریل کے ذریعے چاہ زمزم کا جاری ہونا	174
120	〃	زمزم کے اسمائے گرامی	175
121	〃	زمزم کا چشمہ سب سے پاک سرزمین پر جاری ہوا	176
122	تیسرا مطلب	آبِ زمزم بہت بڑی نعمت اور نہایت نفع بخش ہے	177
123	〃	فضائل زمزم بے شمار ہیں	178
124	〃	چشمۂ زمزم آیات بینات میں سے ہے	178
125	چوتھا مطلب	بذریعہ زمزم سب سے پاک انسان کا قلب دھویا گیا	180
126	〃	آپ کے قلبِ اطہر کو آبِ زمزم سے دھوئے جانے کی حکمت	181

127	چوتھا مطلب	نبی ﷺ کا اپنے لعاب مبارک سے چشمۂ زمزم کو نوازنا	182
128	پانچواں مطلب	چشمۂ زمزم کبھی خشک نہ ہوگا	184
129	〃	آبِ زمزم کے حق میں تاریخی شہادت	186
130	دسواں مبحث	کعبہ کرۂ ارضی اور پوری دنیا کا مرکز ہے	187
131	پہلا مطلب	کعبہ کا رُخ بیتِ معمور کی طرف ہے	188
132	〃	اللہ تعالیٰ کی عبادت دونوں گھروں کے درمیان ربط و وصل کا کام کرتی ہے	192
133	دوسرا مطلب	قدیم علماء وفلاسفہ کے مطابق کعبہ خشکی کے وسط میں واقع ہے	193
134	〃	کعبہ کی وسطیت میں روحانی اور مادی دونوں فائدے پنہاں ہیں	195
135	〃	کعبہ، قدیم وجدید ہر دو دنیا کی خشکی کا مرکز ہے	196
136	〃	اوّل: قدیم دنیا (OLDWORLD) کی خشکی کے وسط میں کعبہ کا وقوع	196
137	〃	دوم: جدید دنیا (NEW) کی خشکی کے وسط میں کعبہ کا وقوع	196
138	〃	جائے کعبہ کے انتخاب میں سربستہ عظیم حکمتیں	197
139	〃	مکہ کا (خط) طول بلد گرینچ (GREENWICH) کے طول بلد سے بہتر ہے	198
140	چوتھا مطلب	کعبہ کے ارکان دنیا کے مختلف جہات کی طرف اشارہ کرتے ہیں	200
141	〃	ارکانِ کعبہ کے عالمگیر نام	201
142	〃	خلاصہ	201

پانچویں فصل

کعبہ کے احکام

143	پہلا مبحث	مقامِ ابراہیم	204
144	پہلا مطلب	مقامِ ابراہیم	204
145	دوسرا مطلب	مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم	208
146	//	اس بابت اہل علم کے آراء و اقوال	209
147	دوسرا مبحث	نماز کے ثواب میں اضافہ	212
148	پہلا مطلب	نماز کے ثواب میں اضافہ مسجدِ حرام کے ساتھ خاص ہے	213
149	//	صفیں باہم متصل ہوں تو مسجدِ حرام کے باہر نماز پڑھنے والے کو بھی اضافۂ ثواب حاصل ہو جائے گا	216
150	//	اس بابت علماء کے اقوال و آراء	216
151	دوسرا مطلب	ثواب کا اضافہ اور زیادتی فرض نمازوں کے ساتھ خاص ہے	218
152	تیسرا مطلب	ثواب میں اضافہ مردوں کے ساتھ خاص ہے	221
153	چوتھا مطلب	مسافروں کے لئے مسجدِ حرام میں نفل پڑھنا مستحب ہے	224
154	//	خلاصہ	225
155	تیسرا مبحث	طواف کے احکام	226
156	پہلا مطلب	نماز پڑھنے کی ممانعت والے اوقات	227
157	دوسرا مطلب	ممنوع اوقات میں طواف کرنا اور اس کی دو رکعتیں پڑھنا	229

158	تیسرا مطلب	استثناء طواف اور اس کی دو رکعتوں کے لئے ہی خاص ہے	232
159	چوتھا مطلب	غیر مکی کے لئے زیادہ سے زیادہ طواف کرنا افضل ہے	234
160	چوتھا مبحث	حِجر کے احکام	235
161	پہلا مطلب	حِجر اور اس کے اسماء	236
162	〃	حِجر کی تعریف	236
163	〃	حِجر کے اسماء اور ان کے معانی	236
164	〃	اسے حِجر اسماعیل کہنا صحیح نہیں ہے	237
165	〃	حِجر کو وضع کر دیئے جانے کا سبب	239
166	دوسرا مطلب	حِجر کی تحدید اور اس کا رقبہ	240
167	〃	حِجر کا رقبہ	243
168	〃	حِجر کے رقبہ کو جاننے کے فائدے	244
169	تیسرا مطلب	حِجر کے اندر نماز پڑھنا، دعا کرنا اور اس میں بیٹھنا	245
170	〃	اول: کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کا استحباب	245
171	〃	دوم: کعبہ کے اندر دعا کا استحباب	246
172	〃	(مسئلہ) کیا کعبہ کے اندر اعتکاف کرنا جائز ہے؟	247
173	〃	پہلا قول: ’’کعبہ کے اندر اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے	247
174	〃	دوسرا قول: کعبہ کے اندر اعتکاف کرنا جائز ہے	248
175	〃	سوم: حِجر میں نماز پڑھنا کعبہ میں نماز پڑھنا ہے	249
176	〃	چہارم: حِجر میں بیٹھنے کا استحباب	250

177	چوتھا مطلب	حجر کے اگلے حصے میں نماز پڑھنا	253
178	//	اول: حجر کے اگلے حص میں (فرض نماز) پڑھنے کا حکم	253
179	//	دوم: حجر کے اگلے حصے میں (نفل نماز) کا حکم	255
180	//	سوم: حجر میں اس جگہ نماز پڑھنے کا حکم جو کعبہ کا حصہ نہیں ہے	256
181	پانچواں مطلب	نماز میں حجر اور اس کی فضا کا استقبال	257
182	چھٹا مطلب	حجر کے اندر سے طواف کرنا	259
183	پانچواں مبحث	نماز میں استقبال کعبہ کے احکام	262
184	پہلا مطلب	نماز میں کعبہ کا استقبال	263
185	دوسرا مطلب	نماز میں کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کے حالات	266
186	//	اول: کعبہ کو دیکھ رہے شخص کا حکم	266
187	تیسرا مطلب	کن حالات میں استقبال قبلہ شرط نہیں ہے؟	270
188	چوتھا مطلب	کعبہ کے پاس مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی کیفیت	272
189	//	اول: مقام ابراہیم کے پیچھے امام کا کھڑا ہونا اور اس کے پیچھے مقتدیوں کا کھڑا ہونا	272
190	//	دوم: امام کی جہت کے علاوہ میں مقتدیوں کا امام سے آگے ہونا	272
191	//	سوم: امام کی جہت میں مقتدیوں کا امام سے آگے ہونا	272
192	پانچواں مطلب	کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا	274
193	چھٹا مطلب	کعبہ سے بلندی پر یا اس سے پستی میں نماز پڑھنا	276
194	//	خاتمہ	277